شمارہ: 16
اکتوبر، نومبر، دسمبر 2021

مدیر: اے آر خان

سہ ماہی قندیل حق لندن

QINDEEL-E-HAQ

A.R. Khan: +44-7886304637 E-Mail : qindeelehaq@gmail.com



سید طالع احمد شہید

وہ انمول موتی، وہ تھا ایک ہیرا   جدائی نے اس کی ہے دل سب کا چیرا



احمدیہ مسجد ہیوسٹن،امریکہ



احمدیہ مسجد نائیجیریا،افریقہ

فہرست

فہرست

✿✿✿✿✿✿



اداریہ۔احکام خلافت کی اطاعت کریں



رانا عبدالرزاق خان۔لندن

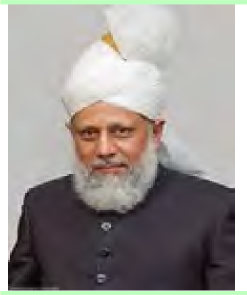
انبیاء کی بعثت کا جواز جب پیدا ہوجائے اللہ کی زمین پر تو اس وقت اللہ تعالیٰ انبیاء اور صالح لوگوں کو اپنی مخلوق کی طرف بھیجتا ہے۔تا کہ لوگ ہدایت پائیں ۔یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے برصغیر کو گمراہی اور شرک میں غرق پایا تو اللہ تعالیٰ نے اس علاقے میں حضرت مرزا غلام احمد قادیانی صاحب کو ساری دنیا کے لئے مامور کیا۔جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ وقت کے مقتدروں نے جب کسی کے گرد مخلوق خدا کو اکھٹے ہوتا دیکھا تو ان لوگوں نے اس گروہ کو اپنے اقتدار کے لئے خطرہ سمجھا۔اور حیلے بہانوں سے اس نئ اُبھرنے والی طاقت کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے ۔جب سارے آنے والے صالحین سے مقتدرِ وقت نے یہی سلوک کیا تو اس اللہ کے فرستادے کے متعلق ایسا ہی ہونا مقدر تھا۔چونکہ امام مہدی کا مشن بین الاقوامی ہے۔تو اس کی مخالفت بھی اسی درجے کی ہونی ہے ۔علاقائی ،صوبائی اور ملکی مخالفتیں تو دم توڑ چکی ہیں۔اب بین الاقوامی مخالفت کا دور شروع ہونے والا ہے۔اس کی تیاری کے لئے جماعت کی تربیت اور تیاری مسلسل خلافت کے سائے میں شب و روز جاری ہے ۔خدا تعالیٰ ہمیں توفیق دے کہ ہم خلافت کی اطاعت میں اس کا ادراک رکھیں ۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے فرمودات کے مطابق وہ دن دور نہیں کہ جب احمدیت کے سورج کی کرنوں (نور محمدی) سے دنیا کو روشن کر دیں ۔تین سو سال کا وقت دیا گیا ہے۔جس میں سے یک صد بتیس سال بیت چکے ہیں ۔یعنی کہ تقریباً نصف مدت باقی ہے ۔ہم سب کو اس نقطے کو مدنظر رکھنا چاہیئے ۔کہ کیا ہم سب خلیفہ وقت کے فرمودات پر زیادہ سے زیادہ عمل کرنے کو یقینی بنا رہے ہیں ۔ بہت سے چیلنج درپیش ہیں جن کو حل تو ہمارے مولا کریم نے ہی حل کرنا ہے ۔مگر انسان کو اس کی تیاری میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرنا چاہیئے ۔اپنی اولادوں کی قربانی اور وقف ، مالی قربانیوں کی طرف پوری توجہ ،اطاعت خلافت میں ایک دوسرے سے سبقت لینے کا ارادہ ،اخلاق میں ترقی ،خدمت خلق ،تعلیم اور سائنس میں برتری ،علم وعمل میں مستقل مزاجی ، دین کو دنیا پر مقدم رکھنے کا عزم ،تبلیغ اسلام میں وقت صرف کرنا ، ہر قسم کے لوگوں کو دین اسلام کی تبلیغ کرنا ،شرک و بدعت کے خلاف جہاد ، کرنا ضروری ہے ۔اگر ہر احمدی اپنا محاسبہ کرے تو پراگریس چار گنا ہوسکتی ہے ۔اور احمدیت کے غلبے کی گھڑی بغتۃً آسکتی ہے ۔یہی وہ اُمت ہے جسے اللہ تعالیٰ نے افضل اور اعلیٰ قرار دیا ہے۔

اس سنت اور عمل صحابہ کے تناظر میں ہمیں اپنی استعدادوں کو ان بزرگان دین کے کردار کو اپنا کر اپنی قربانیوں کو کمال تک پہنچانا ہوگا۔جنہوں نے عسر اور یسر میں بھی ایک پاکیزہ جدوجہد کا دامن نہیں چھوڑا۔اپنے صالحہ کردار سے خلافت کی اطاعت میں دنیا میں ایک روشن تاریخ نقل کر گئے کہ آج بھی مستشرقین ان کی بے لوث تعریف کرنے پر مجبور ہیں ۔وہ نیک اور مجاہد لوگ اس شعر کی مجسم تشریح تھے

دشت تو دشت ہیں دریا بھی نہ چھوڑے ہم نے
بحر ظلمات میں دوڑا دیئے گھوڑے ہم نے

جماعت احمدیہ کے مبلغین نے بھی اطاعت خلافت میں افریقہ اور دیگر براعظموں کے ریگزاروں میں ایسی بہت سی مثالیں پیش کی ہیں ۔خلافت ایک سراج منیر ہے۔ہمیں اس کی رہنمائی میں تبلیغ دین اسلام کی خاطر اپنے قدموں کو مزید تیز کرنے کی ضرورت ہے ۔تا کہ غلبہ اسلام جلد ہو۔جو کام حضرت مسیح موعود علیہ السلام ہمارے سپرد کر کے گئے ہیں وہ کمال سرعت سے پورا ہو۔

اس لئے خاکسار آپ سب سے سبک رفتاری کا ملتجی ہے۔خدا کرے کہ ہم سب اس قافلے کو لے کر ہمیشہ آگے سے آگے بڑھتے رہیں ۔احکام خلافت کی اطاعت کریں ۔اور اس کے نتیجے میں طاغوتی طاقتیں شکست کھائیں اور اسلام کا بول بالا ہو۔اے اللہ تو ایسا ہی کر۔آمین ۔



خلافت کی اہمیت (حضرت خلیفۃ المسیح الخامس)

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے ارشادات کی روشنی میں (ادارہ)

خلافت سے کامل اطاعت کی ضرورت

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’اپنے آپ کو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوۃ والسلام سے جوڑ کر پھر خلافت سے کامل اطاعت کی سب سے زیادہ ضرورت ہے۔ یہی چیز ہے جو جماعت میں مضبوطی اور روحانیت میں ترقی کا باعث بنے گی۔ خلافت کی پہچان اور اُس کا صحیح علم اور ادراک اس طرح جماعت میں پیدا ہو جانا چاہئے کہ خلیفہ وقت کے ہر فیصلے کو بخوشی قبول کرنے والے ہوں اور کسی قسم کی روک دل میں پیدا نہ ہو۔ کسی بات کو سن کر انقباض نہ ہو۔ خلافت کا صحیح فہم و ادراک پیدا کرنا بھی مربیان کے کاموں میں سے اہم کام ہے اور پھر عہدیدران کا کام ہے کہ وہ بھی اس طرف توجہ دیں۔‘‘

(روزنامہ الفضل 18 مارچ 2014ء)

خلافت سے اخلاص و وفا

گوئٹے مالا کے جلسہ سالانہ 2013ء کے موقع پر اپنے پیغام میں نصیحت کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

......’’میں یہ بھی نصیحت کرتا ہوں کہ خلافت اور نظام خلافت کے ساتھ اخلاص و وفا کا تعلق پیدا کریں۔ آج اسلام کا غلبہ خلافت احمدیہ کے ساتھ وابستہ ہو چکا ہے۔ اس لئے اس مقدس و بابرکت نظام کے معین و مددگار بن جائیں اور آنے والی نسلوں کو بھی نظام خلافت کے ساتھ وابستہ کرنے کی ہر ممکن جدوجہد کریں۔‘‘ (روزنامہ الفضل 14 مارچ 2014ء)

احمدیت کی خوبصورتی

خطبہ جمعہ فرمودہ 6 دسمبر 2013ء میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’احمدیت کی خوبصورتی تو نظام جماعت اور نظام خلافت کی لڑی میں پرویا جانا ہے اور یہی ہماری اعتقادی طاقت بھی ہے اور عملی طاقت بھی ہے۔‘‘

(روزنامہ الفضل 21 جنوری 2014ء)

خلافت کی برکات حاصل کرنے کا طریق

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’آنحضرت ﷺ نے پہلے دور کی خلافت کی اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر ایک مدت گزرنے کے بعد ختم ہونے کی اطلاع فرمائی تھی اور دوسرے دور کی خلافت کی اللہ تعالیٰ سے اطلاع پا کر ہمیشہ جاری رہنے کی خوشخبری عطا فرمائی۔ لیکن کن لوگوں کو؟ یقیناً ان لوگوں کو جو خلافت کے ساتھ جڑے رہنے کا حق ادا کرنے والے ہیں۔ تقویٰ پر چلنے والے ہیں۔ عمل صالح کرنے والے ہیں۔ عبادتوں پر بڑھنے والے ہیں۔‘‘ (روزنامہ الفضل 9 جولائی 2013ء)

خلافت کا فیض پانے کا طریقہ

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’اسلام کی ترقی اب حضرت مسیح موعودؑ کے ساتھ وابستہ ہے...... جو خلافت کے ساتھ منسلک ہے، جماعت کی لڑی میں پروئے ہوئے، جو حبل اللہ کو پکڑے ہوئے ہیں۔...... افرادِ جماعت کو بھی یاد رکھنا چاہئے جیسا کہ میں نے کہا تقویٰ پر چلنا، نمازوں کا قیام اور مالی قربانیوں میں بڑھنا انہیں خلافت کے فیض سے فیضیاب کرتا چلا جائے گا۔‘‘

(روزنامہ الفضل 9 جولائی 2013ء)

خلافت کا نظام جاری رہے گا

جلسہ سالانہ یوکے 2013ء کے موقع پر مستورات سے خطاب کرتے ہوئے سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’یہ تو اب اللہ تعالیٰ کا مسیح ومہدیؑ کے زمانے کے ساتھ وعدہ ہے کہ ان کی اصلاح ہوگی اور اس کی پیشگوئی آنحضرت ﷺ نے فرمائی تھی کہ مسیح موعود کے بعد خلافت کا نظام جاری رہے گا اور جب خلافت کا نظام جاری رہے گا تو پھر قبلے بھی درست رہیں گے کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا ایمان والوں، عمل صالح کرنے والوں، نمازوں کا قیام کرنے والوں اور زکوٰۃ دینے والوں اور رسول کی اطاعت کرنے والوں کے ساتھ وعدہ ہے کہ خلافت کا نظام جاری رہے گا۔‘‘ (روزنامہ الفضل 2 ستمبر 2013ء صفحہ 5)

کامل اطاعت سے برکات ملتی رہیں گی

جلسہ سالانہ قادیان 2009ء کے اختتامی خطاب میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’یہی بستی تھی جس میں آپؑ کی وفات کے بعد تقویٰ پر چلتے ہوئے مومنین نے خلافت کے ساتھ جڑے رہنے کا عہد کیا تو اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدے کے مطابق جو اس نے مسیح موعودؑ سے کیا تھا جماعت کی وسعت کو اسی طرح جاری رکھا۔ جماعت کی مضبوطی اور استحکام کے نئے سے نئے باب کھلتے چلے گئے اور آج تک کھل رہے ہیں اور ان شاء اللہ کھلتے جائیں گے۔ لیکن شرط تقویٰ ہے اور اس مقصد کے حصول کے لئے اپنی جان، مال، وقت اور عزت کو قربان کرنے کا عہد ہے اور اس پر عمل ہے۔ جب تک یہ قائم رہے گا۔ جب تک آپ کے دل اس عہد کو پورا کرنے کے لئے اپنی تمام تر استعدادوں کو بروئے کار لاتے رہیں گے، جب تک کامل اطاعت کے نظارے نظر آتے رہیں گے۔ ان برکات سے فیض پاتے چلے جائیں گے۔ جن کو اس زمانے میں اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود کی جماعت کے لئے مقدر کر دیا ہے۔‘‘ (روزنامہ الفضل 5 مئی 2012ء)

اطاعت بجالانے والے فلاح پانے کے مستحق

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’خلافت خامسہ کے قائم ہونے کے ساتھ ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی اس فعلی شہادت کا بھی اظہار فرما دیا کہ آنحضرت ﷺ کی پیشگوئی اور (حضرت مسیح موعود) کی یہ بات کہ خلافت اسلام کی نشاۃ ثانیہ کے دور میں دائمی ہے۔ یقینا اللہ تعالیٰ کی تقدیر ہے اور آئندہ بھی یہ نظام اللہ تعالیٰ کے فضل سے جاری رہے گا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے خلافت سے فیض پانے والوں کی بعض نشانیاں بتائی ہیں۔ جو آیات (یعنی سورۃ النور 53 تا 57) میں نے تلاوت کی ہیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ان تمام باتوں کا نقشہ بھی کھینچ دیا ہے جو خلافت سے فیض پانے والوں کے لئے ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب مومنوں کو فیصلوں کے لئے اللہ اور رسول کی طرف بلایا جاتا ہے تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ سمعنا واطعنا ہم نے سنا اور اطاعت کی۔ فرمایا کہ یہی لوگ ہیں جو فلاح پانے والے ہیں۔ یہی ہیں جو کامیابیاں دیکھنے والے ہیں۔‘‘

(روزنامہ الفضل 9 جولائی 2013ء)

احمدی اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوش قسمت ہیں

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

’’جب اعمالِ صالحہ بجالانے کی طرف توجہ ہوگی تو پھر ایسے لوگ خلافت کے انعام سے فیض پاتے رہیں گے یعنی اللہ تعالیٰ نے یہ وعدہ اُن لوگوں سے کیا ہے یا خلافت کے مقام سے وہ لوگ فائدہ اٹھائیں گے، وہ لوگ تمکنت حاصل کریں گے، اُن کے خوف کو امن میں خدا تعالیٰ بدلے گا جو ایمان لانے والے اور اعمال صالحہ بجالانے والے اور عبادت کرنے والے اور ہر طرح کے شرک سے پرہیز کرنے والے ہوں گے اور اللہ تعالیٰ کے اس انعام کے شکرگزار ہوں گے جو خلافت کی صورت میں انہیں ملا ہے۔ جیسا کہ میں نے کہا کہ احمدیت میں اللہ تعالیٰ نے یہ نظام جاری فرمایا ہے اور اس کے علاوہ اور کہیں یہ نظام جاری نہیں ہوسکتا۔ احمدی اللہ تعالیٰ کے فضل سے خوش قسمت ہیں جن کو حضرت مسیح موعود کو ماننے کی وجہ سے خلافت کی نعمت سے حصہ ملا ہے۔ پس ہمیشہ یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کا جو وعدہ ہے غیر مشروط نہیں ہے بلکہ بعض شرطوں کے ساتھ ہے اور جب یہ شرطیں پوری ہوں گی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل سے پھر تمکنت بھی حاصل ہوگی، خوف کی حالت بھی امن میں بدلتی چلے جائے گی۔‘‘ (روزنامہ الفضل 9 جولائی 2013ء)

نظام خلافت کے تائید یافتہ ہونے کی دلیل

اپنے اختتامی خطاب جلسہ سالانہ آسٹریلیا فرمودہ 11 ر اکتوبر 2013ء

میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''اگر جائزہ لیں تو واضح طور پر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج روئے زمین پر جماعت احمدیہ کے علاوہ کوئی جماعت نہیں جو اللہ کے بتائے ہوئے اس رہنما اصول کے مطابق ایک نظام سے وابستہ ہو اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے احکامات پر چلنے کی کوشش کرنے والے ہوں اور خلافت کے نظام سے کامل طور پر وابستگی ہو۔ جماعت احمدیہ کے سچا ہونے اور نظام خلافت کے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تائید یافتہ ہونے کے لئے یہی دلیل بڑی ہے کہ جماعت احمدیہ کی تعداد اس وقت باقی تمام فرقوں کی تعداد سے انتہائی کم ہونے کے باوجود اسلام کی خوبصورت تعلیم کی تبلیغ جو ہے وہ جماعت احمدیہ کر رہی ہے اور پھر تبلیغ کے ذریعہ سے یہ تعداد روز بڑھتی چلی جا رہی ہے''۔

(روزنامہ الفضل 19 نومبر 2013ء)

خلافت کی برکات سے جوڑنے کا ذریعہ

خطبہ جمعہ 18/ اکتوبر 2013ء بمقام سڈنی آسٹریلیا میں سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''پس ہمیں کوشش کرنی چاہئے کہ اپنے آپ کو ایم ٹی اے سے جوڑیں۔ اب خطبات کے علاوہ اور بھی بہت سے لائیو پروگرام آ رہے ہیں جو جہاں دینی اور روحانی ترقی کا باعث ہیں وہاں علمی ترقی کا بھی باعث ہیں۔ جماعت اس پر لاکھوں ڈالر ہر سال خرچ کرتی ہے۔ اس لئے کہ جماعت کے افراد کی تربیت ہو۔ اگر افرادِ جماعت اس سے بھرپور فائدہ نہیں اٹھائیں گے تو اپنے آپ کو محروم کریں گے۔ غیر تو اس سے اب بھرپور فائدہ اٹھا رہے ہیں اور جماعت کی سچائی اُن پر واضح ہو رہی ہے اور اللہ تعالیٰ کی توحید اور اسلام کی حقانیت کا اُنہیں پتہ چل رہا ہے اور صحیح ادراک ہو رہا ہے۔ پس یہاں کے رہنے والے احمدیوں کو بھی اور دنیا کے رہنے والے احمدیوں کو بھی ایم ٹی اے سے بھرپور استفادہ کرنا چاہئے۔ ایم ٹی اے کی ایک اور برکت بھی ہے کہ یہ جماعت کو خلافت کی برکات سے جوڑنے کا بھی بہت بڑا ذریعہ ہے۔ پس اس سے فائدہ اٹھانا چاہئے۔'' (روزنامہ الفضل 3 دسمبر 2013ء)

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)



سب جان و مال اپنا خدا پر فدا کیا

(حضرت مرزا شریف احمدؓ)

اے قوم احمدی تُو ذرا غور سے تو دیکھ
دینِ خدا کے واسطے تُو نے ہے کیا کیا
ہے دعویٰ وراثت اصحابِ مصطفٰیؐ
ان کی طرح بتا تو سہی تُو نے کیا کیا
کن کن مصیبتوں میں وہ ثابت قدم رہے
کچھ یاد ہے تمہیں جو صحابہ نے تھا کیا
چھُوٹا وطن عزیز چھُٹے ہمنشیں چھُٹے
کفار نے ہر عیش کو ان کے فنا کیا
لُوٹے گئے ، شہید ہوئے ، راہِ دیں میں
سب جان و مال اپنا خدا پر فِدا کیا
پروانہ تھے وہ شمع صداقت کے واسطے
فرحاں تھی روح گو تنِ خاکی جلا کیا
ہر امتحاں کے وقت وہ ثابت قدم رہے
بڑھ بڑھ کے اپنی جاں کو قرباں سدا کیا
راضی خدا تھا ان سے وہ اس کی رضا پہ خوش
ان عاشقوں نے نفس کو ایسا فنا کیا
اسلام کی اشاعتِ کامل کے فرض کو
تمہی کہو کہ تم نے کہاں تک ادا کیا
کتنوں نے دین کے لئے دنیا نثار کی
کتنوں نے جان و مال کو وقفِ خدا کیا
جو مال دے گئے تھے مسیحِ محمدیؐ
کس کس کو تم نے وہ زرِ خالص عطا کیا
حصہ لیا ہے تم نے جو تبلیغ دین میں
اعلان حق جو تم نے ببانگ درا کیا

(بحوالہ روزنامہ الفضل آن لائن لندن)



حضرت مسیح موعود کی شخصیت پر چند عیب چینیوں کا جواب

جمیل احمد بٹ



حضرت مسیح موعودؑ کی صداقت اظہر من الشّمس ہے۔ آپ ان سب معیاروں پر پورے اُترتے ہیں جو قرآنِ کریم نے گذشتہ انبیاء کی صداقت کے لئے پیش فرمائے ہیں۔ مسیح اور مہدی کے ناموں سے امتِ محمدیہ میں آنے والے موعود کی قرآنِ کریم اور احادیثِ صحیحہ میں بیان کردہ سب علامات آپ کے زمانہ اور آپ کی ذات میں پوری ہوئیں۔ نیز وہ کام جو اس موعود نے بجالانے تھے آپ نے ان سب کاموں کی تکمیل کی یا جاری فرمایا۔ صداقت کے ان دلائل کا کوئی جواب نہیں۔ اس لئے جماعت مخالف بولنے اور لکھنے والے اس میدان کو چھوڑ کر انبیاء کے گزشتہ مخالفین کے راہ اپنا چکے ہیں۔

انبیاء کے مخالفین کا پرانا حربہ:

یہود، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور اسلام دشمن مستشرقین، آں حضرت محمد مصطفی ﷺ کے دعاوی کے بارے میں دلائل سے افہام وتفہیم کا میدان چھوڑ کر کردار کشی کا حربہ استعمال کرتے ہیں۔ یعنی جھوٹ اور فریب سے کمزور روایات کی بنیاد پر ان عظیم الشان وجودوں پر ایسی انہونی الزام تراشیاں کرتے ہیں۔ جو ان کے مناصب کے سراسر منافی ہوں اور جنہیں پڑھنے والے ابتدائی مرحلے پر ہی ان وجودوں سے متنفر ہو جائیں اور سچی بات سننے، سمجھنے اور ماننے کی نوبت ہی نہ آئے۔

یہود حضرت عیسیٰؑ کی پیدائش اور کاٹھ پر وفات پر زبان دراز کرتے ہیں اور آں حضرت ﷺ کے بارے میں بدنام زمانہ کتابوں میں آپ کی شادیوں اور غزوات کو موضوع بنا کر توہین کی کوشش کی جاتی ہے۔ اور قاری کو انہی میں اُلجھا کر رکھا جاتا ہے اور تعلیمات، تعلق باللہ، حُسنِ اخلاق اور نیکیوں کے ذکر سے بالارادہ شجرِ ممنوعہ کی طرح پرہیز کیا جاتا ہے۔

ہم رنگ جماعت مخالف لٹریچر:

دلائل کے میدان میں ناکام رہ کر جماعت کے مخالف بھی اپنا کام چلانے کے لئے یہی حربہ اختیار کرتے ہیں۔ جماعت کے خلاف لکھا جانے والا لٹریچر خواہ باقاعدہ کتب ہوں یا کتابچے، پمفلٹ اور فولڈرز، بیشتر اسی طریق پر اور اسی غرض سے ہیں کہ حضرت مسیح موعود کی شخصیت پر کیچڑ اچھالی جائے اور اس میں سب عیب اور کمزوریاں دکھائی جائیں۔ کردار پر حملے کئے جائیں اور آپ کو ایک عام دنیادار کے طور پر پیش کیا جائے۔ پھر یہ نتیجہ نکالا جائے کہ ایسے شخص میں کسی روحانی منصب کے پائے جانے کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ہے۔ یہ الزام تراشی دعوے کی بعد کی زندگی پر کی جاتی ہے۔

بعد از دعویٰ بے عیب زندگی پر اعتراضات:

قرآنِ کریم نے انبیاء کی قبل از زندگی کو ہی معیار مقرر فرمایا ہے۔ کیونکہ اسی عرصہ کی رائے بے لاگ ہوتی ہے اور مدعی کے کردار کی اصل گواہی ہوتی ہے۔ جبکہ دعویٰ کے بعد تو مخالفین کے منہ کھل جاتے ہیں اور وہ ہر بات میں اعتراض کے بہانہ ڈھونڈتے ہیں اور مدعی کو بدنام کرنے کی ہر ممکن کوشش کرتے ہیں۔ مخالف کتب میں حضرت مسیح موعودؑ کے حالات کے بیان میں بھی یہی رنگ نمایاں ہے۔ کئی ہوائی اور جھوٹ پر مبنی اعتراضات آپ کی بعد از دعویٰ زندگی پر کئے جاتے ہیں۔ ان میں سے بہت سارے ’حقائق‘ کے دعویٰ کے ساتھ ایک مخالف کتاب ’قادیانیت اپنے آئینے میں‘ از مولوی صفی الرحمٰن صاحب میں جمع کئے گئے ہیں۔ یہ اور اسی نوعیت کے چند اور اعتراض اور ان کے جواب اس باب کا موضوع ہیں۔

1۔ مراق (مالیخولیا) میں مبتلا ہونے کا اعتراض:

قرآن کریم میں بیشتر انبیاء کے حالات میں یہ ذکر ہے کہ مخالفین نے

انہیں مجنون کہہ کر ردّ کر دیا۔اس اعتراض کا باعث مخالفین کی ظاہر بینی اور تکبر ہوتا ہے۔ وہ مدعی کو اپنے سے کم تر دیکھتے ہیں اور اس کے اعلیٰ منصب کے دعوے کو اس کے وجود کے مطابق نہ پا کر اس کو دیوانہ ٹھہراتے ہیں ۔حضرت مسیح موعود کے اکثر مخالف بھی اسی طریق پر آپ کے دعاوی کا سبب آپ کا مراق یا مالیخولیا میں مبتلا ہونا بتاتے ہیں۔

مثلاً ایک مخالف نے رسالہ ریویو آف ریلیجنز، قادیان، بابت اگست 1926ء کے حوالے سے لکھا ہے۔

’خود احمدی حضرات کی بھی تحقیق ہے کہ مرزا صاحب مراق (مالیخولیا) کے مریض تھے۔‘

(ختم نبوت از غلام احمد پرویز صاحب صفحہ 167، ادارہ طلوع اسلام لاہور دوسرا یڈیشن)۔

جواب: درج شدہ حوالہ میں مراق سے مراد ’دماغی ضعف‘ اور ’دوران سر‘ اور اس کا باعث ’سخت دماغی محنت، تفکرات، غم اور سوءِ ہضم‘ لکھا ہے۔ اس لئے پرویز صاحب کا اسے مالیخولیا کہنا محض جھوٹ ہے۔

پھر انہی صاحب نے کتاب سیرت المہدی (حصہ دوم صفحہ 55) سے حضرت ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب کی یہ روایت نقل کی ہے کہ

’حضرت مسیح موعود سے سنا ہے کہ مجھے ہسٹریا ہے بعض اوقات آپ مراق بھی فرمایا کرتے تھے۔‘

(ختم نبوت از غلام احمد پرویز صاحب صفحہ 167، ادارہ طلوع اسلام لاہور دوسرا ایڈیشن)۔

جواب: یہاں بھی راوی کی مراد دوران سر ہی ہے۔ کیونکہ حضرت مسیح موعودؑ نے کبھی بھی اپنے متعلق مراق یا ہسٹریا کا لفظ مالیخولیا مراقی کے معنوں میں استعمال نہیں فرمایا۔ بلکہ آپ نے اس کی تردید کی ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

’دوسری نکتہ چینی یہ ہے کہ مالیخولیا یا جنون ہو جانے کے وجہ سے مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کر دیا ہے۔اس کا جواب یہ ہے کہ یوں تو میں کسی کے مجنون یا دیوانہ نام رکھنے سے ناراض نہیں ہو سکتا بلکہ خوش ہوں۔ کیونکہ ہمیشہ سے ناسمجھ لوگ ہر ایک نبی اور رسول کا بھی ان کے زمانہ میں یہی نام رکھتے آئے ہیں اور قدیم سے ربّانی مصلحوں کو قوم کی طرف سے یہی خطاب ملتا رہا ہے اور نیز اس وجہ سے بھی مجھے خوشی پہنچی ہے کہ آج وہ پیشگوئی پوری ہوئی جو براہین احمدیہ میں طبع ہو چکی ہے۔

(ازالہ اوہام، روحانی خزائن جلد نمبر 3 صفحہ 121)

مزید جواب: اس اعتراض کا ایک اور سادا سا جواب وہ کارہائے نمایاں ہیں جو آپ سے ظہور میں آئے۔ آپ کی وہ حیاتِ طیبہ جو دوست دشمن سب کی نگاہوں کے سامنے گزری جس کے نمایاں رنگ، مقصدیت ، غیر معمولی محنت، ارتکاز، تعلق باللہ، اخلاقِ فاضلہ، تقسیم روحانی خزائن اور حالتِ جہاد تھے۔ جو سب، انسانی تدبیر کے طور پر، اعلیٰ اور چوکس دماغی صلاحیتوں کے متقاضی ہیں۔

2۔خطرناک جسمانی اور دماغی بیماریوں کا شکار ہونے کا اعتراض:

مخالفین آپ کی بیماریوں پر بھی طعنہ زن ہوتے ہیں۔ اس مخالف کتاب میں ’مرزا صاحب کی بیماریاں‘ کے زیرِ عنوان لکھا ہے:

’آپ جن خطرناک قسم کی جسمانی اور دماغی بیماریوں کے شکار تھے ان کی تعداد ڈیڑھ درجن سے زیادہ ہے‘۔اور اگلے پانچ صفحات میں ان کی تفصیل لکھی ہے۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارکپوری صفحہ نمبر 33۔38، مکتبہ اسلامیہ لاہور)

جواب: بیماری انسان کے ساتھ لگی ہوئی ہے۔کسی بھی انسانی زندگی کے آخری 28 سالوں کی حالتِ عدمِ صحت کے تذکروں کو یکجا کر کے اگر اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے کہ وہ فرد مسلسل ایک بیمار وجود تھا اور سدا ان بیماریوں میں مبتلا۔ تو یہ نتیجہ جس حد تک درست ہو گا ویسا ہی یہ اعتراض حضرت مسیح موعودؑ کے لئے ہے۔

دوسرا جواب: بیماری کیسی ہی خطرناک ہو یا ایسی بھی کیوں نہ ہو جو لوگوں کو اس طرح دُور کرنے والی ہو، جیسی بائبل کے مطابق حضرت ایوب کی بیماری، مقامِ نبوت سے متغائر نہیں۔

تیسرا جواب: حضرت مسیح موعودؑ کا دورانِ سر اور ذیابیطس میں مبتلا ہونا جہاں آپ کے حالات کے سبب تھا وہیں ان دو زرد چادروں کی علامت کو

پورا کرنے کے لئے بھی تھا جو مسیح موعود کے لئے احادیثِ صحیحہ میں بتائی گئی تھی۔ اور یوں یہ بیماریاں آپ کی صداقت کی ایک دلیل ہیں نہ کہ قابلِ اعتراض۔

چوتھا جواب: یہ بیماریاں اس وقت بالکل بھی وجہ اعتراض نہیں رہتیں جب اس عظیم الشان کام پر نظر کی جائے جو باوجود ان کے ہوتے ہوئے آپ سے ظہور میں آیا۔ یعنی تقریباً 11 ہزار صفحات پر مشتمل 89 کتب اور 1300 صفحات پر مشتمل اشتہارات اور تقریباً 3005 صفحات پر مشتمل خطوط کی تحریر۔ مسلسل زبانی سلسلہ ارشاد جس میں سے آخری 11 سالوں کے محفوظ ملفوظات بھی 3300 صفحات پر مشتمل ہیں۔ مناظروں، مباحثوں، مقدموں اور دعوتِ حق کے لئے بار بار سفر۔ اور ایک نہ ختم ہونے والے سلسلۂ مخالفت، سبّ وشتم اور نامساعد حالات سے کامیابی سے نبرد آزما ہونا۔ یہ سب کام آپ نے ان بیماریوں کے ساتھ کئے اور کیا خوب کئے۔

3۔ منصوبہ بندی سے بتدریج دعوے کرنے کا الزام:

مخالف کتب میں بطور الزام تراشی یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضرت مسیح موعود نے ایک منصوبہ بنا کر درجہ بہ درجہ بڑے بڑے دعوے کئے۔ ان کتب میں آپ کے دعاوی کو ادوار میں بانٹا جاتا ہے جیسے مفتی محمد شفیع صاحب کی کتاب ختمِ نبوت کے صفحات 16 تا 38۔ یا انہیں تدریجی دعووں کا نام دیا جاتا ہے جیسے غلام احمد پرویز صاحب کی کتاب ختمِ نبوت کے صفحات 84 تا 123۔ یا انہیں مرحلہ وار گنا جاتا ہے۔ اور جیسے مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری صاحب کی کتاب کے صفحات 40۔64۔

جواب: ان کتب میں بیان ہونے والے یہ سب دَور، تدریج اور مرحلے خیالی ہیں اور ان بنیاد رکھ کر یہ الزام جھوٹا اور خلافِ واقعہ ہے۔ حضرت مسیح موعود کا بنیادی دعویٰ اور مقام ابتداہی سے ایک رہا ہے، یعنی مامور من اللہ۔ اس مقام کے اظہار کے لئے مختلف نام مختلف تناظر میں تھے۔ چودھویں صدی کے سر پر ظاہر ہونے والے مجدد کو اس وقت کی ضرورت کے پیشِ نظر مہدی اور مسیح بھی کہا گیا۔ آپ اس منصب پر وحی الٰہی سے مامور تھے اور اسی حیثیت میں امت میں نبی۔ یہ دعویٰ بھی آپ کی ابتدائی وحی میں موجود ہے۔ گو اس کے اظہار میں آپ کا اپنا اجتہاد کچھ عرصہ مانع رہا لیکن پھر وحیٔ الٰہی سے ہی آپ نے اپنے مؤقف میں درستگی کر لی۔ غرضیکہ آپ کے عرصۂ ماموریت کو ادوار میں تقسیم کرنا اور ایک عرصہ سے دوسرے عرصہ میں منتقل ہونا محض خیال آرائی اور حقائق کو نظر انداز کرنا ہے۔ اس موضوع پر مکمل بحث باب 15 بعنوان 'حضرت مسیح موعود کا مقام نبوت' میں گزر چکی ہے۔

4۔ ٹانک وائن کے حوالہ سے الزام تراشی:

حضرت مسیح موعود کا اپنے ایک مرید کو خط کے ذریعہ ایک بوتل ٹانک وائن بھجوانے کا ارشاد وہ تنکا ہے جس پر بنیاد رکھ کر اور جس میں حسبِ توفیق جھوٹ ملا کر یہ اعتراض بار بار پیٹا جاتا ہے۔ مثلاً ان مخالف نے اسے 'مرزا صاحب کی شراب نوشی' کا عنوان دے کر یوں جھوٹ گھڑا ہے۔

مرزا صاحب شراب پیتے تھے اور وہ بھی معمولی درجہ کی نہیں بلکہ نہایت ہی اعلیٰ درجہ کی خالص ولایتی شراب'۔ پھر آپ کے دوسطری خط کو نقل کر کے مزید لکھا ہے: 'یاد رہے کہ 'ٹانک وائن' اصلی درجہ کی ولایتی شراب کا نام ہے جو اس زمانہ میں لاہور جیسی اہم شہروں میں دستیاب تھی'۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارکپوری صفحہ نمبر 106۔107 مکتبہ اسلامیہ لاہور)

جواب اوّل: اس تحریر کے بیشتر الفاظ کا تو اصل جواب تو یہی ہے کہ لعنت اللہ علی الکاذبین۔

جواب دوم: اس الزام کی بنیاد ایک خط ہے جو حضرت مسیح موعود نے اپنے ایک مرید کو لکھا اور مرید نے اسے دیگر خطوط کے ساتھ 'خطوط امام بنام غلام' کے عاجزانہ عنوان کے ساتھ شائع کیا۔ سوال ہے کہ اگر اس معاملہ میں کوئی بات قابل اعتراض اور مخالف شرع ہوتی تو کیا یہ سب کچھ ممکن تھا یعنی لکھ کر منگوانا، مرید کا تعمیل کرنا، خط کو شائع کرنا اور بدستور مرید رہنا۔ واضح رہے کہ حضرت حکیم محمد حسین صاحب نے جولائی 1891ء میں بیعت کی۔ جماعت احمدیہ لاہور کے سرگرم رکن اور جنرل سیکرٹری رہے

اور اپریل 1932 ء میں وفات تک بمعہ سب اہل وعیال مخلص احمدی رہے۔

(اصحابِ صدق وصفا صفحہ نمبر 288۔ 289 شائع کردہ مجلس انصاراللہ ربوہ 2007ء)

جواب سوم: خط میں مطلوبہ شے آپ نے پلومر کی دکان سے خریدنے کی ہدایت فرمائی تھی جو اس وقت لاہور کی ایک مشہور کیمسٹ کی دُکان تھی۔ اس حقیقت پر ایک اندرونی شہادت خود اسی مجموعہ خطوط میں چار خطوط کے بعد کا ایک اور خط ہے جس میں پھر اس دکان کا حوالہ ملتا ہے۔ حضرت مسیح موعود نے تحریر فرمایا

'اشیاء مفصلہ ذیل ہمراہ لیتے آویں اور اگر خدانخواستہ ایسی مجبوری ہو تو کسی اور آنے والے کے ہاتھ بھیج دیں۔ وائی بیوٹر جو ایک رحم کے متعلق دوائی ہے پلومر کی دکان سے'۔ (خطوط امام بنام غلام بحوالہ مکتوبات احمد جلد پنجم صفحہ نمبر 24 مطبوعہ نظارت اشاعت ربوہ 2015ء)

اس تحریر سے صاف ظاہر ہے کہ پلومر کی دکان دوائیوں کی دکان تھی۔ اس کی تصدیق مزید درج ذیل بیرونی شہادتوں سے بھی ہوتی ہے۔

i۔ پرانے لاہور کے بارے میں ایک تاریخی کتاب میں مال روڈ کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

'On the other side of the road too, there was only one solitary building, which still exists and was in those days occupied by Messrs Richardson & Co., the predecessors of Messrs Plomer & Co and at that time the only chemists in Lahore'.

(Old Lahore by Col. H R Goulding Page 924)33, Cvil and Millitary Gazzete Press,

ترجمہ: سڑک کے دوسری جانب بھی صرف ایک تن تنہا عمارت تھی جو اب بھی موجود ہے۔ ان دنوں اس میں میسرز پلومر اینڈ کمپنی کے پیشرو میسرز رچرڈسن اینڈ کمپنی قائم تھی۔ اس وقت لاہور میں صرف یہی کیمسٹ تھے۔

ii۔ ایک اور محقق نے لاہور کی مال روڈ کے بارے میں ایک کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب کے اقتباس، ایک اخبار کے اسپیشل فیچر میں بعنوان 'کچھ وقت مال روڈ پر' شائع ہوئے جس میں لکھا گیا۔

'اسی رُخ ساتھ ای۔ پلومر بلڈنگ ہے جس میں اس دور کے مشہور کیمسٹ ای پلومر اینڈ کمپنی (اور) عینک ساز کرپارام کی دکانیں تھیں'۔

(روزنامہ دنیا 29 جولائی 2015 بحوالہ کتاب ٹھنڈی سڑک از اسد سلیم شیخ مطبوعہ فکشن ہاؤس لاہور)

پس پلومر کی دکان ایک مشہور کیمسٹ کی دکان تھی۔ اور خطوط سے لگتا ہے کہ انگریزی دوائیوں کی ضرورت پر حضرت مسیح موعودؑ اس سے خرید کی تاکید فرماتے تھے۔

جواب چہارم: ٹانک وائن ایک دوا تھی۔ درج ذیل شواہد سے ثابت ہے کہ ٹانک وائن ایک پیٹنٹ دوا تھی۔

ا۔ اس کا کتاب Materia Medica of Phamaceutical Combinations and Specialities میں بطور دوا بیان ہوا ہے۔ اسے Dr U.B Narayan Rao نے لکھا اور Rayon Pharmacy Bombay نے 1932 ء میں شائع کیا ہے۔ جولائی 1941 میں اس کتاب کے دوسرے ایڈیشن پر تبصرہ میں لکھا گیا:

'Short reference of nearly 400 patent medicine of both indigenous and foreign origin'. (The Indian Medical Gazzette,july 1941 page 440)

ترجمہ: اس کتاب میں تقریباً 400 ادویات کا مختصر ذکر ہے جو ملکی بھی ہیں اور غیر ممالک کی بھی۔

2۔ ویب سائٹ www.buckfast.org.uk/

tonicwine کے مطابق 1927ء کے بعد:

' in order to broaden its appeal the Tonic was changed slightly from a rather severe patent medicine to a smoother, more mature medicated wine'

ترجمہ: 1927ء میں اس کی مانگ کو بڑھانے کے لئے ٹانک وائن کو ایک سخت پیٹنٹ دوائی سے ایک متوازن اور مکمل دوائی ملی شراب میں بدل دیا گیا۔

اس سے بھی حضرت مسیح موعود کے وقت ٹانک وائن کا ایک پیٹنٹ دوائی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

جواب پنجم: یہ دوائی حضرت مسیح موعود نے استعمال نہیں کی۔اس دوا کا مقصد یہ ہے:

'Restorative after child birth prophylatic malarial fever, anemia, anorecia.'

(Materia Medica Page 97)

ترجمہ: یہ ٹانک بچہ کی ولادت کے بعد زچہ کی بحالیٔ طاقت کے لئے مفید ہے۔نیز ملیریا کے زہر کو زائل کرنے، کمیٔ خون اور بھوک نہ لگنے میں بھی مفید ہے۔

اس لئے اس کا ان امراض کے مریضوں کے لئے منگوایا جانا بنتا ہے جو آپ کے پاس علاج کی غرض سے آتے رہتے تھے۔

پھر دیگر قرائن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت جبکہ یہ دوا منگوائی گئی حضرت مسیح موعود کے گھر آپ کے اپنے بیٹے مرزا مبارک احمد صاحب کی ولادت ہوئی تھی۔اس لئے دوائی ٹانک وائن کا زچہ کے لئے منگوایا جانا بھی ممکن ہے۔

مزید اعتراض: ٹانک وائن شراب کا ہی نام ہے؟ نیٹ پر ختم نبوت فورم میں ایک صاحب نے حضرت مسیح موعود کی ایک تحریر سے یہ لفظ نقل کر کے 'برانڈی، شیری، وھسکی رم، پوٹ، وائن وغیرہ شرابوں کے نام' یہ دعویٰ کیا ہے کہ آپ نے خود وائن کو شرابوں کی لسٹ میں شامل کی ہے۔

جواب: یہ محض فریب ہے۔کیونکہ اصل تحریر میں وائن کا لفظ علیحدہ ہے ہی نہیں۔تحریر میں الفاظ اس طرح ہیں: 'برانڈی شیری ہسکی رم پوٹ وائن وغیرہ شرابوں کے نام'۔

(ازالۂ اوہام روحانی خزائن جلد نمبر 3 صفحہ نمبر 367)

یعنی ایک شراب پوٹ وائن نامی کے درمیان ایک کامہ لگا کر وائن کو الگ کر کے ٹانک وائن سے جوڑ دیا اور چھاپ دیا کہ 'ثبوت' حاضر ہے۔ سچ ہے کہ جھوٹ کے ثبوت فریب ہی ہو سکتے ہیں

ادویات کا استعمال: ضمنی طور پر یہ ذکر برمحل ہوگا کہ ادویات کا استعمال کسی طرح بھی جائے اعتراض نہیں۔آپ کا مبنی ادویات کا استعمال کرنا بھی کوئی وجۂ اعتراض نہیں۔حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک کتاب میں آنحضرت ﷺ کے علاج پوچھنے پر حضرت جبریل کا ہریسہ تجویز کرنا درج ہے۔

(کیمیائے سعادت اردو ترجمہ از ملک عنایت اللہ مطبوعہ دین محمدی پریس صفحہ نمبر 770)

داد عیش کی الزام تراشی: مخالف مولوی صاحب نے اپنی کتاب میں 'داد عیش' کے عنوان کے تحت دس سطروں میں دس سے زیادہ جھوٹ گھڑے ہیں۔یہ جھوٹ نامہ اور اس کا جواب درج ذیل ہے۔

5۔اعتراض بابت امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ:

مولوی صاحب لکھتے ہیں۔'مرزا صاحب۔۔۔امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ میں رہتے تھے'۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 170)

جواب: یہ محض جھوٹ ہے۔درج ذیل حقائق اس جھوٹ کی خوب قلعی کھولتے ہیں۔

i۔کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ حضرت مسیح موعود کی طرزِ رہائش انتہائی سادہ تھی۔پرانی تعمیر شدہ ایک عمارت کے جس حصہ میں آپ کی رہائش تھی۔اس کا کل مسقّف رقبہ بشمول بیت الدعا جو دعا اور نماز کی ادائیگی کے لئے مخصوص تھا۔اور بیت الفکر جہاں آپ علمی کام کرتے تھے اور برآمدہ کے کل 1235 مربع فٹ تھا۔یعنی 137 مربع گز (تقریباً ساڑھے 5 مرلہ)

(بمطابق نقشہ الدار کتاب حضرت اماں جان بالمقابل صفحہ نمبر 129 لجنہ اماء اللہ ضلع لاہور طبع دوم)

اس مختصر سی جگہ میں حضرت مسیح موعود، حضرت اماں جان اور پانچ بچگان کی رہائش تھی۔

ii۔تقریباً اسی رقبہ کی اس گھر کی نچلی منزل بھی تھی جس میں بیشتر مختلف وقتوں میں آنے والے مہمان بھی رہتے۔حضرت مسیح موعوداس بارے میں اسوہ یہ تھا:

’آپ کو یہ بھی خواہش رہتی تھی کہ جو دوست قادیان میں آئیں وہ حتی الوسع آپ کے پاس آپ کے مکان کے ایک حصہ میں ہی قیام کریں۔۔۔اسی طرح آپ کے مکان ہر حصہ گویا ایک مستقل مہمان خانہ بن گیا تھا اور کمرہ کمرہ مہمانوں میں بٹا رہتا تھا۔مگر جگہ کی تنگی کے باوجود آپ اس طرح دوستوں کے

ساتھ مل کر رہنے میں انتہائی راحت پاتے تھے۔‘ (سلسلہ احمدیہ جلد اوّل از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 208 مطبوعہ نظارت اشاعت، ربوہ)

iii۔الدار میں تین رفقاء کی مستقل رہائش بھی رہی یعنی حضرت مولوی عبدالکریم صاحب، مولوی محمد علی صاحب اور مولوی سید محمد احسن صاحب۔

iv۔مزید یہ کہ اسی گھر میں لنگر کا انتظام بھی تھا۔جیسا کہ درج ذیل روایت:

’بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ پہلے لنگر کا انتظام ہمارے گھر میں ہوتا تھا۔اور گھر سے سارا کھانا پک کر جاتا تھا مگر جب آخری سالوں میں زیادہ کام ہو گیا تو مَیں نے کہہ کر باہر انتظام کروا دیا‘۔(سیرۃ المہدی حصہ اوّل حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 46 نیا ایڈیشن)

v۔نیز یہ کہ بسا اوقات مہمانوں کی خاطر حضرت اماں جان خود بھی کھانا پکایا کرتیں۔جیسا کہ روایت ہے کہ:

’خاکسار نے والدہ صاحبہ سے دریافت کیا کہ حضرت صاحب کسی مہمان کے لئے خاص کھانا پکانے کے لئے بھی فرماتے تھے؟ والدہ صاحبہ نے فرمایا کہ ہاں بعض اوقات فرماتے تھے کہ فلاں مہمان آئے ہیں۔ان کے لئے یہ کھانا تیار کرو‘۔

(سیرۃ المہدی حصہ اوّل حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 46 نیا ایڈیشن)

vi۔اس غریبانہ طرزِ رہائش کا ایک اور رخ ایک ساتھی حضرت سیٹھی غلام علی صاحب نے یوں بیان کیا ہے کہ بیعت کے بعد جب وہ پہلی بار راولپنڈی سے قادیان جا کر الدار میں حضرت مسیح موعود سے ملے:

’مَیں دروازہ پر آیا تو شیخ حامد علی صاحب مرحوم باہر آئے اور مجھے اندر بالا خانہ پر لے گئے۔اوپر جا کر دیکھا کہ ایک چارپائی بان سے بُنی ہوئی تھی اور ایک پرانا میز تھا جس پر چند ایک پرانی کتابیں پڑی ہوئی تھیں اور فرش پر ایک چٹائی بچھی ہوئی تھی۔پاس ہی ایک گھڑا پانی تھا۔ایک پرانا صندوق جس کا رنگ غالباً سبز تھا وہ بھی پڑا تھا۔حضرت صاحب کھڑے تھے مَیں نے جا کر السلام علیکم عرض کیا۔حضرت صاحب نے سلام کا جواب دیا اور مصافحہ کر کے فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔۔۔مَیں چارپائی پر بیٹھ گیا۔حضرت جی نے صندوق کھولا اور مصری نکال کر گلاس میں ڈالی اور پانی ڈال کر قلم سے ہلا کر اپنے دست مبارک سے یہ شربت کا گلاس مجھے دیا اور فرمایا کہ آپ گرمی میں آئے ہیں یہ شربت پی لیں‘۔

(سیرۃ المہدی حصہ سوم حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 769 نیا ایڈیشن)

6۔اعتراض بابت چار ہزار روپے کے زیورات:

امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ثبوت کے طور پر آگے کتاب میں ضرورتِ امام صفحہ نمبر 46 (کتاب کا درست نام ضرورۃ الامام اور درست صفحہ نمبر 47 ہے) کے حوالے سے لکھا ہے:

’’آپ نے اپنی دوسری بیوی کے لئے سونے، چاندی اور ہیروں کے جو زیورات بنوائے تھے ان کی مجموعی قیمت اس دورِ ارزانی میں چار ہزار روپے سے زیادہ تھی۔‘‘

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب: حضرت مسیح موعود کی کتاب میں جو درج ہے وہ یہ ہے:

’مرزا صاحب کے اپنے بیان کے مطابق حال ہی میں اس نے اپنا باغ اپنی زوجہ کے پاس گرو رکھ کر اس سے چار ہزار روپے کا زیور اور ایک ہزار روپے نقد وصول پایا‘۔

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد 13 صفحہ نمبر 715)

یہ تحریر اس رپورٹ کا تقریباً آخری حصہ ہے جو تحصیل دار پرگنہ بٹالہ نے حضرت مسیح موعود پر محکمہ انکم ٹیکس کی طرف سے دائر مقدمہ میں 31 اگست 1898ء کو تحریر کر کے ڈپٹی کمشنر ضلع گورداسپور کو پیش کی۔اور حضرت مسیح موعود نے اسے اس کتاب میں درج ذیل فرمایا۔

اس رپورٹ اور مولوی صاحب کی زیب داستان کے لئے جھوٹ سے مرصّع تحریر میں فرق واضح ہے۔

دوسرا جواب: یہ کہنا بھی محلِ نظر ہے کہ یہ زیورات حضرت مسیح موعود نے بنوائے تھے۔ یہ زیورات امکانی طور پر وہ بھی ہو سکتے ہیں جو شادی پر حضرت اماں جان کے والدین نے دئے ہوں۔ اور حضرت مسیح موعود کے وہ خاندانی زیور بھی جن کی طرف تحصیل دار کی اسی رپورٹ میں یوں ذکر ہے:

''مرزا غلام مرتضیٰ (حضرت مسیح موعودؑ کے والد صاحب) ایک معزز رئیس آدمی تھا ممکن ہے اور میری رائے میں اغلب ہے کہ اس نے بہت سی نقدی اور زیورات بھی چھوڑے ہوں لیکن ایسی جائداد غیر منقولہ کی نسبت قابل اطمینان شہادت نہیں گزری۔مرزا غلام احمد ابتدائی ایام میں خود ملازمت کرتا رہا ہے اور اس کا طریقِ عمل ہمیشہ سے ایسا رہا ہے کہ اس سے امید نہیں ہوسکتی کہ اس نے اپنی آمدنی یا اپنے والد کی جائداد و نقدی و زیورات کو تباہ کیا ہو'۔

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد13 صفحہ نمبر 415)

تیسرا جواب: اگر ان زیورات میں سے بعض حضرت مسیح موعود نے بنوائے ہوں تو اس پر بھی کوئی اعتراض نہیں بنتا کیونکہ آپ کی معقول ذاتی آمد تھی جس کا اسی رپورٹ میں یوں ذکر ہے:

'مرزا غلام احمد نے اپنے بیان حلفی میں لکھوایا کہ اس کو تعلقہ داری، زمین اور باغ کی آمدنی ہے۔تعلقہ داری کی سالانہ تخمیناً 82 روپیہ 10 آنے کی، زمین کی تخمیناً تین سو روپے سالانہ کی اور باغ کی سالانہ تخمیناً دوسو، چار سو اور حد درجہ پانسو روپیہ کی آمدنی ہوتی ہے۔۔۔مرزا غلام نے بھی یہ بیان کیا کہ اس کی ذاتی آمدنی باغ، زمین اور تعلقہ داری کی اس کے خرچ کے لئے کافی ہے اور اس کو کچھ ضرورت نہیں کہ کہ وہ مریدوں کا روپیہ ذاتی خرچ میں لاوے۔''

(ضرورۃ الامام روحانی خزائن جلد13 صفحہ نمبر 516)

باغ کی آمد کے ان چار اندازوں کا اوسط 350 روپے ہوتا ہے دیگر دو ذرائع کو ملا کر یہ کل آمد 732 روپیہ سالانہ بنتی ہے۔یعنی شادی کے بعد گزرے ہوئے 14 سالوں میں آپ کی ان ذرائع سے ذاتی آمد دس ہزار روپے سے زائد تھی۔

دینی ضروریات کے لئے رہن: ان زیورات کو 'امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ' کے ثبوت میں پیش کرتے ہوئے معترض نے اس رقم کے ساتھ ہی لکھے ہوئے ان الفاظ کو نظر انداز کر دیا ہے جن کے مطابق یہ زیور حضرت مسیح موعود نے 'اپنا باغ اپنی زوجہ کے پاس گرو رکھ کر' لئے۔گویا اس وقت دینی ضروریات آمد سے بھی زائد تھیں۔

حضرت یعقوب علی عرفانی صاحب نے جن کے ہاتھوں رہن رکھے جانے کی یہ کاروائی تکمیل پزیر ہوئی اس کا ذکر یوں فرمایا ہے:

حضرت مسیح موعود کو 1898ء کی پہلی ششماہی کے آخر میں بعض اہم دینی ضروریات کے لئے روپیہ کی ضرورت تھی۔آپ نے قرضہ لینے کی تجویز کا ذکر گھر میں فرمایا۔حضرت (اماں جان) نے فرمایا کہ باہر کسی سے قرضہ لینے کی کیا ضرورت ہے۔میرے پاس ایک ہزار روپیہ نقد ہے اور کچھ زیورات ہیں آپ اس کو لے لیں۔آپ نے فرمایا کہ مَیں بطور قرض لے لیتا ہوں اور اس کے عوض باغ رہن کر دیتا ہوں'۔

(سیرت حضرت سیدہ نصرت جہاں بیگم صاحبہ از شیخ محمود احمد عرفانی و شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ نمبر 528)

7۔اعتراض بابت استعمال مشک:

مولوی صاحب نے کتاب 'خطوط امام بنام غلام' کے چار صفحات کے حوالے سے لکھا ہے:

'آپ لاہور سے نہایت اعلیٰ درجہ کی مشک خالص پے در پے منگاتے تھے'۔(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب: یہ اعتراض بے جا ہے۔مشک کی ضرورت آپ کو بطور دوا کے پڑتی تھی نہ کہ ٹھاٹھ باٹھ کے لئے۔ یہ دورانِ سر کے دوروں میں آپ کو

فائدہ دیتی تھی اور یہی اس کے منگانے کی غرض تھی۔ جیسا کہ ایک خط میں تحریر ہے:

'باعث دورۂ مرض ضرورت رہتی ہے'۔

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 6 مطبوعہ جولائی 1909ء)

دوسرا جواب: مشک کے لئے آپ ان خطوط کے مخاطب کو ہی ارشاد فرماتے تھے جیسا کہ خود انہوں نے لکھا ہے:

'اس امر کا اظہار بھی مَیں اپنے لئے خدا کے فضل سے موجب فخر سمجھتا ہوں کہ حضرت کے ہاں جس قدر مشک خرچ ہوتی تھی سوائے میرے دوسری جگہ یا کسی کی بھیجی ہوئی نہیں پسند فرماتے تھے'۔ (خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 3 مطبوعہ جولائی 1909ء)۔ حکیم صاحب نے اس کی یہ وجہ بھی لکھی ہے کہ چونکہ وہ مفرح عنبری بناتے ہیں اس لئے انہوں نے اپنے لئے مشک مہیا کرنے کا خاص انتظام کیا ہوا ہے۔

اس مجموعہ میں کم وبیش دس سال کے دوران لکھے گئے خطوط درج ہیں ان میں چھ خط ایسے ہیں جن میں حضرت مسیح موعود نے مشک کی خرید کا فرمایا ہے۔ (صفحات نمبر 2،3،5،6)

صرف ایک کے جہاں اپنے علاوہ حضرت ماں جان کی بیماری کی وجہ بھی لکھی ہے اور دو تولہ خرید کا ارشاد ہے (صفحہ نمبر 2)۔ دیگر سب میں ایک تولہ مقدار ہے۔

یہ ہے لاہور سے 'پے درپے' مشک منگوانے کا کل ماجرا۔ یعنی دس سالوں میں 7 تولہ۔

کل خرچ: قیمت تین جگہ درج ہے یعنی 25 روپیہ، 27 روپیہ اور 36 روپیہ سیر فی تولہ۔ شاید یہ بڑھتی ہوئی قیمت ہی تھی کہ ایک خط میں حضرت مسیح موعود نے یہ تحریر فرمایا ہے:

'اگر چند ہفتوں میں مجھے گنجائش ہوئی تو مَیں منگوا لوں گا ۔ بباعث کثرت اخراجات ابھی گنجائش نہیں ۔ مگر ضرورت کے وقت جس طرح بن پڑے منگوانا پڑتی ہے'۔ (خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 7 مطبوعہ جولائی 1909ء)

8۔اعتراض بابت استعمال مفرح عنبری:

مولوی صاحب نے خطوط کے صفحہ نمبر 3 کے حوالے سے لکھا ہے:

'مفرح عنبری کا استعمال برابر رکھتے تھے'۔ (قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب: یہ اعتراض بھی بے جا اور مبالغہ سے پُر ہے۔ کیونکہ اول تو مفرح عنبری بطور دوا تھی اور دوسرے اس کا یہ 'برابر استعمال' اصل میں کل دو ڈبیوں پر مشتمل تھا۔ جیسا کہ حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب نے جو مفرح عنبری بناتے تھے، اسی مجموعہ میں 'حضرت اقدس اور مفرح عنبری' کے تحت آخر میں لکھا ہے کہ

'یہ خیال کر کے کہ اگر حضور کو مفرح عنبری موافق آجائے اور مفید ہو تو بہت سا روپیہ حضور کا دوسری ادویات پر خرچ ہونے سے بچ جائے۔ لہٰذا ایک دفعہ انہوں نے ایک ڈبیہ مفرح عنبری حضور کو بھیجی اور استعمال کے لئے عرض کیا۔ پھر لکھا کہ میری یہ خواہش پوری ہوئی اور آٹھ روز کے اندر ہی حضور نے ایک ڈبیہ اور طلب فرمائی'۔

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 8۔9 مطبوعہ جولائی 1909ء)

آگے لکھا ہے۔ اس کے چند روز بعد ہی 'حضرت نے لاہور کے آخری سفر کا ارادہ فرمایا اور۔۔۔ (یہیں) اپنے محبوب حقیقی سے جا ملے'۔

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 9 مطبوعہ جولائی 1909ء)

9۔اعتراضات بابت خیمے، بستر، پان اور ریشمی ازار بند:

کتاب میں خطوط کے صفحات 3،4 اور 6 کے حوالے سے لکھا ہے:

'شاندار خیمے، عمدہ بستر، بیگمی پان آپ کے لوازمات میں تھے'۔ نیز امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کا ایک اور ثبوت یہ لکھا ہے کہ 'ازار بند عموماً ریشمی ہوتا تھا'۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب۔ شاندار خیمے: یہ اعتراض بے جا ہے کیونکہ ایک دفعہ کی ضرورتاً

اس خرید کو'لوازمات' میں گننا محض مبالغہ آرائی ہے۔حضرت مسیح موعود نے خیمہ کی یہ خرید اس وقت کی ہے کہ جب

'4 اپریل 1905ء کے زلزلہ کے وقت ہم مع اپنے تمام اہل وعیال کے باغ میں چلے گئے تھے'۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 315)

یعنی یہ کھلے آسمان تلے رہائش کے لئے درکار تھا۔

خرید میں کفایت کے لئے آپ نے اس خط میں یہ ہدایت بھی لکھی کہ:

'کسی کو بیچنے والوں میں سے یہ خیال پیدا نہ ہو کہ کسی نواب صاحب نے یہ خیمہ خریدنا ہے کیونکہ یہ لوگ نوابوں سے دو چند سہ چند مول لیتے ہیں۔''

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 4 مطبوعہ جولائی 1909ء)

جواب۔عمدہ بستر: یہ اعتراض بھی بے جا ہے کیونکہ یہ بستر لوازمات میں سے نہ تھا۔بلکہ ایک مرید نے آپ کو ہدیتاً بھیجا تھا۔جیسا کہ ایک خط کے درج ذیل الفاظ سے ظاہر ہے:

'مَیں اس بستر کی رسید بھیجنا بھول گیا جو آپ نے بڑی محبت اور اخلاص کی راہ سے بھیجا تھا۔درحقیقت وہ بستر اس سخت سردی کے وقت میرے لئے نہایت عمدہ اور کارآمد چیز ہے جو عین وقت پر پہنچا۔جزاکم اللہ خیر الجزاء'۔

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 3 مطبوعہ جولائی 1909ء)

اس تحریر سے یہ بھی ظاہر ہے کہ اس بستر سے قبل آپ کے پاس سخت سردی کا جو سامان تھا وہ زیادہ اچھا نہ تھا۔

جواب۔بیگمی پان:

اسے لوازمات میں شمار کرنا محض مبالغہ آرائی ہے۔کیونکہ دس سال میں لکھے گئے خطوط میں سے صرف ایک میں مطلوبہ اشیاء میں یہ ذکر ہے۔'پان عمدہ بیگمی (ایک روپیہ)'۔

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 6 مطبوعہ جولائی 1909ء)

مزید یہ کہ حضرت مسیح موعود خود پان استعمال نہ فرماتے تھے۔بعض دفعہ مہمانوں کی تواضع کے اس کا اہتمام ہوتا تھا۔

جواب ریشمی ازار بند:

یہ بھی بے جا اعتراض ہے کیونکہ اس کا استعمال ضرورتاً تھا نہ کہ اظہار اِمارت کے لئے۔جیسا کہ درج ذیل اصل روایت سے ظاہر ہے:

'والدہ صاحبہ بیان فرماتی ہیں کہ حضرت مسیح موعود عموماً ریشمی ازار بند استعمال فرماتے تھے کیونکہ آپ کو پیشاب جلدی جلدی آتا تھا اس لئے ریشمی ازار بند رکھتے تھے تا کہ کھلنے میں آسانی ہو اور گرہ بھی پڑ جاوے تو کھولنے میں دقت نہ ہو۔سوتی ازار بند میں آپ سے بعض دفعہ گرہ پڑ جاتی تھی تو آپ کو بہت تکلیف ہوتی تھی'۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 49)

10۔اعتراض بابت مرغوب غذائیں:

پھر مولوی صاحب نے امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے ذیل میں سیرۃ المہدی سے بلا حوالہ اور ایک دوسری مخالف کتاب کے حوالے سے لکھا ہے کہ

'تازہ پکوڑے، پرندوں کا گوشت، مرغ مسلم، بٹیر، مچھلی، کباب مرغ، بھنی ہوئی بوٹیاں، خوب سینکی ہوئی چپاتیاں، پتلا شوربہ جس میں گوشت خوب گداز ہو چکا ہو، سکنجبین، چاول شیریں، میٹھی روٹی، اعلیٰ درجہ کے مغزیات، قیمتی میوہ جات وغیرہ آپ کی مرغوب غذائیں تھیں'۔

(قادیانیت اپنے آئینہ میں از مولوی صفی الرحمان مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب: یہ اعتراض اس لحاظ سے بالکل بے جا ہے کہ ہر شخص بعض کھانوں کو دوسروں سے زیادہ پسند کرتا ہے اس لئے حضرت مسیح موعود کو بھی بعض غذاؤں کے مرغوب ہونے میں کوئی مضائقہ نہیں۔اور اس حد تک جھوٹ کہ معترض نے روایات میں حسبِ خواہش کتر بیونت کی ہے اور مجموعی طور پر یہ غلط تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ یہ سب مرغوب غذائیں حضرت مسیح موعود بکثرت اور باقاعدہ استعمال فرماتے تھے۔سیرۃ المہدی کی درج ذیل متعلقہ روایات سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے۔

''بیان کیا مجھ سے حضرت والدہ صاحبہ نے کہ حضرت مسیح موعود

کھانوں میں سے پرندہ کا گوشت زیادہ پسند فرماتے تھے۔شروع شروع میں بٹیر بھی کھاتے تھے۔لیکن جب طاعون کا سلسلہ شروع ہوا تو آپ نے اس کا گوشت کھانا چھوڑ دیا کیونکہ آپ فرماتے تھے کہ اس میں طاعونی مادہ ہوتا ہے۔مچھلی کا گوشت بھی حضرت صاحب کو پسند تھا۔۔۔پکوڑے بھی حضرت صاحب کو پسند تھے۔ ایک زمانہ میں سکنجبین کا شربت بہت استعمال فرمایا تھا مگر پھر چھوڑ دی۔۔کبھی کبھی مکی کی روٹی بھی پسند فرماتے تھے۔۔۔ایک زمانہ میں آپ نے چائے کا بہت استعمال فرمایا تھا مگر پھر چھوڑ دی'۔

(سیرۃ المہدی جلداوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 45)

'میاں عبداللہ (سنوری) نے بیان کیا کہ حضرت صاحب اچھے تلے ہوئے کرارے پکوڑے پسند کرتے تھے۔کبھی کبھی مجھ سے منگوا کر مسجد میں ٹہلتے ٹہلتے کھایا کرتے تھے۔اور سالم مرغ کا کباب بھی پسند تھا۔ چنانچہ ہوشیار پور جاتے ہوئے ہم مرغ پکوا کر ساتھ لے گئے تھے۔ مولی کی چٹنی اور گوشت میں مونگرے بھی آپ کو پسند تھے۔گوشت کی خوب بھنی ہوئے بوٹیاں بھی مرغوب تھیں۔چپاتی خوب سکی ہوئی جو سکنے سے سخت ہو جاتی ہے پسند تھی۔گوشت کا پتلا شوربہ بھی پسند کرتے تھے جو بہت دیر تک پکتا رہا ہو۔حتیٰ کہ اس کی بوٹیاں خوب گل کر شوربہ میں اس کا عرق پہنچ جاوے۔سکنجبین بھی پسند تھی۔۔۔بھیڑ کا گوشت ناپسند فرماتے تھے۔میٹھے چاول گُڑ یعنی قند سیاہ میں پکے ہوئے پسند فرماتے تھے۔ابتداء میں چائے میں دیسی شکر (جو گُڑ کی طرح ہوتی ہے) ڈال کر استعمال فرماتے تھے۔ شوربہ کے متعلق فرماتے تھے کہ گاڑھا کیچڑ جیسا ہم کو پسند نہیں۔ایسا پتلا کرنا چاہئے کہ ایک آنہ کا گوشت آٹھ آدمی کھائیں۔

(سیرۃ المہدی جلداوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 166)

ان روایات میں سے انتخاب کرتے وقت معترض نے 'سالم مرغ کا کباب' کے دو حصہ کر دئے ہیں مرغ مسلم اور کباب مرغ۔پتلے شوربہ کی اس خوبی کا ذکر نہیں کیا کہ ایسا پتلا کہ ایک آنہ کا گوشت آٹھ آدمی کھائیں اور گُڑ میں پکے چاولوں کو 'چاول شیریں' کا نام دیا ہے۔ان کی لسٹ کے تین کھانوں میٹھی روٹی، اعلیٰ درجہ کے مغزیات اور قیمتی میوہ جات کا ان روایات میں کوئی ذکر نہیں۔مولوی صاحب نے شائد اس لئے کہ ٹھاٹھ باٹھ کا تاثر کم نہ ہو جائے اپنی فہرست میں روایات میں مذکور بعض مرغوب کھانوں کو شامل نہیں کیا ہے جیسے مکی کی روٹی، مولی کی چٹنی، گوشت میں مونگرے، گُڑ والی چائے۔

دوسرا جواب: حضرت مسیح موعود کے بزرگ سیرت نگاروں نے آپ کی خوراک کے بارے میں جو بیان کیا ہے وہ کئی دہائیوں پر پھیلی باتیں ہیں اور ان میں پرندوں کا گوشت، مرغ کباب، پلاؤ، انڈے، یخنی، روغن بادام اور فرنی کا ذکر ضرور ہے لیکن سوال یہ ہے کہ کیا آپ ان مرغوب غذاؤں کو باقاعدہ استعمال فرماتے تھے کیونکہ بعض مقوی کھانے کبھی کبھار ضرورتاً صرف بحالی صحت کے لئے استعمال میں آئے۔بعض کا ترک کر دینا تو ساتھ ہی لکھا ہے جیسے بٹیر اور سکنجبین اور چائے۔ حضرت عبداللہ سنوری صاحب کی روایت میں سالم مرغ کا کباب ان کے اس ذاتی تجربہ کی روشنی میں ہے کہ 'ہوشیار پور جاتے ہوئے پکوا کر ساتھ لے گئے تھے'۔اس کا معمول ہونا ظاہر نہیں ہوتا۔جو یخنی آپ پیتے تھے اس کا حال ایک واقفِ حال نے یوں لکھا ہے:

'رَفعِ ضُعف کے لئے آپ کچھ دن متواتر یخنی گوشت کی یا پاؤں کی پیا کرتے تھے۔یہ یخنی بھی بہت بدمزہ چیز ہوتی تھی۔صرف گوشت کا اُبلا ہوا رَس ہوا کرتا تھا'۔

(تحریر حضرت میر محمد اسمٰعیل صاحب مندرجہ سیرت حضرت مسیح موعود از حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی صاحب صفحہ نمبر 52 نیا ایڈیشن)

تیسرا جواب: حضرت مسیح موعود بہت کم خوراک استعمال کرتے تھے اور جو میسر آ جائے وہ کھا لیتے تھے۔ نیز آپ متوازن اور بدل بدل کر خوراک پسند کرتے تھے۔جیسا کہ انہی دونوں روایات کے درج ذیل حصوں سے، جنہیں مولوی صاحب نے مفید مطلب نہ پا کر نظر انداز کر دیا ہے، بخوبی ظاہر جاتا ہے:

پہلی روایت میں سے باقی ماندہ حصہ: ناشتہ باقاعدہ نہیں کرتے تھے

۔۔۔ایک دفعہ آپ نے ایک لمبے عرصہ تک کوئی پکی ہوئی چیز نہیں کھائی صرف تھوڑے سے دہی کے ساتھ روٹی لگا کر کھا لیا کرتے تھے۔۔۔کھانا کھاتے ہوئے روٹی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کرتے جاتے تھے کچھ کھاتے تھے کچھ چھوڑ دیتے تھے۔۔۔ والدہ صاحبہ نے فرمایا حضرت صاحب کھانا بہت تھوڑا کھاتے تھے اور کھانے کا وقت بھی کوئی خاص مقرر نہ تھا۔صبح کا کھانا بعض اوقات بارہ بارہ ایک ایک بجے کھاتے تھے۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 45)

دوسری روایت کا باقی ماندہ حصہ: 'میاں عبداللہ سنوری صاحب نے بیان کیا کہ حضرت صاحب نے ایک دفعہ یہ بھی فرمایا تھا کہ گوشت زیادہ نہیں کھانا چاہئے۔جو شخص چالیس دن لگاتار کثرت کے ساتھ گوشت ہی کھاتا رہتا ہے۔اس کا دل سیاہ ہو جاتا ہے۔دال سبزی، ترکاری کے ساتھ بدل بدل کر گوشت کھانا چاہئے'۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 166)

اس ضمن میں مرزا سلطان احمد صاحب کی یہ روایت بھی قابل ذکر ہے:

'والد صاحب باہر چوبارے میں رہتے تھے۔وہیں ان کے لئے کھانا جاتا تھا اور جس قسم کا کھانا بھی ہوتا کھا لیتے تھے۔کبھی کچھ نہیں کہتے تھے۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 991)

اا۔اعتراض بابت حضرت اماں جان کا قیام لاہور:

امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ کے بیان کے آخر میں مولوی صاحب نے یہ 'ثبوت' لکھا ہے۔

'فینسی پارچہ جات اور نفیس اشیاء خریدنے کے لئے آپ کی اہلیہ محترمہ خود لاہور تشریف لے جایا کرتی تھیں اور عرصہ دراز تک لاہور میں ہی قیام فرما رہتی تھیں'۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 107)

جواب: یہ بیان بیشتر جھوٹ ہے۔اور اس سفر پر اعتراض کرنے کا کوئی جواز نہیں ہے۔

حضرت مسیح موعود کے 4 جون 1907 ء کے خط کے درج ذیل الفاظ میں اس سفر کا پورا ذکر موجود ہے:

''اس وقت والدہ محمود احمد ہوا کی تبدیلی کے لئے لاہور آئی ہیں۔غالباً ان شاء اللہ تعالیٰ دس دن تک لاہور میں رہیں گی اور بعض ضروری چیزیں پارچات وغیرہ خریدیں گی۔''

(خطوط امام بنام غلام از حضرت حکیم محمد حسین قریشی صاحب صفحہ نمبر 4 مطبوعہ جولائی 1909ء)

اس سے ظاہر ہے کہ اس سفر کی اصل غرض 'تبدیلی' ہوا تھی اور اس لئے اس کا دورانیہ دس دن تھا۔ہاں اس دوران بعض ضروری چیزیں، پارچات وغیرہ کی خریداری کا ارادہ بھی تھا۔

پارچات کے ساتھ 'فینسی'، چیزوں کے ساتھ 'نفیس' اور دس دن کے قیام کو 'عرصہ دراز' بنانا سب جھوٹ ہے۔

یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس نوعیت کا یہ واحد سفر ہے جو حضرت اماں جان نے کیا ہے۔اس لئے اس کو 'جایا کرتی تھیں' کہنا بھی جھوٹ ہے۔

تاریخ میں اس کا ذکر ان الفاظ میں محفوظ ہے۔

'حضرت (اماں جان) اور حرم حضرت مولوی نورالدین صاحب اپنے صاحبزادگان سمیت حضرت میر ناصر نواب کے ساتھ تبدیلی آب و ہوا کی غرض سے 4 جولائی 1907 ء سے لاہور گئے ہوئے تھے اور انہیں 14 جولائی 1907 ء کو ایک بجے کی گاڑی سے بٹالہ واپس پہنچنا تھا'۔

(تاریخ احمدیت جلد 2 از مولانا دوست محمد شاہد صاحب صفحہ نمبر 495)

12۔اعتراض بابت استعمال افیون:

مولوی صاحب نے 'افیون سے شغف' کے عنوان کے تحت لکھا ہے کہ: 'آپ افیون کے بڑے مداح تھے اور دواؤں میں اس کا استعمال بھی فرماتے تھے'۔ اور اس کے بعد 1929 ء کے اخبار الفضل میں شائع ایک تحریر کا حوالہ دیا ہے جس میں لکھا گیا کہ 'حضرت مسیح موعود نے 'تریاق الہیٰ' اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے ماتحت بنائی اور اس کا بڑا جزو افیون تھا'۔

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر

(108_107)

جواب: افیم کا دوائی کے طور پر استعمال ہرگز قابل اعتراض نہیں اور ایسا استعمال کرنے والے کو اس کا مداح کہنا جھوٹ سے پُر مبالغہ آرائی کے سوا کچھ نہیں۔

دوسرا جواب: دوائی تریاق القلوب کا ذکر حضرت مسیح موعود نے یوں فرمایا ہے: 'ہم نے ہمدردیٔ خلائق کے لئے دو مرکب دوائیں طاعون کے علاج تیار کی ہیں ایک وہ دوا ہے جس پر دو ہزار پانچ سو روپیہ خرچ آیا ہے ۔۔۔اس دوا کا نام تریاق الٰہی رکھا گیا ہے۔''

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 346)

الفضل میں درج روایت اس تحریر سے میل نہیں کھاتی اور کسی غلط فہمی کا نتیجہ لگتی ہے۔

3۔اعتراض بابت نامحرم عورتیں:

مولوی صاحب نے 'مرزا صاحب کی خدمت میں نامحرم عورتیں' کے عنوان کے تحت ایک مخالف اخبار کے حوالے سے لکھا ہے:

''مرزا صاحب نامحرم عورتوں سے ٹانگیں دبوایا کرتے تھے اور یہ نامحرم عورتیں بوڑھی بھی ہوا کرتی تھیں اور جوان بھی۔''

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 108)

جواب: معترض کی اپنی ذہنی سطح کی رنگ آمیزی سے قطع نظر، حضرت اماں جان کی موجودگی میں ایک بوڑھی عورت کا لحاف کے اوپر سے ٹانگیں دبانے کی درج ذیل روایت میں اصل کے اعتبار سے کوئی قابل اعتراض بات نہیں۔ شریعت میں عمر رسیدہ عورتوں کو پردہ میں رخصت ہے۔ جس کے تحت حضرت انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت کردہ یہ حدیث مذکور ہوئی ہے کہ حضرت امام حرام رضی اللہ عنہا زوجہ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سر سے جوئیں نکالیں۔

(الادب المفرد بحوالہ پاکٹ بک از ملک عبدالرحمن صاحب خادم صفحہ نمبر 683)

مخالف اخبار میں اس اعتراض کی کیا بنیاد بنائی گئی تھی وہ تو سامنے نہیں۔ تاہم سیرۃ المہدی میں یہ روایت یوں بیان ہوئی ہے:

''ڈاکٹر میر محمد اسمٰعیل صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت (اماں جان) نے ایک دن سنایا کہ حضرت صاحب کے ہاں ایک بوڑھی ملازمہ مسماۃ بھانو تھی۔ وہ ایک رات جب خوب سردی پڑ رہی تھی۔ حضور کو دبانے بیٹھی۔ چونکہ وہ لحاف کے اوپر سے دباتی تھی اس لئے یہ پتہ نہ لگا کہ جس چیز کو مَیں دبا رہی ہوں وہ حضور کی ٹانگیں نہیں ہیں بلکہ پلنگ کی پٹی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد حضرت صاحب نے فرمایا۔ بھانو آج بڑی سردی ہے۔ بھانو کہنے لگی 'ہاں جی' تدّے تے تہاڈی لتّاں لکڑی وانگر ہویاں ہویاں این' جی ہاں تبھی تو آپ کی لاتیں لکڑی کی طرح سخت ہو رہی ہیں۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 722)

دوسرا جواب: گھریلو ملازم عورتوں کے حوالے سے کی جانے والی اس نوع کی تمام زبان درازیاں بے حقیقت ہیں۔ اوّل تو یہی بات کہ ایسے واقعات کا ماخذ وہ کتاب ہے جو خود حضرت مسیح موعود کے صاحبزادے نے آپ کی سیرت پر لکھی ہے۔ دوسرے یہ ملازمائیں عمر رسیدہ عورتیں تھیں اور پردہ کے قرآنی حکم سے مستثنیٰ۔ گھر میں ان کا کام کاج کے لئے حضرت مسیح موعود کے سامنے پھرنا اس لئے بھی کوئی معنی نہیں رکھتا کہ آپ کی آنکھیں ہمیشہ نیم باز رہتیں اور کوئی خبر نہ ہوتی۔ ان میں سے ایک بوڑھی عورت کا رضائی کے اوپر سے آپ کے پاؤں دبانا محض اس کی سادگی سے پُر ایک حرکت تھی جو حضرت اماں جان اور گھر میں موجود دیگر افراد کے لئے باعث تفنن ہوئی۔ اس قصہ میں رنگ آمیزی اسے محلِ اعتراض بنانے والوں کی اپنی سوچ کی مظہر ہے ورنہ اس میں نکتہ چینی کا کوئی محل نہیں۔

اعتراض بابت جمالیاتی حس:

معترض نے اسی ذیل میں یہ ٹانکہ بھی لگایا ہے کہ:

''آپ کی جمالیاتی حس اس قدر تیز اور مشاہدہ حسن اس قدر گہرا اور پُختہ تھا کہ عورتوں کا صرف چہرہ دیکھ کر اندازہ کر لیتے تھے کہ یہ حسن دیر پا ہوگا یا جلد ڈھل جائے گا۔''

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 108)

جواب: یہ ساری داستان طرازی حضرت عبداللہ سنوری صاحب کی بیان کردہ ایک روایت کے اس جملہ پر ہے کہ حضرت صاحب نے فرمایا:

’جس شخص کا چہرہ لمبا ہوتا ہے وہ بیماری وغیرہ کے بعد عموماً بدنما ہو جاتا ہے لیکن گول چہرہ کی خوبصورتی قائم رہتی ہے۔‘‘

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے اس روایت کے حوالے سے یہ اصولی بات بھی تحریر کی ہے کہ

’’اللہ کے نبیوں میں خوبصورتی کا احساس بھی بہت ہوتا ہے۔ دراصل جو شخص حقیقی حسن کو پہچانتا اور اس کی قدر کرتا ہے وہ مجازی حسن کو بھی خوب پہچانے گا۔‘‘

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 241)

مزید اعتراض: اپنی دانست میں اعتراض کو تقویت پہنچانے کے لئے آگے لکھا ہے: ’آپ کا صاحبزادہ راوی ہے کہ آپ خوبصورت چیز کو پسند کرتے تھے۔‘

(قادیانیت اپنے آئینے میں از مولوی صفی الرحمن مبارک پوری صفحہ نمبر 108)

جواب: خوبصورتی کو پسند کرنا کیسے قابل اعتراض ہو سکتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا صفتِ جمیل کا پَرتو ہے اور ہر انسان میں یہ ذوق کم وبیش ہوتا ہے۔ خود حضرت عبداللہ سنوری صاحب کی بیان کردہ اس روایت میں بھی یہی حوالہ دیا گیا ہے کہ ’حضرت صاحب ہر چیز میں خوبصورتی کو پسند فرماتے تھے اور فرماتے تھے اللہُ جمیلُ ویحب الجمال‘۔

(سیرۃ المہدی جلد اوّل (ہر سہ حصص) از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 242)

41۔ اعتراض بابت وصولی قیمت براہین احمدیہ:

کتاب براہین احمدیہ کے بارے میں یہ اعتراض اکثر کیا جاتا ہے کہ پہلے کہا گیا تھا کہ یہ پچاس جلدوں میں ہوگی اور اس میں تین سو دلائل ہوں گے لیکن بعد میں صرف پانچ حصہ شائع کئے اور لوگوں کی خریداریٔ کتاب کے لئے دی گئی رقوم کھا گئے۔ اس مخالف کتاب میں ’فریب کاری‘ کا عنوان لگا کر لکھا ہے:

’بڑے بڑے چندے وصول کئے اور بہت بڑی مقدار میں لوگوں سے پچاس جلدوں کی پیشگی قیمت وصول کی۔ اس کے بعد صرف چار جلدیں چھاپ کر ہاتھ روک لیا اور ساری رقم ہضم کر گئے۔‘‘

(قادیانیت اپنے آئینہ میں از مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ نمبر 109 مکتبہ اسلامیہ لاہور اپریل 2004ء)

جواب: یہ الزام صریح جھوٹ ہے۔ جیسا کہ اس کتاب کی اشاعت اور فروخت سے متعلق درج ذیل حقائق سے ظاہر ہے۔

ا۔ مالی مدد اور پیشگی ادائیگی کا معمولی ہونا:

اس کتاب کی اشاعت کے لئے درکار سرمایہ کی فراہمی کے لئے آپ نے ہندوستان بھر کے اہل ثروت افراد کو متوجہ کیا اور کتاب کی قیمت کی ادائیگی کی تحریک فرمائی ۔ یہ کوشش بہت زیادہ بارآور نہ ہوئی اور چند مخاطبین نے ہی کچھ مدد کی ۔ اسی طرح پیشگی قیمت ادا کرنے والے زیادہ نہ تھے۔ جیسا کہ اس احوال سے ظاہر ہے جو آپ ساتھ ساتھ الم نشرح فرماتے رہے۔ جیسے یہ تحریر:

’’اگر یہ خیال ہے کہ بطور پیشگی خریداروں سے روپیہ لیا گیا تھا تو ایسا خیال کرنا بھی حمق اور ناواقفی کا باعث ہوگا کیونکہ اکثر براہین احمدیہ کا حصہ مفت تقسیم کیا گیا ہے اور بعض سے پانچ روپے اور بعض سے آٹھ آنے تک قیمت لی گئی ہے اور ایسے لوگ بہت کم ہیں جن سے دس روپے لئے گئے ہوں اور جن سے پچیس روپے لئے گئے ہیں وہ صرف چند آدمی ہیں۔‘‘

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 421)

حقیقتِ حال یہ ہوتے ہوئے مخالف کا یہ بیان کہ ’بڑے بڑے چندے‘ یا ’بڑی مقدار میں‘ پیشگی قیمت وصول کی گئی محض جھوٹ ہے۔ پھر یہ تمام تر ایک دینی معاملہ تھا اور اسے کسی کا بھی حصولِ مال کی کوشش کہنا محض اتہام تراشی ہے۔

2۔ تبدیلیٔ حالات:

براہین احمدیہ کے ابتدائی حصوں کی اشاعت کے ساتھ حضرت مسیح موعود کے حالات بدل گئے۔ اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اصلاح دنیا کے لئے مامور فرما دیا۔ جیسا کہ آپ نے کتاب کے حوالے سے اس تبدیلیٔ حالات کا یہ ذکر فرمایا۔

’’ابتداء میں جب یہ کتاب تالیف کی گئی تھی اس وقت اس کی کوئی اور

صورت تھی پھر بعد اس کے قدرت الٰہیّہ کی ناگہانی تجلّی نے اس احقر عباد کو موسیٰ کی طرح ایک ایسے عالم سے خبر دی جس سے پہلے خبر نہ تھی۔۔۔سو اب اس کتاب متولّی۔۔۔حضرت رب العالمین ہے اور کچھ معلوم نہیں کہ کس اندازہ اور مقدور تک اس کو پہنچانے کا ارادہ ہے۔''

(براہین احمدیہ حصّہ چہارم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ نمبر 673)

چنانچہ مزید حصوں کی اشاعت مؤخر ہوگئی۔

3۔حالات بدلنے پر وعدہ کی عدم تکمیل: بدنیتی سے وعدہ خلافی ضرور قابل اعتراض ہے لیکن حالات بدل جانے پر وعدہ کی تکمیل کا بعض اوقات ممکن نہ رہنا ہوسکتا ہے۔جیسا کہ یہ واقعہ کہ قریش کے بعض سوالوں کے جواب کے لئے آنحضرت ﷺ نے انہیں اگلے دن بلایا۔لیکن وحی نہ ہوئی اور چند دن رکی رہی اور قریش نے آپ کو جھٹلایا۔

(تفسیر کمالین برحاشیہ جلالین صفحہ نمبر 241م مجتبائی)

4۔پیشگی رقوم کی واپسی کا انتظام: اس تبدیلیٔ حالات میں معترضین کی تسلی کے لئے حضرت مسیح موعود نے بذریعہ اشتہارات اعلان فرمایا کہ پیشگی قیمت ادا کرنے والے اگر چاہیں تو کتاب کے چاروں حصے لوٹا کر اپنی ادا شدہ کل قیمت واپس لے سکتے ہیں۔اور اس غرض سے مختلف شہروں میں یا قریب ایسے دوستوں کی تقرری کا ارادہ بھی ظاہر فرمایا جو بعوض کتب،رقم کی حوالگی کریں۔نیز اس سہولت کو فوت شدہ خریداروں کے وُرثاء کے لئے بھی ممتد فرمایا۔کیا اس انتظام کے بعد جس میں فوت شدگان کا بھی خیال رکھا گیا ہو۔کسی اعتراض کی گنجائش رہ جاتی ہے؟

5۔ادائیگی کی واپسی کے چار اشتہار: کتاب کی پیشگی ادائیگی کی واپسی کے لئے حضرت مسیح موعود نے چار بار اشتہار دیا۔جن کے کچھ حصے درج ذیل ہیں۔

i۔اگر بعض صاحب اس توقف سے ناراض ہوں تو ہم ان کو فسخ بیع کی اجازت دیتے ہیں۔وہ ہم کو اپنی خاص تحریر سے اطلاع دیں۔۔۔اب یہ سلسلہ تالیف کتاب بوجہ الہامات الٰہیہ دوسرا رنگ پکڑ گیا ہے اور اب ہماری طرف سے کوئی ایسی شرط نہیں کہ کتاب تین سو جز تک ضروری پہنچے بلکہ جس طور سے خدا تعالیٰ مناسب سمجھے گا،کم یا زیادہ بغیر لحاظ پہلی شرائط کے اس کو انجام دے گا کہ یہ سب کام اسی کے ہاتھ میں ہے اور اس کے امر سے ہے۔''

(اشتہار واجب الاظہار ستمبر 1886ء سرمہ چشم آریہ روحانی خزائن جلد 2 صفحہ نمبر 48)

ii:'عام طور پر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ ایسے لوگ جو آئندہ کسی وقت جلد یا دیر سے اپنے روپیہ کو یاد کر کے اس عاجز کی نسبت کچھ شکوہ کرنے کو تیار ہیں یا ان کے دلوں میں بدظنی پیدا ہوسکتی ہے وہ براہ مہربانی اپنے ارادہ سے مجھ کو بذریعہ خط مطلع فرماویں اور ان کا روپیہ واپس کرنے کے لئے یہ انتظام کروں گا کہ ایسے شہر میں یا اس کے قریب اپنے دوستوں میں سے کسی کو مقرر کردوں گا تا کہ چاروں حصّے کتاب کے لے کر روپیہ ان کے حوالے کرے۔اور میں ایسے صاحبوں کی بدزبانی اور بدگوئی اور دشنام دہی کو بھی محض للہ بخشتا ہوں۔کیونکہ میں نہیں چاہتا کہ کوئی میرے لئے قیامت میں پکڑا جائے۔اور اگر ایسی صورت ہو کہ خریدار کتاب فوت ہو گیا ہے اور وارثوں کو کتاب بھی نہ ملی ہو تو چاہئے کہ وہ چار معتبر مسلمانوں کی تصدیق خط میں لکھوا کر کہ اصل وارث وہی ہے وہ خط میری طرف بھیج دے تو بعد اطمینان وہ روپیہ بھی بھیج دیا جائے گا۔(اشتہار 'براہین احمدیہ اور اس کے خریدار' یکم مئی 1893ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 332)

iii:'یہ چند سطور بطور اشتہار لکھتے ہیں کہ اگر اب بھی کوئی ایسا خریدار چھپا ہوا موجود ہے کہ جو غائبانہ براہین کی توقف کی شکایت رکھتا ہے تو وہ فی الفور ہماری کتابیں بھیج دے اور ہم اس کی قیمت جو کچھ اس کی تحریر سے ثابت ہوگی اس کی طرف روانہ کر دیں گے اور اگر کوئی باوجود ہمارے ان اشتہارات کے اب بھی اعتراض کرنے سے باز نہ آوے تو اس کا حساب خدا تعالیٰ کے پاس ہے۔'

(اشتہار 'واپسی قیمت براہین احمدیہ' مورخہ یکم جنوری 1899ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 264-265)

iv۔چوتھی دفعہ آپ نے پھر تحریر فرمایا۔'تمہیں خدا تعالیٰ کی قسم ہے جس کے سامنے حاضر کئے جاؤ گے کہ براہین احمدیہ کے وہ چاروں حصّے میرے حوالے کردو اور اپنا روپیہ لے لو۔دیکھو میں کھول کر یہ اشتہار دیتا ہوں کہ اب اس کے بعد اگر تم براہین احمدیہ کا مطالبہ کرو اور چاروں حصّے

بطور ویلیو پے ایبل میرے کسی دوست کو دکھا کر میری طرف بھیج دو اور میں ان کی قیمت بعد لینے ان ہر چہار حصّوں کے ادا نہ کروں تو میرے پر خدا کی لعنت ہو۔ اور اگر تم اعتراض سے باز نہ آؤ اور نہ کتاب کو واپس کر کے اپنی قیمت لو تو پھر تم پر خدا کی لعنت ہو۔ اسی طرح ہر ایک حق جو میرے پر ہو ثبوت دینے کے بعد مجھ سے لے لو۔ اب بتلاؤ اس سے زیادہ میں کیا کہہ سکتا ہوں کہ اگر کوئی حق کا مطالبہ کرنے والا یوں نہیں اٹھتا تو میں لعنت کے ساتھ اسے اٹھاتا ہوں اور میں اس سے پہلے براہین کی قیمت کے بارے میں تین اشتہار شائع کر چکا ہوں'۔

(اشتہار 'براہین احمدیہ کا ذکر' مورخہ 15 دسمبر 1900ء مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 484)

6۔ ادائیگیوں کی واپسی: ان اشتہارات کے تحت عملاً عندالطلب یہ پیشگی ادائیگیاں واپس بھی کی گئیں۔ جس کا حضرت مسیح موعود نے یہ ذکر فرمایا:

ان اشتہارات کے جواب میں بعض لوگوں نے 'کتابیں بھیج دیں اور قیمت واپس لے لی اور بعض نے کتابوں کو بہت خراب کر کے بھیجا مگر پھر بھی ہم نے قیمت دے دی'۔

(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ 422)

''جن لوگوں نے قیمتیں دی تھیں۔ اکثر نے گالیاں بھی دیں اور اپنی قیمت بھی واپس لی۔''

(براہین احمدیہ حصہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ نمبر 9)

7۔ بلحاظ قیمت پورا ہونا: بلحاظ اخراجات کتاب کی اصل قیمت اس قیمت سے کہیں زیادہ تھی جو اس کے لئے مقرر کی گئی اور جس پر یہ فروخت ہوئی۔ جیسا کہ درج ذیل سے واضح ہے:

کسی بھی حصہ کی اشاعت سے پہلے اندازہ تھا کہ 'اصل قیمت اس کتاب کی۔ بیس روپے سے کم نہ تھی۔''

(اشتہار کتاب براہین احمدیہ کی قیمت و تاریخ طبع مورخہ 20 دسمبر 1879ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 9)

1880ء میں پہلے دو حصوں کی اشاعت کے وقت یہ اندازہ ہوا کہ اصل قیمت اس کی یعنی جو خرچ آنا ہے فی حصہ پچیس روپیہ ہے۔

(اشتہارات کتاب براہین احمدیہ کی قیمت مشمولہ براہین احمدیہ روحانی خزائن جلد اصفحہ نمبر 2) جلد اصفحہ نمبر 2) 82ء میں حصہ سوم کی اشاعت کے وقت اس قیمت کا اندازہ ہوا۔ مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ قیمت کتاب سو روپیہ رکھی جائے۔

1882ء میں حصہ سوم کی اشاعت کے وقت اس قیمت کا اندازہ یہ ہوا: 'مصارف پر نظر کر کے یہ واجب معلوم ہوتا تھا کہ آئندہ قیمت کی کتاب سو روپیہ رکھی جائے۔''

(اطلاع مشمولہ براہین احمدیہ حصہ سوم روحانی خزائن جلد 1 صفحہ نمبر 135)

اخراجات کے ان تخمینوں کے بالمقابل کتاب کی قیمت صرف پانچ روپے رکھی گئی۔ یعنی بالترتیب چوتھا، پانچواں اور بیسواں حصہ۔ اس قیمت کا اعلان مئی 1879ء میں بذریعہ اشتہار مطبوعہ اشاعت السنہ میں کیا گیا۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 17)

کتاب کی زیادہ تر فروخت اسی قیمت پر ہوئی۔ حضرت مسیح موعود نے براہین کے پہلے حصے میں جو فہرست معاونین درج فرمائی ہے اس میں جن 19 ناموں کے آگے بابت 'خریداری کتب' تحریر ہے ان میں سے بجز دو کے سب پانچ روپے کے حساب سے ہیں۔

(براہین احمدیہ حصہ اول روحانی خزائن جلد اصفحہ نمبر 12-11)

چھ ماہ بعد آپ نے اعلان فرمایا: ''باستثناء ان صاحبوں کے جو قیمت ادا کر چکے ہیں یا ادا کرنے کا وعدہ ہو چکا ہے قیمت اس کتاب کی بجائے پانچ روپے کے دس روپے تصور فرماویں۔''

(اشتہار 'کتاب براہین احمدیہ کی قیمت و تاریخ طبع' مورخہ 3 دسمبر 1879ء بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 19)

یہ قیمت بھی مذکورہ بالا آخری کل لاگت یعنی سو روپیہ کا دسواں حصہ تھی۔ جس طرح کتاب کے پانچ مطبوعہ حصے کل ممکنہ کا دسواں حصہ تھے۔

اور یوں حساب بے باق رہا۔ جیسا کہ ایک اور موقع پر آپ نے کتاب کی مختلف قیمت ہائے فروخت کا ذکر کر کے فرمایا:

''اس قیمت کے جو اِن حصص براہین احمدیہ کے مقابل پر جو طبع ہو کر

خریداروں کو دئے گئے ہیں کچھ بہت نہیں ہے بلکہ عین موزوں ہے۔''
(ایام الصلح روحانی خزائن جلد 14 صفحہ نمبر 421)

8۔ بلحاظ کمیّت زیادہ ہونا: گو کتاب کے چار حصے ہی شائع ہوئے لیکن ان میں درج حقائق و معارف اس قیمت سے کہیں زیادہ تھے جو ان کے لئے ادا کی گئی۔ حضرت مسیح موعود نے اس پہلو کی طرف بھی متوجہ کیا ہے جیسا کہ فرمایا:

'ذرہ انصاف سے یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا وہ لوگ کتاب دیکھنے سے بکلّی محروم گئے۔ اور کیا انہوں نے 36 جز و کی کتاب پر از حقائق و معارف نہیں دیکھ لی۔۔۔ کیا یہ سچ نہیں کہ براہین احمدیہ کا حصہ جس قدر طبع ہو چکا وہ بھی ایک ایسا جواہرات کا ذخیرہ ہے کہ جو شخص اللہ جلشانہ اور رسول اللہ صلعم سے دلی محبت رکھتا ہو بلا شبہ اسی کو اپنے پانچ دس روپے سے زیادہ قیمتی اور قابل قدر سمجھے گا'۔

(اشتہار 'براہین احمدیہ اور اس کے خریدار' یکم مئی 1893ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 329)

'میں خوب جانتا ہوں کہ جن لوگوں نے اس عاجز کی نسبت اعتراض کئے ہیں کہ ہمارا روپیہ لے کر کھا لیا اور ہم کو کتاب کا بقیہ اب تک نہیں دیا۔ انہوں نے کبھی توجہ اور انصاف سے کتاب براہین احمدیہ کو پڑھا نہیں ہوگا۔ اگر وہ کتاب کو پڑھتے تو اقرار کرتے کہ ہم نے براہین کا زیادہ اس سے پھل کھایا ہے اور اس مال سے زیادہ مال لیا ہے جو ہم نے اپنے ہاتھ سے دیا۔''

(اشتہار 'براہین احمدیہ اور اس کے خریدار' یکم مئی 1893ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 330)

'ہم ان بزرگوں سے پوچھتے ہیں کہ کیا آپ نے یہ روپیہ مفت دیا تھا اور کیا وہ کتابیں جو اس کے عوض میں تم نے لیں جن کے ذریعے سے تم نے وہ علم حاصل کیا جس کی تمہیں اور تمہارے باپ دادوں کو کیفیت معلوم نہیں تھی اور وہ بغیر ایک عمر خرچ کرکے اور بغیر خون جگر کھانے کے یونہی تالیف ہو گئی تھیں اور بغیر صرف مال کے یونہی چھپ گئی تھیں۔ اور اگر در حقیقت وہ بے بہا جواہرات تھی جس کے عوض آپ نے پانچ یا دس روپے دئے تھے تو کیا یہ شکوہ روا تھا کہ بے ایمانی اور دھوکہ دہی سے ہمارا روپیہ لے لیا گیا۔''

(اشتہار 'براہین احمدیہ اور اس کے خریدار' یکم مئی 1893ء مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 331)

9۔ 300 دلائل سے زائد کی اشاعت: پھر آپ نے اس عرصہ میں 80 سے زائد کتب تحریر فرمائیں اور ان میں علم و عرفان کے دریا بہائے اور قرآن کریم اور آں حضرت صلعم کی حقانیت پر دلائل و براہین اور نشانات بیان فرمائے ان کی تعداد 300 دلائل کے اس ابتدائی اندازہ سے بھی کہیں بڑھ گئی۔

10۔ پانچ کا پچاس کا قائم مقام ہونا: ایک عرصہ بعد آپ نے کتاب کا پانچواں حصہ شائع فرمایا تو ان پانچ حصّوں کو پچاس کا قائم مقام کرکے فرمایا۔ 'پہلے پچاس حصّے لکھنے کا ارادہ تھا مگر پچاس سے پانچ پر اکتفا کیا گیا اور چونکہ پچاس اور پانچ کے عدد میں صرف ایک نقطہ کا فرق ہے اس لئے پانچ حصّوں سے وہ وعدہ پورا ہو گیا'۔

(براہین احمدیہ حصّہ پنجم روحانی خزائن جلد 21 صفحہ نمبر 9)

یہ ایسی ہی مثال تھی جیسی پچاس نمازوں کے پانچ رہ جانے پر اللہ نے فرمایا: هِيَ خَمْسٌ وَهِيَ خَمْسُوْنَ (بخاری کتاب الصلوٰۃ)

یعنی یہ پانچ بھی ہیں اور پچاس بھی۔

15۔ اعتراض بابت ایک اور کتاب کے لئے حصول رقم:

پھر ایک اور کتاب کے حوالے سے مزید جھوٹ یوں لکھا ہے کہ

'20 فروری 1886ء کے اشتہار میں 'رسالہ سراج منیر' کی تیاری کی بشارت سنائی۔۔۔ پھر اس کی طباعت کے لئے لوگوں سے بہت بڑی رقم اینٹھی اور گول کر گئے۔ جب زیادہ لعنت ملامت ہوئی تو۔۔۔ 72 صفحات کا معمولی سا رسالہ شائع کر دیا'۔

(قادیانیت اپنے آئینہ میں از مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ نمبر 109 مکتبہ اسلامیہ لاہور اپریل 2004ء)

جواب: اس کتاب کے لئے کبھی کسی پیشگی رقم کا مطالبہ نہیں ہوا تھا۔ رقم کے حوالے سے مخالف نے جو کچھ بھی لکھا ہے سب جھوٹ ہے۔ کتاب روحانی خزائن جلد 12 کے 102 صفحات پر ہے۔ اس طرح اس کے صفحات کی تعداد بھی غلط لکھی ہے۔ اس کتاب میں حضرت مسیح موعود نے

پہلے سے اعلان کے مطابق بشمول پیشگوئی لیکھرام کے 38 عظیم الشان پیشگوئیاں درج فرمائی ہیں جو سب آپ کی صداقت پر گواہ ہیں۔ درج ذیل حقائق سے اس اعتراض کا باطل ہونا خوب ظاہر ہے۔

ا۔ پیشگی ادائیگی کا کوئی مطالبہ نہ تھا: رسالہ سراج منیر کے لئے آپ نے کبھی کسی پیشگی ادائیگی کا مطالبہ نہ فرمایا۔

i۔ اشتہار 20 فروری 1886ء میں بلا کسی قیمت یا ادائیگی کی ہدایت کے صرف اس رسالہ کے زیرِ تحریر ہونے کا ذکر ہے۔

ii۔ اگلے سال کتاب شحنۂ حق کی اشاعت کے ساتھ آپ نے رسالہ سراج منیر کے حوالے سے جو اعلان فرمایا اس میں صرف خریداری کی اطلاع دینے کی ہدایت تھی۔ جیسا کہ فرمایا:

”جو صاحب پختہ ارادہ سے سراج منیر کو خریدنا چاہتے ہیں وہ اپنی درخواست مع پتہ سکونت وغیرہ کے ارسال فرمائیں۔ جب ایک حصہ کافی درخواستوں کا آجائے گا تو فی الفور کتاب کا طبع ہونا شروع ہو جائے گا۔“

(شحنۂ حق روحانی خزائن جلد 2 صفحہ نمبر 324)

iii۔ یہ اعلان علیحدہ اشتہار کی صورت بھی شائع ہوا جس میں کوائف کا ایک نقشہ بھی دیا گیا تھا۔ (مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 118) اس میں بھی کسی رقم کی ترسیل کا کوئی ذکر نہ تھا۔

2۔ اشاعت میں تاخیر: بعد میں جب بوجوہ اس رسالہ کی اشاعت میں تاخیر ہوئی تو آپ اس سے مطلع فرماتے رہے۔

i۔ مذکورہ بالا اشتہار جب آپ نے آئینہ کمالات کے ساتھ شائع فرمایا تو یہ وضاحت فرما دی کہ

’یہ رسالہ بعض مصالح کی وجہ سے اب تک کہ 25 فروری 1893ء ہے چھپ نہیں سکا مگر متفرق طور پر اس کی بعض پیشگوئیاں شائع ہوتی رہی ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ آئندہ بھی شائع ہوتی رہیں گی۔‘

(آئینہ کمالات اسلام روحانی خزائن جلد 5 صفحہ نمبر 645 حاشیہ)

ii۔ بعد میں ان بہت سی پیشگوئیوں کو جو آپ سراج منیر میں شائع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے آپ نے اپنی ایک اور تصنیف میں میں شائع کر دیا جیسا کہ کتاب آئینہ کمالات اسلام کے لئے آپ نے جو اشتہار شائع

غزل



سید طاہر احمد زاہد

وہ میرے دلدار کا لہجہ
پھولوں سی مہکار کا لہجہ
پل میں درد بھلا دیتا ہے
وہ میرے غمخوار کا لہجہ
توڑ کے رکھ دیتا ہے رشتے
اپنوں سے تکرار کا لہجہ
کا ہے روز رُلا دیتا ہے
اک گذرے کردار کا لہجہ
سنتے ہیں کب دنیا والے
مجھ بے بس لاچار کا لہجہ
جھوٹ سے اکثر پر ہوتا ہے
آج کے ہر اخبار کا لہجہ
زاہد پوچھ نہ کیا ہوتا ہے
وہ پہلے اظہار کا لہجہ

فرمایا اس میں تحریر فرمایا:

’اس کتاب میں ۔۔۔ ایک وافر حصہ ان پیشگوئیوں کا بھی موجود ہے جن کو اول سراج منیر میں شائع کرنے کا ارادہ تھا‘۔

(اشتہار ’کتاب آئینہ کمالات اسلام‘ مجموعہ اشتہارات جلد اول صفحہ نمبر 130)

16۔ اعتراض بابت چندہ منارۃ المسیح:

مخالف نے اس ذیل میں لکھا ہے کہ ’مرزا صاحب نے اس منارہ کے لئے بے محابہ چندہ وصول کیا۔۔۔ اور منارہ کی تعمیر تشنۂ تکمیل ہی رہ گئی‘۔

(قادیانیت اپنے آئینہ میں از مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ نمبر 111 مکتبہ اسلامیہ لاہور اپریل 2004ء)

جواب: یہ اعتراض محض جھوٹ ہے۔ حقیقت اس کے برعکس یہ ہے کہ یہ تعمیر مالی مشکلات کے باعث رکی رہی۔ جیسا کہ درج ذیل حقائق سے

ظاہر ہے:

i۔اس منار کے لئے چندہ کی تحریک اول آپ نے اشتہار مورخہ 28 مئی 1900ء کے ذریعے فرمائی

(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 409۔399)

ii۔پھر یہ دیکھ کر کہ' کمزوری اور کم توجہی کے ساتھ اس کام کے لئے چندہ وصول ہو رہا ہے' آپ نے یکم جولائی 1900ء کو ایک اور اشتہار کے ذریعہ 1011 افرادِ جماعت کے نام اس امید سے لکھ کر شائع فرمائے کہ 'ان میں سے ہر ایک کم سے کم ایک سو روپیہ اس کام کے لئے پیش کرے'۔(مجموعہ اشتہارات جلد دوم صفحہ نمبر 422-429)

iii۔تیسری بار آپ نے اپریل 1905ء میں اس غرض سے چندہ خاص کی تحریک فرمائی مگر مالی تنگی کے باعث اس تحریک کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ بر آمد نہ ہوا۔

نتیجتاً مالی مشکلات کے باعث تعمیر کا کام رک گیا اور بعد میں خلافت ثانیہ کے پہلے سال میں دوبارہ شروع ہو کر اس سے اگلے سال مکمل ہوا۔

(تاریخ احمدیت جلد ۱۱ از مولوی دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 119 بحوالہ الحکم 1 اپریل 1905ء)

17۔اعتراض بابت بہشتی مقبرہ:

یہ عنوان لگا کر مخالف نے اسے 'مرزا صاحب کی قبر فروشی' بیان کیا ہے اور نظام وصیت کی کئی شرائط کو 'تجارت' کی نظر سے دیکھ کر عیب چینی کی ہے۔اور تان یہاں توڑی ہے کہ 'یہ سارا پاپڑ توان (مرزا صاحب اور ان کے اہل و عیال) ہی کی خوشحالی اور فارغ البالی کے لئے بیلا گیا ہے۔''

(قادیانیت اپنے آئینہ میں از مولوی صفی الرحمٰن مبارکپوری صفحہ نمبر 111-112 مکتبہ اسلامیہ لاہور اپریل 2004ء)

جواب: یہ سب محض جھوٹ ہے۔جیسا کہ درج ذیل حقائق سے واضح ہے۔

i۔حضرت مسیح موعود نے بہشتی مقبرے کی آمد کو اوّل دن سے ایک علیحدہ نظام کے تحت رکھا اور یہ ہدایت فرمائی کہ

'یہ مالی آمدنی ایک با دیانت اور اہل علم انجمن کے سپرد رہے گی اور وہ باہمی مشورہ سے ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے حسب ہدایت مذکورہ بالا خرچ کریں گے۔''

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 319)

ii۔اس ہدایت کے مطابق بنائی گئی انجمن کے پہلے اجلاس منعقدہ 29 جنوری 1906ء کی جو روئداد اسی رسالہ کے ساتھ شائع شدہ ہے۔اس میں ساتویں نمبر پر یہ فیصلہ بھی لکھا ہے۔

''کل روپیہ جو چندہ قبرستان کے متعلق ہو یا جو زیر اشتہار الوصیت مدات ہائے متذکرہ بالا بھیجا جائے وہ صرف اس پتہ پر آنا چاہئے 'فنانشل سیکریٹری' مجلس کار پرداز مصالح قبرستان' اور کسی شخص کے نام پر یا اور کسی پتہ پر نہیں آنا چاہئے'۔

(رسالہ الوصیت روحانی خزائن جلد 20 صفحہ نمبر 332)

iii۔وہ تمام اعتراض جو مختلف شرائط پر کئے گئے ہیں اس لئے بے حقیقت ہیں کہ ان کے نتیجہ میں ہونے والی آمد اس انجمن کو ملنی تھی نہ کہ حضرت مسیح موعود یا ان کے اہلِ خانہ کو۔ پھر انجمن بھی اس بات کی پابند تھی کہ اس آمد کو صرف 'ترقی اسلام اور اشاعت علم قرآن و کتب دینیہ اور اس سلسلہ کے واعظوں کے لئے' خرچ کرے نہ کہ دنیوی اغراض پر۔

18۔حصولِ مال مقصد اور دُنیاداری کے الزام:

مخالف کتب میں اکثر حضرت مسیح موعود کے دعاوی کا مقصد مال و دولت کا حصول اور اس کی مدد سے عیش و آرام کی زندگی گزارنا لکھا جاتا ہے۔حصولِ مال کے جھوٹ کو سہارا دینے کے لئے براہین احمدیہ کے لئے چندہ کی مہم، ایک اور کتاب کے نام پر رقم کا حصول، منارۃ المسیح کے لئے چندہ کی وصولی، بہشتی مقبرہ سے حصول آمد کے عناوین کے تحت لکھی جانے والی خلافِ واقعہ باتوں کا جواب اوپر دیا جا چکا ہے۔اسی طرح دادِ عیش کے عنوان کے تحت بولے جانے والے تمام جھوٹ بھی غلط ثابت ہو چکے ہیں۔اس حوالے سے دو اور پہلو قابل ذکر ہیں۔

ا۔دینی ضروریات اور مالی قربانی: کتابوں کی فروخت اور احبابِ جماعت کی مالی قربانیوں سے حاصل ہونے والے اموال تمام تر دینی ضروریات پر خرچ ہوتے تھے۔

آپ تکمیلِ اشاعتِ دین کے لئے مامور تھے۔ اس کام کی بظاہر صورت اشاعتِ کُتب و اشتہارات، تلاشِ حق کے لئے آنے والے بکثرت افراد کے قیام وطعام کا انتظام اور مباحث ومناظروں اور پیغام رسانی کے لئے شہر شہر سفر تھے۔ یہ سب وسائل کے متقاضی تھے۔ پھر مخالفین کے دائر کردہ مقدمات کی پیروی میں دوسرے شہروں میں جانا اور وہاں اپنے اور ساتھیوں کے قیام وطعام پر اخراجات اس پر مستزاد تھے۔

ان مصارف میں سے لنگر خانہ اور مہمانداری پر ہونے والے اخراجات کا آپ نے یہ ذکر فرمایا:

”اوسط تعداد روٹی کھانے والوں کی ہر روز دوسو اور کبھی تین سو اور کبھی زیادہ ہوتی ہے جو دو وقت اس لنگر سے روٹی کھاتے ہیں اور دوسرے مصارف مہمانداری کے الگ ہیں اور اوسط خرچ بہت کفایت شعاری سے پندرہ سو روپیہ ماہواری ہوتا ہے۔ مگر اور کئی متفرق خرچ ہیں جو اس کے علاوہ ہیں اور یہ خدا کا معجزہ بیس برس سے مَیں دیکھ رہا ہوں“۔

(حقیقۃ الوحی روحانی خزائن جلد 22 صفحہ نمبر 290)

ان اخراجات کے لئے وسائل کی فراہمی کی دُنیوی سبیل آپ کے مخلص احباب کا مالی تعاون تھا۔ مالی قُربانی ایک اہم دینی ضرورت تھی۔ جس کا آغاز آپ نے خود اپنی کل غیر منقولہ جائداد بقدر دس ہزار روپے کا اپنی پہلی کتاب براہینِ احمدیہ کا جواب لکھنے والے کو بطور انعام دئے جانے کے لئے مختص کر کے فرمایا تھا۔

2۔ آپ کا سادہ رہن سہن: آپ کے سادہ رہن سہن اور عام طرزِ زندگی پر ایک مجموعی نظر بھی اس الزام کے جھوٹ ہونے پر ایک مزید دلیل ہے۔

حضرت مسیح موعود کی زندگی ایک کھلی کتاب کی مانند اپنوں اور بے گانوں کے سامنے رہی۔ آپ کا سادہ رہن سہن، مہمانوں کے ساتھ کھانا پینا، بعض مرتبہ سالن کے ایک ہی برتن میں، لباس میں بے توجہی، جوتوں کے دائیں بائیں میں فرق نہ کرنا اور آسانی کے لئے ایڑی کا بٹھا لینا، خوراک سے اتنی بے رغبتی کہ کھانا ضرورت مندوں کو دے کر چنوں پر گزارا کر لینا، کام میں محو ہو کر یہ بھول جانا کہ کھانا کھایا بھی ہے یا نہیں، چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں کو شوربہ سے چھو کر کھا لینا، آرام اور بیٹھ رہنے سے کوسوں دُور ایک کام کے بعد دوسرے کے لئے کمر کسے رکھنا، عین جوانی میں گھر سے دُور تن تنہا سالوں رہنا اور ان غیروں سے پاک باز جینے کی گواہی پانا، اور پھر زندگی کی آخری شام، جمع شدہ دنیا کی کل وسعت یہ کہ سیر کے لئے صرف ایک گھنٹہ کا کرایہ پاس ہونا اور وفات کے فوراً بعد شریک حیات کا بچوں کو خالی گھر سے نہ گھبرانے کی نصیحت کرنا۔ یہ سب ڈنکے کی چوٹ ان سب جھوٹے الزامات کی کلیتاً نفی کرتے ہیں جو آپ کو ایک دنیا دار انسان ثابت کرنے کے لئے بولے گئے ہیں۔ یا بولے جا رہے ہیں۔

چند واقعات: آپ کی سادہ طرزِ زندگی کے بے شمار واقعات میں سے چند درج ذیل ہیں:

i۔ ’ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور مغرب کے بعد مسجد مبارک کی دوسری چھت پر مع چند احباب کھانا کھانے کے لئے تشریف فرما تھے ایک احمدی میاں نظام الدین ساکن لدھیانہ جو بہت غریب آدمی تھے اور ان کے کپڑے بھی دریدہ تھے حضور سے 4، 5 آدمیوں کے فاصلہ پر بیٹھے تھے۔ اتنے میں کئی دیگر اشخاص ۔۔۔ آتے گئے اور حضور کے قریب بیٹھتے گئے۔ جس کی وجہ سے میاں نظام الدین کو پرے ہٹنا پڑتا رہا۔ حتیٰ کہ وہ جوتیوں کی جگہ تک پہنچ گیا۔ اتنے میں کھانا آیا تو حضور نے ایک سالن کا پیالہ اور کچھ روٹیاں ہاتھ میں اٹھا لیں اور میاں نظام الدین کو مخاطب کر کے فرمایا آؤ میاں نظام الدین صاحب ہم اور آپ اندر بیٹھ کر کھانا کھائیں اور یہ فرما کر مسجد کے صحن کے ساتھ جو کوٹھری ہے اس میں تشریف لے گئے اور حضور نے اور میاں نظام الدین نے کوٹھری کے اندر ایک ہی پیالہ میں کھانا کھایا۔‘

(روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحب۔ اصحاب احمد جلد چہارم از ملک صلاح الدین صاحب صفحہ نمبر 160-159 مطبوعہ مجلس انصار اللہ پاکستان)

ii۔ ’ایک دفعہ لدھیانہ میں آپ سیر کو تشریف لے جا رہے تھے۔ پیر میں جوتا تھا اس کو پیوند لگے ہوئے تھے اور بدزیب معلوم ہوتا تھا۔ میں آپ کی ہمراہی سے ہٹ کر ایک دکان پر گیا اور آپ کی پیر کا بہت سبک جوتا خرید کر لے آیا۔ آپ مجھے سیر سے واپسی پر ملے۔ میں جوتا لئے ساتھ چلا آیا اور

مکان پر پیش کیا کہ حضور وہ جوتا تو بہت برا لگتا ہے۔آپ نے جزاکم اللہ فرما کر نیا جوتا رکھ لیا اور پہن کر بھی دیکھا تو بہت ٹھیک تھا۔اگلے دن جب حضو رسیر کو تشریف لے گئے تو وہی پرانا جوتا گٹھا ہوُا پہنے ہوئے تھے۔میں نے عرض کیا کہ حضور نے پھر وہی پرانا جوتا پہن لیا۔آپ نے فرمایا مجھے اس میں آرام معلوم ہوتا ہے اور اس کو پیر سے موافقت ہوگئی ہے۔'

(روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحب۔اصحاب احمد جلد چہارم از ملک صلاح الدین صاحب صفحہ نمبر 178۔177 مطبوعہ مجلس انصار اللہ پاکستان)

iii۔'ایک دفعہ جلسہ سالانہ پر بہت سے آدمی آئے ہوئے تھے جن کے پاس کوئی پارچہ سرمائی نہ تھا۔ایک شخص نبی بخش نمبردار ساکن بٹالہ نے اندر سے لحاف بچھونے منگوانے شروع اور مہمانوں کو دیتا رہا۔عشاء کے بعد (میں) حضرت صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا تو بغلوں میں ہاتھ دئے ہوئے تھے اور ایک صاحبزادہ جو غالباً حضرت خلیفۃ المسیح الثانی تھے پاس لیٹے تھے اور ایک شتری چوغہ انہیں اوڑھا رکھا تھا۔معلوم ہوُا کہ آپ نے اپنا لحاف بچھونا بھی طلب کرنے پر مہمانوں کے لئے بھیج دیا۔میں نے عرض کی کہ حضور کے پاس کوئی پارچہ نہیں رہا اور سردی بہت ہے۔فرمانے لگے کہ مہمانوں کو تکلیف نہیں ہونی چاہئے۔اور ہمارا کیا ہے۔رات گزر جائے گی'۔

(روایت حضرت منشی ظفر احمد صاحب۔اصحاب احمد جلد چہارم ازمکرم صلاح الدین صاحب صفحہ نمبر 180 مطبوعہ مجلس انصار اللہ پاکستان)

iv۔'مرزا دین محمد صاحب نے مجھ سے بیان کیا کہ۔۔۔جب حضرت صاحب بٹالہ جاتے۔۔۔گھوڑے پر مجھے سوار کر دیتے تھے۔خود آگے آگے پیدل چلے جاتے۔۔۔(بٹالہ میں) شام کو اپنے کھانے کے لئے مجھے دو پیسے دے دیتے تھے۔۔۔دو پیسے میں دو روٹی اور دال مل جاتی تھی۔۔۔آپ ایک روٹی کی چوتھائی یا اس سے کم کھاتے باقی۔۔۔اسے (گھر کے محافظ جولا ہے کو) دے دیتے اور مجھے میرے کھانے کے لئے چار آنے دیتے تھے'۔

(سیرت المھدی جلد اول ہر سہ حصص از حضرت مرزا بشیر احمد صاحب صفحہ نمبر 627۔628)

v۔دنیا سے وقتِ رخصت آپ کی تہی دامنی کی کیفیت کے بارے میں لکھا ہے کہ

وفات سے پہلے دن بھر کے بعد سیر کے لئے جاتے ہوئے آپ نے اپنے مخلص رفیق بھائی عبدالرحمٰن صاحب قادیانی سے فرمایا۔'گاڑی بان سے کہہ دو کہ اتنی دور لے جائے کہ جانے آنے میں ایک گھنٹہ سے زیادہ وقت نہ لگے کیونکہ آج ہمارے پاس اتنے ہی پیسے ہیں۔''

(کتاب حضرت بھائی جی عبدالرحمٰن قادیانی صاحب صفحہ نمبر 320 مطبوعہ نئی دہلی 2001)

موجود پونجی سے یہ آپ کی حیات کا آخری خرچ تھا۔

vi۔اپنے آقا حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی مانند دنیا سے جاتے ہوئے نہ صرف آپ کے پاس کوئی مال نہ تھا بلکہ کچھ قرض بھی تھا۔جیسا کہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانی نے فرمایا'حضرت مسیح موعود جب فوت ہوئے تو اس وقت ہمارے پاس اپنے گزارے کا کوئی سامان نہ تھا۔۔۔اس وقت آپ پر کچھ قرض تھا۔۔۔آپ (حضرت اماں جان) کے پاس جو زیور تھا اسے آپ نے بیچ کر حضرت مسیح موعود کے قرض کو فوراً ادا کر دیا۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 13 مارچ 1944ء بحوالہ خطبات محمود جلد 25 صفحہ نمبر 198 مطبوعہ فضل عمر فاؤنڈیشن ربوہ)

vii۔حضرت مسیح موعود کی وفات پر یہی حالات تھے جن میں حضرت اماں جان نے بچوں کو یہ نصیحت فرمانا ضروری جانا کہ

''بچو! گھر خالی دیکھ کر یہ نہ سمجھنا کہ تمہارے ابا تمہارے لئے کچھ نہیں چھوڑ گئے انہوں نے آسمان پر تمہارے لئے دعاؤں کا ایک بڑا بھاری خزانہ چھوڑا ہے جو تمہیں وقت پر ملتا رہے گا۔''

(تاریخ احمدیت جلد 2 از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ نمبر 548)

دُنیا سے عدمِ تعلق کے یہ سارے اظہار بزبانِ حال حضرت مسیح موعود پر اموال جمع کرنے اور دنیا دار ہونے کے ہر نوع کے اعتراضات کی نفی کرتے اور ایسے تمام الزامات کو جھوٹ اور بے بنیاد ثابت کرتے ہیں۔

(باب 22 یہاں ختم ہوُا۔اگلے باب کا عنوان ہوگا۔(صداقت حضرت مسیح موعود پر اعتراضات کے جواب)



قرآن کریم ہدایت کا نور چشمہ اور جدید سائنس کی حقیقت

قاسم عبّاس, میسی ساگا, کینیڈا



اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ کی طرف سے تمام انسانوں کی ہدایت کے لئے نازل کی جانے والی مقدّس کتاب قرآن کریم ہدایت کا نور چشمہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک طرز زندگی, ایک مکمّل ضابطہ حیات اور جدید سائنس کی حقیقت بھی ہے۔

یہ مقدّس کتاب قرآن کریم 1400 سال پہلے کے انسانوں کے لئے, آج کے دور کے انسانوں کے لئے اور تا قیامت آنے والی نسلوں کے لئے مشعل راہ اور ہدایت کا نور چشمہ ہے۔

اب سوال یہ پیدہ ہوتا ہے کہ قرآن کریم کا تعلّق جدید سائنس کی حقیت سے کیسے ہے؟ قرآن کریم تو 1400 سال پہلے نازل ہوا تھا اور جدید سائنس کی حقیقتیں تو انسانوں کو بعد میں جاننے کو ملی ہے اور کچھ حقیقتیں تو پچھلے دو, تین یا چار سو سال پہلے انسانوں کو جاننے کو ملی ہیں۔

مگر یہ حقیقت ہے کہ آج کے دور کی جدید سائنس کی بیشتر معلومات قرآن کریم میں پہلے سے ہی موجود ہیں۔ کیسے؟ اس کے جواب میں تو تفصیل میں جانا پڑیگا۔ مگر اس چھوٹے مقالے میں مختصر طور پر اس پر روشنی ڈالنے کی کوشش کر رہا ہوں۔

فرانس کے ایک مصنف ڈاکٹر مورس بکایل نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے

The Bible, The Quran and Science

(By: Dr. Maurice Buccaille)

اس کتاب کے کئی زبانوں میں ترجمے ہو چکے ہیں۔ میں نے یہ کتاب انگریزی اور گجراتی میں پڑھی بھی ہے اور اس کے مصنف ڈاکٹر مورس بکایل سے ذاتی طور پر ملاقات بھی کی ہے, جب وہ 1983 میں ابوظبی حکومت کی دعوت پر وہاں تشریف لائے تھے اور بعد میں میں نے ان کے ساتھ خط و کتابت بھی کیا ہے۔ میرے پاس ان کی انگریزی کی کتاب اور اس کے گجراتی ترجمے ان کے آٹوگراف کے ساتھ آج بھی موجود ہیں۔

کتاب کے مصنف نے اپنی کتاب میں یہ بتایا ہے کہ بائبل میں جو بتایا گیا ہے اس مواد کا آج کے سائنسی حقایق سے اتفاق نہیں ہوتا, مگر قرآن کریم میں جو مواد ہیں وہ آج کے جدید سائینسی حقایق سے بالکل اتفاق کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں جو حقایق بتائے گئے ہیں اس کے بارے میں مصنف نے جدید سائنس کی کئی شاخوں کے حوالے سے ان حقایق کو قرآن کریم کی آیتوں سے ثابت کیا ہے کہ یہ حقایق آج کی جدید سائئنسی معلومات سے اتفاق کرتے ہیں۔

اس کتاب میں مصنف نے بہت سے جدید سائینسی حقایق کا حوالہ دے کر یہ ثابت کیا ہے کہ یہ حقایق قرآن کریم کی آیاتوں کے مطابق ہیں۔ قارئین کی معلومات کے لئے نیچے صرف 5 ایسے جدید سائینسی حقایق, جو اس کتاب میں دیے گئے ہیں, ان کی مختصر تفصیل قرآن کریم کی آیتوں کے حوالے سے دی جاتی ہے

جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق یہ کائنات پہلے دھویں Smoke کی شکل میں تھی اور بہت ہی بڑے دھماکے Big Bang کے بعد یہ کائنات وجود میں آئی ہے۔ قران کریم سے حوالہ, سُورَۃُ الاَنبیَاء آیات 30 اور سُورَۃُ حٰمٓ السجدۃ آیات 11۔ جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق یہ کائینات مسلسل وسیع ہوتی جا رہی ہے۔ قران کریم سے حوالہ, سُورَۃ الذّاریَات آیت 47۔ جدید سائنس کی تحقیق کے مطابق ہر جاندار پانی سے پیدا کے گئے ہیں۔ قران کریم سے حوالہ, سُورَۃُ النُّور آیت 45

حاملہ عورت کے پیٹ میں بچہ کس طرح شکل اختیار کرتا ہے یہ حقیقت 1400 سال پہلے کسی کو پتہ نہ تھی۔ قرآن کریم میں یہ حقیقت, جو آج کے جدید سائنس کے حقایق کے مطابق ہے, اس کی تفصیل قرآن کریم کی سُورَۃ المؤمنون

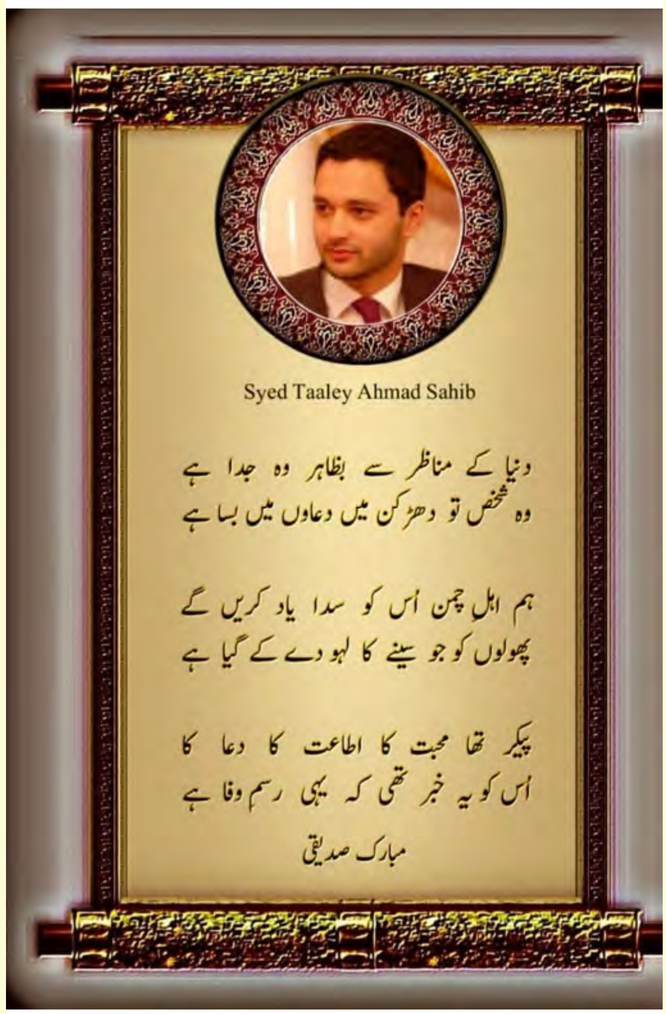
کی آیت 13,12 اور 14 میں بتائی گئی ہے۔

جدید سائینس کی تحقیق کے مطابق شہد Honey انسانوں کے لئے بیماری میں بہت ہی فایدہ مند ثابت ہوا ہے۔قران کریم سے حوالہ سُورۃُ النّحل آیت 68 اور 69 جس میں شہد کو شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ یعنی انسانوں کی شفا بتایا گیا ہے۔

قرآن کریم میں آج کے دور کے کون سے سائنسی انکشافات بتائے گئے ہیں یہ جاننے کے لئے مسلمانوں کو یہ کتاب ضرور پڑھنی چاہیے تاکہ وہ جان سکے کہ یہ آسمانی کتاب میں وہ راز بتائے گئے ہیں جن کے بارے میں انسانوں کو 1400 سال پہلے کوئی علم نہ تھا۔

اللہ تمام مسلمانوں کو قرآن کریم کو سمجھنے اور عمل کرنے کی توفیق عطا کرے

آمین



شان وطن



منیر احمد باجوہ

اے وطن ہے اونچی شان　تیری سب دنیا کے درباروں میں
ہم شہری نہیں ہیں فقط تیرے شامل ہیں تیرے معماروں میں
مارچ کی تئیس تاریخ تھی اور سن اُنیس سو چالیس
قائد کی زیرِ صدارت ہوا فیصلہ جانثاروں میں
قراداد متفقہ پاس ہوئی بنیاد تِرے بنانے کی
لکھی تھی ظفراللہ خان نے جو، وفادار تھا وفا شعاروں میں
رَگ رَگ میں تیری محبت ہے سانسوں میں رَچی ہے خوشبو تیری
ہرروز عنادل گاتے ہیں کیا نغمے تیرے گلزاروں میں
مولا نے اپنی قدرت سے اَن گنت خزانے تجھ کو دیئے
یاں سونے چاندی کے گوہر　ہیں دفن تیرے کوہساروں میں
اُس ہاتھ کے ٹکڑے کر دینگے اُٹھے جو تجھے مٹانے کو
تیرا دشمن سدا نا کام رہے مَرے حسرت سے ارمانوں میں
سائنس ہو فوجی خدمت ہو یا کھیتوں کی ہریالی ہو
تیری شان اقوامِ عالَم کے رکھیں گے بالا خانوں میں
جب تجھ پر مشکل وقت آئے ہم جان بھی تجھ پر واریں گے
کل بھی ہے پرکھا تو نے ہمیں، ہیں آج بھی تیرے دیوانوں میں
یہ عہد تجھی سے کرتے ہیں تیرا نام کرینگے ہم روشن
جیسا کہ منیؔر کِیا ہم نے سب دنیا کے ایوانوں میں



مباحثہ مُدّ اور رسالہ اعجاز احمدی

چودھری عبدالرحمٰن شاکر

موضع مُدّ ضلع امرتسر کا ایک چھوٹا سا گاؤں تھا۔ وہاں پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مخلص صحابی میاں محمد یوسف صاحب ہوئے ہیں۔ چونکہ ان کے والد پشاور کی طرف تحصیلدار رہتے تھے۔ لہٰذا عرصہ سے ان کا دوسرا وطن مردان ہی تھا۔ وہاں پر میاں محمد یوسفؓ صاحب اپیل نویس تھے اور شہر میں اچھے صاحبِ رسوخ تھے۔ یہ تین بھائی تھے دوسرے کا نام اب یاد نہیں۔ تیسرے کا نام محمد یعقوب تھا۔ تینوں احمدی تھے۔

اس گاؤں کے اکثر لوگ مذہبی بات چیت کرتے رہتے اور حضرت اقدس کی پیشگوئیوں کو سامنے رکھ کر مذاق اڑایا کرتے تھے۔ ایک دفعہ میاں محمد یوسفؓ صاحب لاہور سے اپنے وطن مُدّ کو جا رہے تھے تو ان کے ایک غیر احمدی دوست احمد علی صاحب بھی ہمراہ تھے۔ باتوں باتوں میں احمد علی صاحب نے تجویز کیا کہ کیوں نہ احمدیوں اور غیر احمدیوں کا تبادلہ خیال ہو جائے اور لوگ خود ہی سمجھ لیں گے کہ حق کس طرف ہے۔ انہوں نے وعدہ کیا کہ وہ مولوی ثناء اللہ صاحب کو لائیں گے اور بات طے ہو گئی۔

میاں محمد یوسفؓ صاحب قادیان گئے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ سلسلہ کے کسی عالم کو بھجوایا جائے۔ حضورؑ نے میاں صاحب کو سمجھایا کہ ایسے مناظروں سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ مگر میاں صاحب نے اصرار کیا کہ کسی موزوں آدمی کو بھجوائیں۔ لہٰذا حضور نے مولانا سرور شاہؓ صاحب کو حکم دیا کہ وہ جائیں اور اپنے ہمراہ مولوی عبداللہ صاحب کشمیری کو بھی لے جائیں۔ اس پر میاں صاحب اس وقت تک حضور کی تمام شائع شدہ تصنیفات لے کر اپنے گاؤں چلے گئے۔

یہ مباحثہ موضع مُدّ کے ایک بڑے درخت کے نیچے مورخہ 29۔30/ اکتوبر کو ہوا۔ سامعین کے لئے چٹائیاں بچھا دی گئیں تھیں۔ جماعت احمدیہ کی طرف سے صرف تین اصحاب اور غیر احمدی اصحاب تقریباً 300 موجود تھے۔

دوپہر کے کھانے کے وقفہ میں میاں صاحب کے مکان سے ملحق باغ میں جناب مولوی سرورؓ شاہ صاحب بیٹھے تھے کہ اس گاؤں کا ایک شریف طبع لوہار وہاں آیا اور کہنے لگا کہ میں ان مولویوں کی باتیں سن کر آیا ہوں میرا اندازہ ہے اب نماز کے بعد مناظرہ نہیں بلکہ فساد ہو گا۔ مولانا سرور شاہؓ صاحب نے فوراً ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ رب العزت میں دُعا کی۔ خیر دو دن مباحثہ جاری رہا۔ حضرت مولوی صاحب واپس قادیان پہنچے تو حضور نے شام کی مجلس میں تمام حالات تفصیل سے سنے۔ اور پھر دس بارہ دن تک ہر مجلس میں یہ مباحثہ آتا رہا۔

مورخہ 7 نومبر 1902 کو حضور بٹالہ تشریف لے گئے۔ تو کچہری میں میاں محمد یوسفؓ بھی آئے ہوئے تھے۔ ان کو دیکھ کر حضور نے فرمایا!

’’آپ ایک دینی جہاد کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اس کی جزا دے گا۔ میں نے ایڈیٹر الحکم کو حکم دے دیا ہے کہ وہ سارا مباحثہ چھاپ دیں۔ جو زائد کاپیاں آپ کو مطلوب ہوں ان سے لے لیں۔ زائد اخراجات آپ کو برداشت نہیں کرنے پڑیں گے اور ثواب بھی ہو گیا۔ آپ دیکھتے رہیں کہ اللہ تعالیٰ جلدی اس سلسلہ کو پھیلا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا ہے کہ اس سلسلہ کو دنیا میں پھیلائے۔‘‘

(اخبار الحکم 10 نومبر 1902)

مباحثہ مُدّ میں مولوی ثناء اللہ صاحب نے تین باتیں خاص طور پر کہی تھیں۔

1۔ مرزا صاحب کی تمام پیشگوئیاں جھوٹی نکلیں۔



1 تحریک آزادی پاکستان میں جماعت احمدیہ کا شاندار کردار

جماعت احمدیہ نے قیام پاکستان میں مسلمانوں کی نہ صرف علمی و نظری رہنمائی کی بلکہ انکے حقوق کے تحفظ کے لئے ہر ممکن کوشش کی۔ اور ھندو کانگریس کے پلیٹ فارم سے اٹھنے والی ہر تحریک شدھی، ترک موالات اور ہجرت وغیرہ کے نقصانات سے بروقت آگاہ کیا۔ اور انکی ہر سازش کا موثر جواب دیا۔ ان خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے اخبار ’’مشرق‘‘ نے لکھا۔

’’جتنے فرقے مسلمانوں میں ہیں سب کسی نہ کسی وجہ سے انگریزوں یا دوسری قوموں سے مرعوب ہو رہے ہیں صرف ایک احمدی جماعت ہے جو قرون اولی کے مسلمانوں کی طرح کسی فرد یا جمعیت سے مرعوب نہیں ہے اور خاص اسلامی کام سرانجام دے رہی ہے‘‘

(اخبار مشرق گورکھپور 23 ستمبر 1927)

2۔ وہ مباہلہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔

3۔ رسالہ اعجاز المسیح کوئی معجزہ نہیں ہے۔ میں اگر چاہوں تو ایسی کتاب لکھ سکتا ہوں۔

حضور علیہ السلام نے مولوی ثناء اللہ صاحب کی زائد اور خارج از موضوع باتوں کو چھوڑ کر انہی تینوں باتوں کا جواب دینے کے لئے رسالہ اعجاز احمدی لکھنے کا ارادہ فرمایا۔ آپ نے 8 نومبر 1902 سے شروع کر کے 12 نومبر تک ختم کر لیا کل 77 صفحات ہیں 38 صفحے اردو کے اور باقی 39 صفحے ایک فصیح و بلیغ عربی نظم ہے۔ جس کے کل 533 اشعار ہیں۔ نیچے ہر شعر کا اردو ترجمہ بھی دیا گیا ہے۔ اس نظم کی مثل لانے کے لئے حضور نے (1) مولوی ثناء اللہ صاحب (2) پیر مہر علی شاہ صاحب (3) مولوی اصغر علی روحی صاحب پروفیسر اسلامیہ کالج لاہور (4) شیعہ مجتہد مولوی علی حائری صاحب (5) مولوی محمد حسین بٹالوی اور (6) قاضی ظفر الدین صاحب پروفیسر عربی و فارسی اورینٹل کالج لاہور (جو عربی رسالہ نسیم الصبا کے ایڈیٹر بھی تھے۔) کو خاص طور پر مخاطب کیا اور ساتھ ہی دس ہزار روپے کا انعام بھی رکھا جو صاحب جواب لکھیں گے ان کو دیا جائے گا۔ جواب دینے کے لئے حضور نے 10 دسمبر 1902ء آخری حد مقرر فرمائی۔

کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ سلطان القلم کے مقابلہ میں آتا۔ ہاں قاضی ظفر الدین صاحب نے چند اشعار لکھے ہی تھے کہ طاعون سے ہلاک ہو گئے۔ یہ چیلنج آج بھی خدا کے فضل سے قائم ہے اور رہتی دنیا تک قائم رہے گا۔ حضور کو اپنے حق پر ہونے کا اس قدر یقین تھا کہ حضور نے تحریر فرمایا!

''اگر میعاد کے اندر مخالفوں کی طرف سے اس کا جواب مطلوبہ شائع ہو گیا تو میں نیست و نابود ہو گیا اور جماعت کو چاہئے کہ مجھے چھوڑ دے۔''

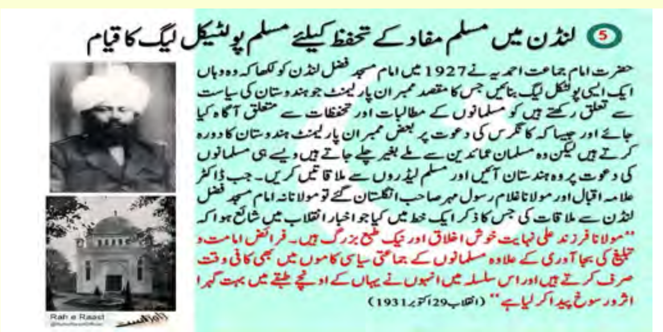
حضور نے مولوی ثناء اللہ صاحب پر حجت تمام کرنے کے لئے 16 نومبر 1902 کو مولانا سرور شاہ صاحب کو امرتسر بھجوایا کہ ان کو رسالہ اعجازِ احمدی دے کر آئیں۔ دیگر تمام احباب کو بھی بذریعہ رجسٹری کتب بھجوا دی گئیں۔ اشتہار انعامی دس ہزار روپے میں حضور نے یہ بھی لکھا تھا کہ مولوی ثناء اللہ صاحب چاہیں تو قادیان آ کر میری ہر ایک پیشگوئی کی تصدیق کر سکتے ہیں۔ آنے جانے کے اخراجات میں ادا کروں گا۔

چنانچہ مولوی ثناء اللہ صاحب بغیر کسی اطلاع کے 10 جنوری 1903ء کو یکا یک قادیان پہنچ کر آریوں کے مندر میں ٹھہرے جو حضرت اقدسؑ کی مخالفت کا اڈہ تھا۔ ظاہر ہے کہ تحقیق حق کے لئے یہ رویہ قطعاً مناسب نہ تھا۔ اور آتے ہی ایک رقعہ بغیر سلام مسنون کے لکھا۔ دراصل مولوی صاحب کو یاد تھا کہ انجام آتھم میں حضورؑ لکھ چکے ہیں کہ آئندہ وہ مباحثات سے مجتنب رہیں گے جو طریق اب مولوی صاحب اپنانا چاہتے تھے وہ لازماً مناظرہ ہو جاتا نیز مولوی صاحب قادیان اس وقت آئے جب حضورؑ مولوی کرم دین کے مقدمہ کے سلسلہ میں جہلم جانے کیلئے تیاری کر رہے تھے یعنی 17 جنوری 1903ء کو وہاں حاضری تھی۔

تاہم حضورؑ نے 11 جنوری کو مولوی صاحب کے رقعہ کا جواب لکھا کہ چونکہ میں قسم کھا کر انجام آتھم میں لکھ چکا ہوں کہ گروہِ مخالفین سے آئندہ مباحثات نہیں کروں گا۔ کیونکہ اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا۔ لیکن اب بھی اگر کوئی طالبِ حق بن کر آئے اور شبہات دور کرانا چاہے تو تیار ہوں۔ یہ چیز مولوی صاحب کے ذہن میں ہرگز نہ تھی۔ لہٰذا مولوی ثناء اللہ صاحب خود ہی واپس امرتسر چلے گئے۔

ایک دفعہ میاں محمد یوسفؓ صاحب قادیان میں اپنے داماد حاجی محمد اسمٰعیل صاحب سٹیشن ماسٹر دارالبرکات کے ہاں مقیم تھے۔ میں حاضرِ خدمت ہوا اور عرض کیا کہ مباحثہ مُدّ کے متعلق بہت کچھ پڑھا ہوا ہے کوئی نئی بات سنائیں۔ فرمانے لگے کہ وہاں کی مسجد میں نے اپنے خرچ سے بنوائی تھی۔ اس مسجد کے





صحن میں چیونٹیوں نے ایک بڑا سا بل بنا لیا۔اس پر کچھ لوگ مذاق کرنے لگے کہ دیکھو یہ بربادی کا نشان ہوتا ہے۔میں نے بہت دوائیں چھڑکائیں مگر کچھ اثر نہ ہوا۔ایک دن تنگ آ کر میں نے بہت دعا کی۔اور دعا کے بعد ان چیونٹیوں سے مخاطب ہو کر بلند آواز سے کہا کہ دیکھو یہ مسجد مسیح موعودؑ اور ان کے مریدوں کی ہے۔تم یہاں سے نکل جاؤ۔

اللہ کی حکمت کہ تین دن میں وہ چیونٹے وہاں سے غائب ہو گئے۔پھر میں خیران لوگوں سے کہا کرتا تھا کہ دیکھو ایک ہی فقرے سے کام بن گیا ہے۔مباحثے کے بعد مُدّ میں طاعون سے تقریباً نصف آبادی ہلاک ہو گئی تو وہاں کی مستورات اکثر کہا کرتی تھیں کہ بعض لوگوں نے خواہ مخواہ مرزا صاحب سے مخالفت کر کے یہ مصیبت گھڑی ہے۔

نوٹ! مجھے اب تک یاد ہے کہ 1922 میں جب قادیان کے غیر احمدیوں نے جلسہ کیا جو ڈاکٹر گوربخش سنگھ کی دوکان کے پیچھے سکھوں کے احاطہ میں ہوا تھا تو مولوی ثناء اللہ دوبارہ قادیان میں آئے اور جلسہ میں اعلان کیا کہ مرزا صاحب کی صداقت کا ثبوت اس طرح مل سکتا ہے کہ ان کی قبر اکھیڑ کر دیکھ لیا جائے اگر تو نعش صحیح سالم ہوئی تو سچے ہوں گے اور اگر نعش خراب ہو گئی ہو تو جھوٹے۔حضرت قاضی امیر حسینؓ صاحب (جو مولوی ثناء اللہ کے استاد بھی تھے) نے اپنے بعض شاگردوں سے کہا کہ مجھے ان کے پاس لے چلو قاضی صاحب بہت ضعیف تھے۔شاگرد سہارا دے کر مولوی صاحب موصوف کی قیام گاہ پر لے گئے۔قاضی صاحب کی آمد کی خبر سن کر وہ دروازے پر آ گئے۔قاضی صاحب نے پنجابی میں کہا ”اوئے ثناء اللہ تینوں شرم نہیں۔کس نوں گالاں کڈدا ایں۔ میں تیرا استاد ایں۔ میں وی مرزا نوں من لیا اے پر توں مخالفت وچ وھدا جاندا ایں۔“

اور مولوی ثناء اللہ ہمہ وقت استاد کے سامنے دم بخود خاموش نگاہیں نیچی کئے کھڑے رہے۔اور ایک لفظ نہ بولے۔حتیٰ کہ قاضی صاحب خود ہی واپس چلے گئے۔میں پاس کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔مولوی ثناء اللہ صاحب اسی مکان میں ٹھہرے تھے جہاں لیکھرام ٹھہرا تھا۔

(ماہنامہ انصار اللہ ستمبر 1978ء)

۞۞۞۞۞۞۞



غزل

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

کُھل گیا رحمت کا در، پھر آ گئے جلسے کے دن
تازہ کھائے ہیں ثمر، پھر آ گئے جلسے کے دن

شمع پر ہونے فدا آئے ہیں پروانے یہاں
مل کے کچھ بیٹھے ہیں گھر، پھر آ گئے جلسے کے دن

ناز کرتی ہے ہوا چلتی ہوئی چاروں طرف
لے کے آئی ہے خبر، پھر آ گئے جلسے کے دن

بعد مدّت کے ہوا دیدار ، پھر دلدار کا
آنکھ اشکوں سے ہے تر پھر آ گئے جلسے کے دن

رحمتیں اتری ہیں گویا ابرِ باراں کی طرح
سب نے لی جھولی ہے بھر، پھر آ گئے جلسے کے دن

ہم نے دیکھے بھی، سنے بھی، اپنے آقا کے خطاب
یوں ہوئے شام و سحر، پھر آ گئے جلسے کے دن

اب تو اندیشہ یہی ہے ختم ہو جائیں نہ یہ
ہیں مبارک اس قدر، پھر آ گئے جلسے کے دن

طارق اب آئیں گے جب سب کو ملائیں گے یہ پھر
ہوں گے کہہ کر ہم سفر، پھر آ گئے جلسے کے دن

۞۞۞۞۞۞۞



مانٹیگو کمیشن کا اعلان اور
3 مسلمانوں کے حقوق کی جدوجہد کا آغاز

ہندوستان کی آزادی کا باضابطہ آئینی مرحلہ 1917 میں برطانوی حکومت کے وزیر ہند مانٹیگو کے اس اعلان سے شروع ہوا کہ وہ ہندوستانیوں کو صرف حکومت میں شریک کرنا نہیں چاہتے بلکہ رفتہ رفتہ ملک کا پورا انتظام انکے سپرد کر دیا جائے گا۔ اس سے ہندوستان کی سیاست میں ہلچل مچ گئی۔ ہندو اکیلے حکومت کرنے کے خواب دیکھنے لگے وہ سمجھتے تھے کہ انگریز نے ہم سے ہی معاملہ طے کرنا ہے۔ مسلم لیگ کا اس وقت کوئی اثر و رسوخ نہ تھا۔ چنانچہ امام جماعت احمدیہ دہلی تشریف لے گئے اور سر محمد ظفر اللہ خانصاحب نے جماعت احمدیہ کے وفد کی طرف سے مسٹر مانٹیگو کو ایڈریس پیش کیا اور سیلف گورنمنٹ کے طریق انتقال کے متعلق مشورہ دیا۔ جسکے اہم نکات یہ تھے 1۔انتخاب میں کوئی ایسا طریق نہ رکھا جائے کہ قلیل التعداد جماعتیں نقصان میں رہیں 2۔حقوق و فرائض کے معاملات میں یورپین اور غیر یورپین کے فرق کو ختم کیا جائے 3۔اندرونی اختلافات سے قطع نظر جماعت احمدیہ تمام مسلمان فرقوں کے ساتھ رہے گی۔

افغانستان میں ایسا کیوں ہو رہا ہے؟؟؟؟ (رجل خوشاب)

افغانستان کی سرزمین اللہ کی نظر سے گر چکی ہے۔ جہاں ایک معصوم کا خون بہایا گیا۔ جب تک یہ ریاست۔ یہ قوم اللہ سے اجتماعی طور پہ اپنے بڑوں کے اس ظلم پہ معافی نہیں مانگے گی۔

افغانستان میں امن نہیں ہوگا۔ اور آٹے میں گھن بھی پستا رہے گا۔ اور یہی اٹل تقدیر ہے اور یہی اللہ کے سچے مہدی کی سچائی کا ثبوت۔

وہ قوم۔ وہ ملت۔ وہ خطہ جہاں جہاں بھی ظلم اور ناانصافی اور اللہ کے مہدی کا انکار ہوتا ہے وہاں قرآن کے مطابق اللہ کا عذاب آتا ہی رہتا ہے

حضرت صاحبزادہ عبداللطیف صاحب شہید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا واقعہ دیکھیں تو حضرت مسیح موعودؑ نے ان کی شہادت کے متعلق تحریر فرمایا کہ جب مقتل پر پہنچے تو شاہزادہ مرحوم کو کمر تک زمین میں گاڑ دیا اور پھر اُس حالت میں جب کہ وہ کمر تک زمین میں گاڑ دیئے گئے تھے امیر اُن کے پاس گیا اور کہا کہ اگر تو قادیانی سے جو مسیح موعود ہونے کا دعویٰ کرتا ہے انکار کرے تو اب بھی میں تجھے بچا لیتا ہوں۔ اب تیرا آخری وقت ہے اور یہ آخری موقعہ ہے جو تجھے دیا جاتا ہے اور اپنی جان اور اپنے عیال پر رحم کر۔ تب شہید مرحوم نے جواب دیا کہ نعوذ باللہ سچائی سے کیونکر انکار ہوسکتا ہے اور جان کی کیا حقیقت ہے اور عیال واطفال کیا چیز ہیں جن کے لئے میں ایمان کو چھوڑ دوں۔ مجھ سے ایسا ہرگز نہیں ہوگا اور میں حق کے لئے مروں گا۔

دے چکے دل اب تن خاکی رہا
ہے یہی خواہش کہ ہو وہ بھی فدا

''تب قاضیوں اور فقیہوں نے شور مچایا کہ کافر ہے۔ کافر ہے۔ اس کو جلد سنگسار کرو۔ اُس وقت امیر اور اس کا بھائی نصراللہ خاں اور قاضی اور عبدالاحد کمیدان یہ لوگ سوار تھے اور باقی تمام لوگ پیادہ تھے۔

جب ایسی نازک حالت میں شہید مرحوم نے بار بار کہہ دیا کہ میں ایمان کو جان پر مقدم رکھتا ہوں۔ تب امیر نے اپنے قاضی کو حکم دیا کہ پہلا پتھر تم چلاؤ کہ تم نے کفر کا فتویٰ لگایا ہے۔ قاضی نے کہا کہ آپ بادشاہ وقت ہیں آپ چلاویں۔ تب امیر نے جواب دیا کہ شریعت کے تم ہی بادشاہ ہو اور تمہارا ہی فتویٰ ہے۔ اس میں میرا کوئی دخل نہیں۔ تب قاضی نے گھوڑے سے اُتر کر ایک پتھر چلایا۔ جس پتھر سے شہید مرحوم کو زخم کاری لگا اور گردن جھک گئی پھر بعد اس کے بدقسمت امیر نے اپنے ہاتھ سے پتھر چلایا۔ پھر کیا تھا اس کی پیروی سے ہزاروں پتھر اس شہید پر پڑنے لگے اور کوئی حاضرین میں سے ایسا نہ تھا جس نے اس شہید مرحوم کی طرف پتھر نہ پھینکا ہو۔ یہاں تک کہ کثرت پتھروں سے شہید مرحوم کے سر پر ایک کوٹھہ پتھروں کا جمع ہوگیا............ بیان کیا گیا ہے کہ یہ ظلم یعنی سنگسار کرنا 14 جولائی 1903ء کو وقوع میں آیا''۔

(تذکرۃ الشہادتین روحانی خزائن جلد نمبر 20: صفحہ: 54 تا 59)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اس واقعہ کا فارسی نظم میں ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

آں جواں مرد وحبیبِ کردگار　　جوہر خود کرد آخر آشکار
بیں کہ ایں عبداللطیف پاک مرد　　چوں پئے حق خویشتن برباد کرد
جاں بصدق آں دلستاں را دادہ است　　تا کنوں در سنگہا افتادہ است
ایں بود رسم و رہِ صدق ووفا　　ایں بود مردانِ حق را انتہا

یعنی وہ جواں مرد اور رب کریم کا محبوب تھا۔ اس نے اپنے پوشیدہ خداداد جوہر کو خوب ظاہر کر دیا۔ دیکھو دیکھو اس پاک وجود عبداللطیف نے اپنے مولا اور حق وصداقت کی خاطر قربانی دے دی اور اُس وجود نے صدق اور سچائی کے ساتھ اپنی جان جانِ آفریں کے سپرد کر دی تھی تو اس نے اپنے آپ کو اس طرح پر سنگساری کے پتھروں کے سپرد کر دیا۔ یہی صدق ووفا کے راستہ کی رسم ہے اور مردانِ حق کا انتہائی مقام یہی ہوتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے آپ کے متعلق فرمایا:۔

''اے عبداللطیف تیرے پر ہزاروں رحمتیں کہ تو نے میری زندگی میں ہی اپنے صدق کا نمونہ دکھایا''۔

احرار اور تحریک ختم نبوت کی تخریبی سرگرمیاں اور تاریخی پس منظر



تلخیص وترتیب: شہزادہ قمرالدین مبشر۔گلاسگو سکاٹ لینڈ

پاکستان کی تاریخ میں مجلس احرار جو کہ بعد میں تحریک تحفظ ختم نبوت کے نام سے نمودار ہوئی یہ ایک سیاسی جماعت تھی ،جس نے مذہبی لبادہ اوڑھا ہوا تھا اور آغاز سے ہی مسلمانوں کے سیاسی مفاد کے خلاف ہندو کانگریسی مہاتما گاندھی اور پنڈت جواہر نہرو کے اجیر اور ہمدرد رہے۔تقسیم ہندو پاک سے پہلے یہ لوگ سُرخ وردی پہن کر اور کندھوں پر تبریں رکھ کر کانگرس کی حمایت میں بازاروں میں جلوس نکالا کرتے تھے اور اپنے مظاہروں سے امن پسند مسلمانوں کو مرعوب کرتے تھے۔اس کا اجر اور معاوضہ بھارت کی ہندو کانگریس سے حاصل کرتے ۔اس دوران اگر کسی سیاسی لیڈر کو ان کی خدمات کی ضرورت پڑتی تو اس سے اجرت چکا کر اس کی طرفداری اور حمایت میں اس کے مقابل فریق کے شرفاء کی پگڑیاں اچھالا کرتے ۔مسلمانوں کے عملی مفاد کے مقابلہ میں یہ ہمیشہ ہندو کانگرس کا ساتھ دیتے اور ان کے گن گاتے ۔ ہندو آقاؤں کو خوش کرنے کی غرض سے مسلم لیگ سے عداوت رکھتے اور محترم قائداعظم محمد علی جناح جیسے بےلوث مسلم لیڈر اور محسن پاکستان کے سخت خلاف رہے۔کہتے تھے کہ یہ قائداعظم نہیں بلکہ کافراعظم ہے۔جب تک ہم موجو ہیں پاکستان کی ’’پ‘‘ بھی نہ بنا سکے گا۔نہ ہی ہم بننے دیں گے مگر وہ کام جس میں خدا تعالیٰ کا ارادہ ہو بھلا خدا کے کاموں اور ارادوں کو کون روک سکتا ہے۔پاکستان معرض وجود میں آ گیا۔قائداعظم پاکستان کی تعمیر میں کامیاب ہوئے۔

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ سورۃ عمران آیت نمبر 29 میں فرماتا ہے۔

یعنی ایک شخص مومن ہو کر مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کا ہمدرد اور ساتھی نہیں ہوسکتا اور جو اس کی خلاف ورزی کا مرتکب ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے کسی حسن سلوک کی توقع نہ رکھے۔اگر احرار کوئی خدا ترس گروہ ہوتا تو وہ اپنے گریبانوں میں منہ ڈال کر سوچتے کہ وہ مسلمانوں کی جماعت کو چھوڑ کر مشرک کانگریس کا ساتھ کیوں دیتے اور ان کا یہ فعل خدا تعالیٰ کے نزدیک کس حد تک ناپسندیدہ ہے کہ وہ کانگرس کے اجیر بنتے رہے جبکہ ہندو کانگریس یقیناً امت مسلمہ کی دُشمن اور بدخواہ ہے۔وہ مسلمان کہلا کر قائداعظم جیسے مخلص اور ہمدرد مسلمان لیڈر کو کس جرم میں کافراعظم کہتے رہے۔اور مسلمانوں کی خداداد حکومت پاکستان کو کس زبان سے پلیدستان کہتے رہے۔تاریخ کے اوراق ان تمام باتوں کے گواہ ہیں ۔ برطانیہ میں پیدا ہونے والی نئی نسلوں کو شاید ان تاریخی حقائق کا علم نہ ہو لیکن انگلستان میں پرانے رہنے والے بزرگوں اور تعلیم یافتہ طبقہ اور صحافی برداری جن کی تاریخی کتب پر گہری نظر ہوتی ہے۔ان تمام باتوں کو اچھی طرح جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔یہ تمام تاریخی حقائق تمام دنیا میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔گاہے بگاہے یہ باتیں عوام کے سامنے آنی چاہئے۔بحرحال باوجود ان تمام سیاہ نامہ اعمال کے وہ الٹا جماعت احمدیہ کو پاکستان کا غدار کہتے ہیں جنہوں نے ہمیشہ ہمیش مسلم لیگ اور قائداعظم کا ساتھ دیا۔فسادات پنجاب میں ظالم سکھوں کا مقابلہ صرف اسی جماعت نے کیا اور بلاتمیز عقیدہ ہر طرح کی مدد مسلمانوں کو دی اور کشمیر کے جہاد میں احرار اور مولانا مودودی صاحب کی طرح گھر میں بیٹھے نہیں رہے، بلکہ کشمیر کے جہاد میں پانچ صد جوان فرقان فورس کے نام سے مقابلہ کرتے رہے۔کیا یہ جماعت احمدیہ کی وفاداری کا ثبوت نہیں؟

جماعت احمدیہ کی وفاداری کا اظہر من الشّمس ثبوت یہ ہے کہ جماعت احمدیہ کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیرالدین محمود احمد صاحب اور چوہدری محمد ظفراللہ خان صاحب پاکستان کے وجود میں آنے سے قبل قائداعظم کی ہر طرح مدد کرتے رہے اور کئی ماہ تک دہلی اور شملہ میں ساتھ رہ کر دن رات ان کے مشیر رہے اور تقسیم پاک وہند میں نہایت دیانتداری سے ان کا ہاتھ بٹاتے رہے۔

تحقیقاتی عدالت کی رپورٹ میں جج صاحبان نے اس بات کا اعتراف کیا مگر احرار اس دوران کہاں تھے اور کیا کر رہے تھے۔بس وہ یہی کہتے پھرتے تھے کہ پاکستان کی ’پ‘ بھی ہم بننے نہ دیں گے۔

آج یہ بات کون کہہ سکتا ہے کہ پاکستان انہوں نے بنایا حالانکہ احرار جماعت احمدیہ اور چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کی اس لئے مخالفت کرتے رہے کہ انہوں نے قائداعظم کا ساتھ دیا۔احراریوں نے عملاً حصہ کیوں نہیں لیا۔جماعت احمدیہ کے بارے میں پراپیگنڈہ ہوتا رہا کہ احمدی جہاد کے قائل نہیں۔احمدی پاکستان کے خیر خواہ نہیں۔مارچ 1953ء میں مجلس احرار کے شر پسند لیڈروں نے مولانا مودودی صاحب کو ساتھ ملا کر تحفظ ختم نبوت کا ڈھونگ رچا کر پاکستان کے اندر بغاوت پیدا کی۔عامۃ الناس کو گمراہ کیا اور فساد کیلئے اکسایا۔لاہور کی مسجد وزیر خاں میں اپنا ہیڈ کوارٹر مقرر کیا۔مولوی عبدالستار نیازی قائد بغاوت بنے۔احرار کی متوازی حکومت قائم کی اور احراریوں نے پاکستان مردہ باد کے نعرے لگائے اور حکومت کی لاریاں اور بسیں جلائیں۔ڈاکخانوں کو لُوٹا اور ریلوے سٹیشنوں پر حملہ کیا اور ریلوے لائنوں کو اکھاڑا۔سرکاری افسران کو قتل کیا۔بے گناہ شہریوں کے مکانوں کو آگ لگائی۔

اس تخریب کا نام تحفظ ختم نبوت رکھا۔بعد اس کو تحفظ ختم نبوت یا احمدیت کی مخالفت سے کیا تعلق تھا۔بجز اس کے کہ احرار اور مولانا مودودی پاکستان کو پھولتا پھلتا دیکھ نہ سکتے تھے۔مولانا مودودی صاحب اور مولوی عبدالستار نیازی گرفتار ہوئے اور باغی قرار دے کر انہیں پھانسی کا حکم سنایا گیا۔

جب حکومت پاکستان کے دانشمند حکمرانوں نے مارشل لاء لگایا اور مظلوموں کی داد و فریاد سن کر فرشتے ان کی مدد کو آئے تو مولوی نیازی صاحب نے مسنون داڑھی کو مع موچھوں کے اُتار پھینکا اور مسجد وزیر خاں سے مردہ بنا کر باہر لائے گئے اور زنانہ بھیس بدل کر بھارت کی طرف بھاگے مگر قصور کے راستے میں گرفتار ہو کر سرکاری مہمان خانہ میں رکھے گئے۔

اسی طرح احرار سندھ کے صدر مولوی غلام غوث ہزاروی بھی زنانہ لباس پہن کر برقعہ اوڑھ کر لاہور سے علاقہ غیر میں جا پہنچے۔جن ارا کین حکومت پنجاب کی بد انتظامی سے حکومت پاکستان خطرے میں پڑ گئی تھی یعنی خواجہ ناظم الدین وزیراعظم پاکستان عبدالرب نشتر، مسٹر چندریگر گورنر پنجاب دولتانہ وزیر اعلیٰ پنجاب وغیرہ وغیرہ حکومت سے گر کر خاک مزلت پر جا بیٹھے اور جو لوگ پاکستان میں اس غرض سے گڑبڑ مچا رہے تھے کہ کوئی میاں غلام محمد صاحب کی جگہ صدر مملکت بن جائے گا ،کوئی خواجہ ناظم الدین کی جگہ وزیراعظم بن جائے گا،کوئی ظفر اللہ خاں وزیر خارجہ کی جگہ وزیر خارجہ بن جائے گا۔وہ یہ خواب دیکھتے ہی رہے مگر ان کی یہ خوابیں شرمندہ تعبیر نہ ہوئیں جیسا کہ کسی شاعر نے کہا۔

پھرتے ہیں میر خوار کوئی پوچھتا ہی نہیں

اگر سر ظفر اللہ خاں صاحب نے وزارت خارجہ اختیار کی تھی تو یہ خدمت خود پاکستان کے محسن اعظم قائداعظم محمد علی جناح نے ان کے سپرد کی تھی اور جس نے پاکستان کی عزت کو چار چاند لگا دیئے، پر اسلامی ملک کی آزادی میں مخلصانہ مدد دی اور اقوام عالم میں پاکستان کو بلند مقام پر کھڑا کیا۔خدا تعالیٰ نے وزارت خارجہ سے اُٹھا کر عالمی عدالت کا جج بنا دیا۔کہاں سے کہاں تک پہنچا دیا وہاں پہنچا جہاں دُشمن اس کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے تھے۔

جب حکومت پاکستان نے لیڈران احرار کی ناقابل برداشت حرکات دیکھیں تو ان پر زبان بندی کا فرد جرم لگا دیا گیا اور مجلس احرار کو خلاف قانون قرار دیا۔لیڈران احرار بھیس بدل کر نئی نئی جماعتیں قائم کرنے لگے۔کچھ عوامی لیگ میں داخل ہو گئے اور کچھ جمیعتہ العلماء اسلام کے نام سے نمودار ہوئے۔حکومت کے بعض نادان دوستوں کی وجہ سے جب ان کو آزادی مل گئی تو انہوں نے سرحد کو اپنا میدان عمل مقرر کیا۔ضلع پشاور سے تخریبی کاروائی شروع کی اور اپنے پروگرام میں مردان، کوہاٹ اور خصوصاً ڈیرہ اسماعیل خان کو مقدم رکھا تا کہ مارچ 1953ء کی





ناکام بغاوت کو سرحد میں پھیلایا جائے اور قبائل کو بھی تخریبی عمل میں شریک کیا جائے۔ چنانچہ گل بادشاہ صدر جمیعۃ العلماء اسلام مردان شمالی وزیرستان اسی غرض سے پہنچا۔ اپنے اجلاسوں کا نام تبلیغی کانفرنس رکھا۔ جگہ بہ جگہ پھر کر اس تحریک کو ہوا دیتے رہتے اور تقریروں میں اشتعال انگیزی اور خون ریزی کا پرچار کرتے رہے۔ جماعت احمدیہ کے خلاف نفرت اور اشتعال پھیلایا اور احمدیوں کے قتل کے فتوے دیئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ صاحبزادہ علی اکبر خاں کے حجرے میں بم پھٹا۔ صاحبزادہ سیف الرحمن خاں کے مکان کے دروازے کو آگ لگائی گئی۔ مسلح بدمعاشوں نے گلی کوچوں میں چکر لگائے۔ احمدیوں کو گالیاں دیں مگر احمدی نوجوانوں نے صبر سے کام لیا۔ اگر اپنے امام کے حکم کے ماتحت وہ صبر سے کام نہ لیتے تو وہ بھی اس قسم کا جواب دے سکتے تھے۔ میرے اس مضمون کو پڑھنے کے بعد اگر آپ کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ آخر احرار کی یہ سرگرمیاں کیوں تھیں تو میں خود ہی بتا دیتا ہوں کہ جب کبھی حکومت پاکستان کشمیر میں رائے شماری کا مطالبہ کرتی تھی تو احرار باہر سے اشارہ پا کر پاکستان میں گڑبڑ مچانا شروع کر دیتے تھے تاکہ مسلمان مل کر یکسو ہو کر مطالبہ کشمیر میں کامیاب نہ ہو سکیں۔ چنانچہ جب 1957ء میں اقوام عالم کی سلامتی کونسل میں مسئلہ کشمیر درپیش تھا تو لیڈران احرار جو آج اس وقت مختلف جمعیتوں میں تقسیم ہیں کچھ جماعت اسلامی میں اور کچھ تحریک تحفظ ختم نبوت کے نام سے نمودار ہوئے، جو مسلم لیگ اور قائداعظم کے بدترین دُشمنوں میں شمار ہوتے تھے میدان میں نکل آئے اور تبلیغی کانفرنسیں شروع کر دیں۔ انتشار، پریشانی پھیلانا شروع کر دیا تاکہ پنڈت نہرو خوش ہوں اور بھارت کے دربار سے خیرات مل جائے۔ آپ یقین رکھیں کہ کوئی احراری یا مذہبی لیڈر کوئی ختم نبوت کا پروانہ کبھی میدانِ جنگ میں نہیں گیا اور نہ کبھی جائے گا۔ پہلے کی طرح آج کا مولوی بھی جو کہتا ہے کرتا نہیں۔ آخر میں خاکسار بڑے ادب سے حکومت برطانیہ اور حکومت پاکستان کو متوجہ کرتا ہے کہ وہ انصاف اور عدل سے کام لیتے ہوئے تحریک تحفظ ختم نبوت والوں کو ایسی آزادی نہ دیں کہ وہ جماعت احمدیہ یا کسی دوسرے مسلمان گروہ کی قابل احترام ہستیوں کو ناپاک الفاظ یا توہین آمیز کلمات سے یاد کریں۔ یا بے گناہ لوگوں کے قتل اور ایذاءدہی پر عوام کو آمادہ کریں۔ یہ ہندو کانگریس کے ساتھی ہیں اور ان کے اشارہ سے پاکستان کے اندر اور باہر ہمیشہ تخریب اور بغاوت کے مرتکب ہیں۔ تحفظ ختم نبوت کا لایعنی سائن بورڈ سامنے رکھ کر بدامنی اور فساد پھیلاتے ہیں۔

کسی گروہ کی تبلیغ کو جو مدلل اور معقول ہو اور جو شرافت کے ساتھ کی جائے کو روکنا مذہبی آزادی کے خلاف سمجھتا ہوں مگر کسی مسلمان فریق یا کسی مذہب کی قابل تکریم ہستیوں کو ناپاک الفاظ سے یاد کرنا یا ان کی توہین کرنا شرافت اور تہذیب کے خلاف سمجھتا ہوں۔

تحریک تحفظ ختم نبوت والوں کے منہ میں قانون کا لگام دیا جائے اور اخبارات کو بھی ان کی شرپسندی بداخلاقی اور توہین آمیز مراسلات اور نقطہ نظر کو ہرگز شائع نہیں کرنا چاہئے۔ ان امور میں حوصلہ افزائی کی بجائے حوصلہ شکنی کرنی چاہئے۔ اگر ممکن ہو سکتے تو ایسے لوگوں کو اخلاق آداب اور طرز تحریر سیکھنے کی طرف توجہ دلانی چاہئے اور اصلاح معاشرہ کے موضوع پر اخبارات، جرائد میں زیادہ سے زیادہ مضامین کی اشاعت ہونی چاہئے۔ جس کی آج کے زمانہ میں آج کے معاشرہ میں بے حد ضرورت ہے۔ علماء کو چاہئے کہ فرقہ واریت مذہبی تعصب پیدا کرنے کی بجائے معاشرہ میں کینہ بغض حسد حد سے زیادہ دنیاداری اور دیگر معاشرتی برائیوں کے خلاف جہاد کر کے ایک پرامن ماحول اور بہترین معاشرہ بنانے کیلئے جدوجہد کریں۔ یہی سب سے بڑا نیکی اور ثواب کا کام ہے۔ دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام لوگوں کو نیکی ہدایت اور تقویٰ کی راہوں پر چلنے کی توفیق دے آمین۔





جلسہ سالانہ کے تعلق سے پہلی بار

(امۃ الباری ناصر۔امریکہ)

1892ءء۔پہلی بار جماعت احمدیہ کا جلسہ منعقد ہوا۔

1892ءء۔پہلی بار جماعت احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے لئے حضرت مسیح موعودعلیہ السلام نے اعلان فرمایا۔

1892ء۔پہلی بار حضرت الحاج مولانا نورالدین (خلیفۃ المسیح الاوّل ؓ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلسہ سالانہ میں تقریر فرمائی۔

1892ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ کے دوسرے دن جماعت احمدیہ کی باقاعدہ مجلسِ شوریٰ ہوئی۔

1899ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ کی باقاعدہ رپورٹ حضرت شیخ یعقوب علی عرفانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے شائع کی۔

1905ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ کے موقع ''انجمن کارپرداز مصالح بہشتی مقبرہ'' کا قیام ہوا۔

1906ء۔پہلی بار حضرت صاحبزادہ مرزا بشیرالدین محمود احمد (خلیفۃ المسیح الثانی ؓ) رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر تقریر کی۔

1914ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ مستورات میں حضرت خلیفۃ المسیح الثانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے تقریر فرمائی۔

119419ء۔پہلی بار مستورات کا علیحدہ جلسہ منعقد ہوا۔

1922ء۔پہلی بار خواتین کا جلسہ سالانہ خواتین کے زیر انتظام ہوا۔

1926ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ کے لئے پوسٹر چھپوائے گئے۔

1926ء۔پہلی بار بٹالہ سے قادیان تک کا سفر موٹروں کے ذریعہ طے ہوا۔

1926ء۔پہلی بار لجنہ کی دستکاریوں کی نمائش لگائی گئی۔

1927ء۔پہلی بار خلیفۂ وقت کی حفاظت کا خصوصی انتظام کیا گیا۔

1928ءپہلی بار جلسہ سالانہ کے مہمان ریل گاڑی میں قادیان تشریف لائے۔

1933ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ رمضان المبارک میں ہوا۔

1934ء۔پہلی بار احمدی تجار کی اشیاء کی نمائش لگی۔

1934ء۔پہلی بار لجنہ میں جلسہ گاہ کے انتظام کو شعبہ وار تقسیم کیا گیا۔

1936ء۔پہلی بار لاؤڈ سپیکر استعمال ہوا۔

1938ء۔پہلی بار سیر روحانی کے سلسلے کی تقریر ہوئی۔

1939ء۔لوائے احمدیت پہلی دفعہ 28 دسمبر 1939ء کو لہرایا گیا۔

1939ء۔پہلی بار حضرت صاحبزادہ مرزا ناصر احمد (خلیفۃ المسیح الثالث ؒ) نے جلسہ سالانہ میں تقریر کی۔

1945ء۔پہلی بار لجنہ کی مجلسِ شوریٰ ہوئی۔

1947ء۔پہلی بار قادیان کے جلسہ سالانہ میں امام وقت شریک نہ تھے۔

1948ء۔پہلی بار پاکستانی شرکائے جلسہ کا قافلہ قادیان گیا۔

1949ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ ربوہ میں منعقد ہوا۔

1949ءپہلی بار جلسہ سالانہ کے لئے پاکستان میں اسپیشل ٹرین چلائی گئی۔

1949ءپہلی بار خواتین کے لئے الگ لنگر خانہ بنا۔

1952ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ پر تعلق باللہ کے موضوع پر اور دسمبر 1953ء میں ''سیرِ روحانی'' کی مشہور اور مقبول عام ''نوبت خانے والی'' تقریر ریکارڈ کی گئی۔

1958ء۔پہلی بار حضرت مریم صدیقہ صاحبہ حرم حضرت خلیفۃ المسیح الثانی ؓ نے بحیثیت صدر لجنہ تقریر فرمائی۔

1960ء۔پہلی بار حضرت صاحبزادہ مرزا طاہر احمد (خلیفۃ المسیح الرابع ؒ) نے جلسہ سالانہ میں تقریر فرمائی۔

1965ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے خلافت کے منصب پر فائز ہونے کے بعد جلسہ سالانہ سے خطابات فرمائے فضلِ عمر فاؤنڈیشن فنڈ کا اعلان فرمایا۔اسی ہزار احباب نے شرکت کی۔حضرت اقدس مسیح موعودؑ کا الہام پورا ہوا گیمبیا سے سرایف ایم سنگھاٹے نے برکت کے لئے

حضرت اقدسؑ کا کوئی تبرک مانگا۔

1965ء۔پہلی بار خواتین کو لنگر خانہ کے لئے روٹیاں پکانے کا موقع ملا۔

1965ء۔پہلی بار ریڈیو ٹی وی کے نمائندوں نے جلسہ کا پروگرام ریکارڈ کیا۔ریڈیو نے حضور کا افتتاحی خطاب نشر کیا۔

1973ء۔پہلی بار غیر ملکی مہمان انفرادی طور پر کے بجائے وفود کی شکل میں جلسہ پر آئے۔

1973ء۔پہلی بار غیر ملکی نمائندگان نے جلسہ سالانہ کے اسٹیج سے خطاب کیا۔

1975ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے جماعت احمدیہ انگلستان کے گیارھویں جلسہ سالانہ سے اختتامی خطاب فرمایا۔ انگلستان کی تاریخ میں جلسہ سالانہ میں خلیفۂ وقت کی شمولیت کا پہلا موقع تھا۔

1975ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے جلسہ سالانہ پر علم کی ترقی کے لئے پوری قوم اور جماعت کے ذہین طلبا کے لئے وظیفوں کا اعلان فرمایا

1976ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ امریکہ اور کینیڈا تشریف لائے۔ یہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے کسی بھی خلیفہ کا ان جماعتوں اور ممالک کا پہلا دورہ تھا۔

1976ء۔پہلی بار جلسہ میں احمدی طلباء کو اعلیٰ معیار پر میڈل دیئے گئے۔

1980ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ پر آنے والے غیر ملکی وفود اور مہمانوں کے لئے مختلف زبانوں میں تراجم کا انتظام کیا گیا۔

1981ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ نے جلسہ سالانہ کے موقع پر جماعت احمدیہ کو ان برگزیدہ لوگوں کے نشان کے طور پر جو پیدا ہوئے اور قیامت تک پیدا ہوتے رہیں گے ''ستارہ احمدیت'' عطا فرمایا۔اس ستارے کے 41 کونے ہیں۔ ہر کونے پر اللہ اکبر اور درمیان میں لآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لکھا ہوا ہے۔

1982ء۔پہلی بار صرف بیرونی ممالک کے نمائندگان پر مشتمل مجلسِ شوریٰ ہوئی۔

1984ء۔پہلی بار حکومت پاکستان کی طرف سے اجازت نہ ملنے کی وجہ سے جلسہ منعقد نہ ہوسکا۔

1989ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے امریکہ کے اکتالیسویں جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی۔ یہ جلسہ یونیورسٹی آف میری لینڈ بالٹی مور میں ہوا تھا۔

1991ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الرابعؒ نے قادیان کا تاریخی سفر کیا اور 100ویں جلسہ سالانہ سے خطابات فرمائے۔

1991ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ انگلستان پر خلیفۂ وقت کے خطابات 11 ممالک میں براہِ راست سنے گئے۔ان کا سات زبانوں میں ترجمہ بھی کیا گیا۔

1992ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ انگلستان براہِ راست ٹیلی ویژن پر دکھایا گیا۔

1992ء۔پہلی بار 26 تا 28 دسمبر لندن میں قادیان کے لئے جلسہ ہوا۔

1993ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ لندن کے دوسرے دن 84 ملکوں اور 5 قوموں کے دو لاکھ چار ہزار تین سو آٹھ افراد عالمی مواصلاتی نظام کے ذریعہ حضور رحمہ اللہ کے ہاتھ پر بیعت کرکے جماعت احمدیہ میں شامل ہوئے اور تمام جماعت احمدیہ نے تجدید بیعت کی۔ یہ تاریخ عالم کا پہلا بے نظیر واقعہ ہے۔

1997ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ امریکہ کے بعض پروگراموں کو ''رواں برقی بہاؤ'' (live streaming) کے ذریعے مقامی طور پر دکھایا گیا۔

2000 میں پہلی بار یوکے میں گائے کے منہ کھر کی بیماری کی وجہ سے جلسہ نہ ہوسکا جرمنی کے جلسہ سالانہ کو عالمی جلسہ کی حیثیت دی گئی۔تمام دنیا سے وفود جرمنی آئے۔عالمی بیعت کا انعقاد بھی جرمنی سے ہوا۔

2003ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے اسلام آباد ٹلفورڈ سے 37 (سینتیسویں جلسہ سالانہ میں خطابات فرمائے۔

2003ء پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ جرمنی تشریف لائے۔خطابات فرمائے اور چند مساجد کا افتتاح بھی فرمایا۔

2003ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ فرانس میں شرکت فرمائی اور خطابات فرمائے۔

2003ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ قادیان کے اختتامی اجلاس سے محمود ہال لندن سے خطاب فرمایا اور دعا کروائی۔

2004ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ یوکے کے اختتامی خطاب میں 2008ء تک لازمی چندہ جات ادا کرنے والوں کی 50 فیصد تعداد کو نظام وصیت میں شامل ہونے کی تحریک فرمائی۔

2004ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے مئی میں جلسہ سالانہ ہالینڈ کا افتتاح فرمایا۔

2004ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ جلسہ سالانہ کینیڈا تشریف لائے۔اور خطابات فرمائے یہ جلسہ انٹرنیشنل سینٹر میں منعقد ہوا۔

2004ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ نے سوئٹزرلینڈ کے جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی اور خطابات سے نوازا۔

2005ء۔پہلی بار یوکے کا انتالیسواں جلسہ سالانہ رشمور ایرینا یوکے میں منعقد ہوا۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے خطابات فرمائے۔

2005ء۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے مئی مارکیٹ منہائم میں منعقدہ جلسہ سالانہ جرمنی میں شرکت فرمائی اور خطابات سے نوازا۔

2005ء۔پہلی بار سویڈن میں سیکنڈے نیوین ممالک کا مشترکہ جلسہ ہوا جس میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے شرکت فرمائی اور خطابات سے نوازا۔

2005ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ قادیان تشریف لے گئے اور 114جلسہ سالانہ میں خطابات فرمائے۔

2005ءپہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے تقریباً 10 ملکوں کے جلسوں میں شمولیت کی توفیق ملی جن میں پہلا جلسہ سپین کا تھا آخری قادیان کا۔

2005 حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے ماریشس کے چوالیسویں جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی اور خطابات فرمائے۔

2006ء۔پہلی بار جلسہ سالانہ حدیقۃ المھدی (آلٹن ہمشائر) یوکے میں منعقد ہوا۔جو 208 ایکڑ رقبہ پر مشتمل ہے۔

2006ء۔پہلی بار براعظم آسٹریلیا کا جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔

2006ء۔پہلی بار جرمنی سے جلسہ سالانہ قادیان کے لئے براہ راست خطاب فرمایا۔

2007ء۔پہلی بار مئی میں جماعت احمدیہ البانیہ کا جلسہ سالانہ منعقد ہوا۔

2007ء۔پہلی بار قادیان کے ایک سَوسولہویں جلسہ سالانہ سے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ کے لندن سے خطاب کے دوران قادیان اور یوکے کے مناظر ایک ساتھ دیکھے جاسکتے تھے۔دونوں جلسوں کے سٹیج کے عقبی بینر ایک جیسے تھے

2008ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے گھانا کے جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی یہ جلسہ اس لحاظ سے تاریخی تھا کہ باغ احمد گھانا میں تھا اور حاضری ایک لاکھ سے زائد تھی۔

2008ء۔حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے جماعت احمدیہ نائیجیریا کے اٹھاون ویں جلسہ سالانہ میں رونق افروز ہوئے اور خطابات فرمائے۔

2008ء۔پہلی بار خلافت احمدیہ کی نئی صدی کے آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے امریکہ کے جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی۔اور خطابات فرمائے۔

2008ء۔پہلی بار خلافت احمدیہ کی نئی صدی کے آغاز میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے جلسہ سالانہ کینیڈا میں شرکت فرمائی۔ اسی دورے میں کیلگری کی پندرہ ملین ڈالر سے تیار ہونے والی وسیع وعریض مسجد کا افتتاح فرمایا

2008ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے اکتوبر میں بیت النور نن سپیٹ ہالینڈ کے اٹھائیسواں جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی۔

2008ءپہلی بار جلسہ یوکے کے بارے میں حضور نے فرمایا کہ اسے خود ہی مرکزی حیثیت حاصل ہوگئی ہے۔جلسے میں حاضری چالیس ہزار تھی جس میں 85 ممالک کی نمائندگی تھی۔

2008ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے ملکی حالات کی وجہ سے جلسہ سالانہ قادیان کے لئے سفر کرنے سے منع فرمادیا۔

2010ء۔پہلی بار حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ مسجد بشارت

پیدرو آباد سپین میں جلسہ سالانہ میں شرکت فرمائی۔ سپین میں دوسری مسجد کا سنگِ بنیاد رکھا۔

2018ء۔ پہلی بار قادیان، آسٹریلیا اور ویسٹ کوسٹ امریکہ کا جلسہ ایک ہی دن شروع ہوا۔

2017ء۔ پہلی بار ایم ٹی اے انٹرنیشنل کے تین چینلز کے ذریعے اردو عربی، انگریزی، فرانسیسی اور افریقہ کی بعض لوکل زبانوں کے علاوہ کئی زبانوں میں تراجم کے ساتھ تمام دنیا میں جلسہ سالانہ کے اجلاسات و دیگر پروگراموں کی تشہیر ہوئی۔

2015ء۔ پہلی بار کینیڈا اور امریکہ کے خدام نے یوکے کے خدام سے مل کر جلسے پر ڈیوٹیاں دیں اس طرح یہ ایک بین الاقوامی وقار عمل بن گیا۔

2016ء۔ پہلی بار میڈیا کوریج سے اسلام کا پیغام سَو ملین سے زیادہ افراد تک پہنچا۔

2016ء۔ پہلی بار جلسہ سالانہ یوکے کی نشریات 'ایم ٹی اے انٹرنیشنل افریقہ' کے ذریعہ سے دکھائی گئیں۔ مشرقی اور مغربی افریقہ سے سینکڑوں کی تعداد میں احباب نے مبارکباد کے پیغام بھیجے۔

2018ء۔ پہلی بار کے جلسے میں حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ نے مختلف نمائشوں کا اعلان فرمایا۔ ریویو آف ریلیجنز کے تحت ٹیورن شراوڈ پر نمائش، القلم پراجیکٹ، شعبہ آرکائیو کے تحت نمائش، شعبہ تبلیغ یُوکے نے قرآن کریم پر بھی ایک نمائش کا اہتمام کیا۔ ان کے علاوہ دو ویب سائٹس True Islam اور Rational Religion کا آغاز ہوا۔

2019ء۔ پہلی بار میڈیا کوریج کے ذریعے ایک سو تہتر ملین سے زائد افراد تک پیغام پہنچا۔ ایم۔ٹی۔اے افریقہ کے ذریعہ انیس (19) چینلز پر کوریج ہوئی۔

2020ء۔ حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے مسرور ہال میں چند حاضرین کے سامنے خطاب فرمایا اور ایک سال میں جماعت کی ترقیات کا ذکر فرمایا۔

❁❁❁❁❁❁❁



مرد سربراہ کی حیثیت سے گھر والوں کے حقوق کا خیال رکھے

حضرت امیر المؤمنین خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز فرماتے ہیں:

''یاد رکھیں کہ بحیثیت گھر کے سربراہ مرد کی ذمہ داری ہے کہ اپنے گھر کے ماحول پر بھی نظر رکھے، اپنی بیوی کے بھی حقوق ادا کرے اور اپنے بچوں کے بھی حقوق ادا کرے، انہیں بھی وقت دے ان کے ساتھ بھی کچھ وقت صرف کرے چاہے ہفتہ کے دو دن ہی ہوں، ویک اینڈز پر جو ہوتے ہیں۔ انہیں مسجد سے جوڑے، انہیں جماعتی پروگراموں میں لائے، ان کے ساتھ تفریحی پروگرام بنائے، ان کی دلچسپیوں میں حصہ لے تا کہ وہ اپنے مسائل ایک دوست کی طرح آپ کے ساتھ بانٹ سکیں۔ بیوی سے اس کے مسائل اور بچوں کے مسائل کے بارے میں پوچھیں، ان کے حل کرنے کی کوشش کریں۔ پھر ایک سربراہ کی حیثیت آپ کو مل سکتی ہے۔ کیونکہ کسی بھی جگہ کے سربراہ کو اگر اپنے دائرہ اختیار میں اپنے رہنے والوں کے مسائل کا علم نہیں تو وہ تو کامیاب سربراہ نہیں کہلا سکتا۔ اس لئے بہترین نگران وہی ہے جو اپنے ماحول کے مسائل کو بھی جانتا ہو۔ یہ قابل فکر بات ہے کہ آہستہ آہستہ ایسے لوگوں کی تعداد بڑھ رہی ہے جو اپنی ذمہ داریوں سے اپنی نگرانی کے دائرے سے فرار حاصل کرنا چاہتے ہیں یا آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور اپنی دنیا میں مست رہ کر زندگی گزارنے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو مومن کو، ایک احمدی کو ان باتوں سے دور کا بھی واسطہ نہیں ہونا چاہئے۔ مومن کے لئے تو یہ حکم ہے کہ دنیا داری کی باتیں تو الگ رہیں، دین کی خاطر بھی اگر تمہاری مصروفیات ایسی ہیں، اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے ہوئے تم نے مستقلاً اپنا یہ معمول بنا لیا ہے، یہ روٹین بنالی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی خبر ہی نہیں رکھتے، اپنے بیوی بچوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے ملنے والوں کے حقوق ادا نہیں کرتے، اپنے معاشرے کی ذمہ داریاں نہیں نبھاتے تو یہ بھی غلط ہے۔ اس طرح تقویٰ کے اعلیٰ معیار قائم نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ معیار حاصل کرنے ہیں تو اللہ تعالیٰ کے حقوق بھی ادا کرو اور بندوں کے حقوق بھی ادا کرو۔''

(بخاری کتاب الصوم باب حق الجسم فی الصوم)

(خطبہ جمعہ فرمودہ 2 رجولائی 2004ء بحوالہ الاسلام ویب سائٹ)

❁❁❁❁❁❁❁



بریلوی اسلام کا کربلائی ظلم

ایک مومن کے قلم سے

28 مئی 2010۔۔۔''ٹائی میں انسان تھوڑا معتبر لگتا ہے'' جمعہ کی نماز کے لئے وضو کر کے آفس سے نکلنے لگا تھا کہ میری نظر اپنی ڈیسک پر رکھی ٹائی پر پڑی۔ یہ خیال ذہن میں اتنا پختہ ہو گیا کہ میں اُلٹے قدموں واپس مڑا اور اپنی ڈیسک سے ٹائی اُٹھا کر گلے میں ڈال لی. میرا آفس لاہور کے دل برکت مارکیٹ، گارڈن ٹاؤن کی شان آرکیڈ نامی بلڈنگ کے تھرڈ فلور پر واقع ہے اور جمعے کی نماز پڑھنے اکثر میں بیت النور پیدل ہی جایا کرتا ہوں جس کا فاصلہ تقریباً ڈیڑھ کلومیٹر ہے. سارا آسمان جیسے گدلے سرخ رنگ کا ہو گیا ہو۔ دل کو کچھ عجیب سی بے چینی نے آ گھیرا، ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے سانس لینے میں بھی دشواری ہو رہی ہو. مجھے جب بھی کوئی مشکل یا دشواری ہو تو میں اپنے سب سے قریبی اور خاص دوست سے مشورہ ضرور کرتا ہوں اس سے دل کا بوجھ بھی ہلکا ہو جاتا ہے اور پریشانی کا حل بھی مل جاتا ہے. تقریباً 15۔16 منٹ کا فاصلہ تھا، میں نے اس موقع کو غنیمت جانتے ہوئے اپنے دوست جناب مکرم محمد مقصود احمد منیب صاحب کو کال ملائی. اس وقت ٹائم 12:30 اور 12:45 کے درمیان تھا، یہ جاننے کے باوجود کہ منیب صاحب خود جمعہ کی تیاری میں مصروف ہوں گے مگر دل میں یہ یقین بھی تھا کہ خواہ دو منٹ کے لئے ہی سہی مگر وہ فون ضرور اُٹھائیں گے اور ان سے بات بھی ہو جائے گی اور دل کی بے چینی میں کمی بھی ہو جائے گی۔

دوسری تیسری بیل پر کال ریسیو ہو گئی اور محترم نے اپنی مخصوص زندہ دلی سے، "السلام علیکم ورحمۃ وبرکاتہ" کے ساتھ گفتگو کا آغاز کیا۔

"وعلیکم السلام وجنت المقام ودوزخ الحرام" ہماری دوستی کا آغاز کیونکہ لڑکپن سے ہوا تھا لہذا ایک مخصوص ادبی قسم کی بے تکلفی ہماری گفتگو میں پائی جاتی تھی. "جناب عالی کیسے مزاج ہیں" منیب صاحب کی آواز میں وہی نرمی اور شگفتگی پائی جاتی تھی جو ان کے مزاج کا خاصہ ہے. ادھر ادھر کی رسمی گفتگو کے بعد میں نے انہیں باہر کے موسم اور اندر کی کیفیت کے بارے میں بتایا اور انہوں نے مجھے چند دعائیں بتائیں اور گفتگو اپنے اختتام کو پہنچی. میں ان دعاؤں کا ورد کرتا ہوا بیت النور پہنچ گیا اور دونوں ہالز کے درمیانی راستے سے گزر کے اپنی مخصوص جگہ پر مین ہال میں دوسری صف میں انتہائی بائیں جانب پہنچ گیا. نفل اور سنتیں وغیرہ پڑھ کر دعائیں پڑھیں. ڈیڑھ بجے خطبہ جمعہ مکرم و محترم محمود احمد شاد صاحب نے شروع کیا. میرے پچھلی جانب ایک پلر تھا جس پر وال کلاک لگا ہوا تھا. ایک 35 اور ایک 40 کا درمیانی ٹائم ہو گا جب میں نے مڑ کر وال کلاک کی جانب دیکھا. میں سیدھا ہو کر بیٹھا ہی تھا کہ بیت النور کے باہر جنوب کی جانب سے برسٹ فائرنگ کی آواز آئی، خطبہ میں چند سیکنڈ کا وقفہ آیا ہو گا اور مربی صاحب کی آواز دوبارہ سنائی دی، "احباب اپنی جگہ پر بیٹھیں خطبہ جاری رہے گا." مگر دس سے پندرہ سیکنڈز کے اندر وہی برسٹ فائرنگ کی آوازیں باہر مین گیٹ کی جانب سے انتہائی شدت سے آنا شروع ہو گئیں". یا اللہ!! کیا کسی فوج نے حملہ کر دیا ہے" فائرنگ اتنی شدید تھی کہ میرے ذہن میں ایسا بے تکا سوال اٹھا". احباب حوصلہ رکھیں، دعا کریں اور اپنی جگہ پر بیٹھ جائیں "اب مربی صاحب کی آواز میں کسی فوجی کمانڈر کی طرح اعتماد تھا. مگر فائرنگ نہ رُکی اور ایسا محسوس ہوا جیسے حملہ آور مسجد کے اندر داخل ہونے کی کوشش کر رہے ہوں". احباب کوشش کریں کہ پچھلے ہال کی بیسمنٹ کی طرف چلے جائیں "ایک بہترین فوجی کمانڈر کی طرح یہ پراعتماد آواز کسی اور کی نہیں مربی محمود احمد شاد صاحب کی ہی تھی، اور یہ آخری الفاظ تھے جو میں نے مربی صاحب کے منہ سے سنے. اس دوران میری ساری توجہ مربی صاحب کی آواز کے ساتھ ساتھ مین ہال کے شمالی دروازے کی طرف بھی تھی، جہاں سے دوڑتے ہوئے ہمارے احمدی احباب اندر آنے کی کوشش کر رہے تھے اور پیچھے سے سرخ شعلوں کی طرح گولیاں دروازے سے ٹکرا رہی تھیں. ان کے پیچھے مجھے حملہ آور کی ہلکی سی

جھلک اور اس کی گن کی نال نظر آئی جسے ہمارے احمدی احباب نے کمال ہمت سے سے باہر کی جانب دھکیل کر دروازہ اندر سے بند کر لیا۔اسی دوران میرا فوری ردّعمل یہ تھا کہ میں نے کھڑے ہوکر اپنی جانب کا دروازہ بند کر کے کنڈی لگائی اور نیچے بیٹھ گیا ۔(جالی کا دروازہ پہلے سے بند تھا لکڑی کا دروازہ میں نے بند کیا)، اب میری نظریں شمالی دروازے کے ساتھ موجود بڑی سی کھڑکی کی جانب تھیں، جہاں سے وہ حملہ آور برسٹ کی صورت میں گولیاں ہم نہتے نمازیوں کے اوپر برسا رہا تھا۔ ہمارے نمازی دوست مربی صاحب کی ہدایت کے مطابق پچھلی جانب جا رہے تھے اور اندھا دھند فائرنگ کی زد میں بھی آتے جا رہے تھے ۔سرخ شعلے کی طرح اے کے فورٹی سیون کی وہ گولی جس کے جسم میں لگتی وہ خاموشی سے اپنی جگہ پر گر جاتا ۔(بیت النور میں نسبتاً نقصان کم ہوا تھا، مربی صاحب کی ہدایت کے مطابق کثیر تعداد میں لوگ پیچھے بیسمنٹ میں چلے گئے تھے جس کی وجہ سے زخمیوں اور شہادتوں کی تعداد کم تھی) ۔ان چند ہولناک منٹوں میں، میں نے ایک عظیم الشان نظارہ دیکھا۔ مجھے اس حال میں کسی زخمی کی چیخ و پکار سنائی نہیں دے رہی تھی اگر سنائی دے رہی تھی تو صرف ......دعاؤں کی آوازیں...خاموشی ...اور فائرنگ ...میں نیچے بیٹھنے کے بعد انتہائی جنوبی دیوار کے ساتھ کھسکتا ہوا پہلی صف تک پہنچ گیا اور اپنا سر قبلہ رخ کر کے سیدھا لیٹ گیا۔ مجھے نہیں معلوم لیکن مجھے یقین ہے کہ یہ عمل میں نے محض اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہی کیا تھا، کیونکہ اگر میں لیٹ نہیں گیا ہوتا تو چھ سے سات اے کے فورٹی سیون کی گولیاں میرے سر کے آر پار ہو چکی ہوتیں۔

(ان گولیوں کے نشان آج بھی اس جگہ موجود ہیں۔)

جس وقت گولیاں برسٹ کی صورت میں دیوار سے لگ کر میرے جسم کے کسی حصے سے ٹکراتیں تو ایسا محسوس ہوتا کہ جیسے یہ گولیاں مجھے لگی ہیں اور اس حالت میں میرے جسم میں ایک کھنچاؤ سا پیدا ہوتا، اور پھر میں سوچتا کہ اب جو ہوگا دیکھا جائے گا اگر گولی لگ بھی گئی ہے تو میں کچھ کر نہیں سکتا۔ کچھ عجیب فیلنگ تھی۔اللہ تعالیٰ کو یاد کر رہا تھا۔پھر اپنے گھر والے یاد آئے ....چند لمحوں کے لیے وقت جیسے تھم سا گیا تھا... بہر حال اب صورتحال یہ تھی کہ میرا سر قبلہ رُخ تھا اور ٹانگیں مشرق کی جانب۔شمالی جانب سے وہ حملہ آور اے کے فورٹی سیون سے ہال میں فائرنگ کر رہا تھا اور خوف اور بے بسی کی جو کیفیت تھی وہ بیان سے باہر تھی۔ ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے کسی نے دم گھونٹ دیا ہو اور سانس لینے میں انتہائی دشواری پیش آ رہی تھی۔ لیکن یہ بھی محض اللہ تعالیٰ کا فضل تھا کہ میرے دل و دماغ میں کوئی منفی خیال نہیں آیا، صرف مثبت خیالات تھے کہ انشائاللہ یہ مصیبت جلد ٹل جائے گی اور ہم کامیاب اور سرخرو ہونگے گے اور بے اختیار میرے منہ سے دعائیں جاری ہوگئیں؛ اللھم انا نجعلک ....رب کل شی خادمک .... آیت الکرسی..........اور کلمہ طیبہ ....اور میری آواز اونچی سے اونچی ہوتی گئی، جیسے جیسے دعائیں پڑھتا گیا ویسے ویسے دل خوف کے بعد امن والی حالت میں ڈھلتا گیا۔اسی حالت میں لیٹے لیٹے میں نے جیب



غزل

آفتاب شاہ

یہی آس ہے تو جڑی رہے یہ چراغ ہے تو جلا رہے
جو خزاں بھی ہو تو مرے خدا یہ چمن تو یونہی کھلا رہے
مری ذات سے تری ذات کا جو اذن ہے وہ کبھی کم نہ ہو
مرے عشق کا مری چاہ کا جو شجر ہے یونہی ہرا رہے
اسی ارضِ پاک پہ کٹ مروں نہ یہ سر جھکے نہ یہ دل ڈرے
یہ فنا ہی میری بقا بنے علم اونچا اس کا سدا رہے
مجھے پیار کر جو ترا ہوں میں مجھے خود میں یوں تُو سمیٹ لے
مری زندگی ترا عکس ہو ترا عکس میری عطا رہے
مجھے ہے پتہ تو ہے عارضی کسی اور در کا جہان ہے
مجھے ہے پتہ تو مرا نہیں مری ضد ہے ربط بندھا رہے
نہ ہی قتل ہو کسی سوچ کا نہ ہی بکتا کوئی ضمیر ہو
یہاں علم اونچا ہو عِلم کا نہ کسی کی کوئی خطا رہے
مجھے دے پتہ کوئی آفتاب مرے یار کا مرے پیار کا
درِ یار چوموں میں اس طرح وہ کبھی نہ مجھ سے خفا رہے
آفتاب شاہ میری آنے والی کتاب۔۔خونِ جگر۔۔۔سے

❁❁❁❁❁❁❁

سے اپنا موبائل فون نکال کر آن کیا اور سب سے پہلے ریسکیو 1122 اور پولیس ایمرجنسی 15 پر کال کی مگر دونوں نمبرز بزی تھے۔ اس کے بعد میں نے مکرم نبیل احمد صاحب کو کال ملائی ۔ (نبیل صاحب اسوقت ہماری کمپنی میں ڈائریکٹر تھے) ان کی طبیعت میں ایک مخصوص شان بے نیازی پائی جاتی ہے۔ اپنے اسی مخصوص انداز میں انہوں نے فون اُٹھا کر کہا، "جمعہ پڑھ لیا ہے تسی؟ ۔" اس دن وہ جمعے پر نہیں آسکے تھے۔ یہاں مسجد پر حملہ ہو گیا ہے اور شدید فائرنگ ہو رہی ہے جو بھی مدد ہو سکے فوراً کریں" میں نے تیز آواز میں کہا" ۔ اچھا میں آ رہا ہوں" بے نیازی کی جگہ ان کی آواز میں فکر مندی کی جھلک محسوس ہوئی اور فون کٹ گیا۔ اب میرے فون کی بیل بج رہی تھی وہیں لیٹے لیٹے میں نے فون کی سکرین کو دیکھا تو میری ہمشیرہ ڈاکٹر زاہدہ رانی، (Dermatologist) کی کال تھی، ایک لمبا سانس لے کر میں نے accept کا بٹن دبایا، شامی!! تم کہاں ہو؟ ہماری گڑھی شاہو والی مسجد پر حملہ ہو گیا ہے اور بہت فائرنگ ہو رہی ہے۔ رفاد کی ٹانگ میں گولی لگی ہے" ان کے لہجے سے تشویش اور پریشانی عیاں تھی ۔ (رفاد بھائی میرے بہنوئی ہیں اور اس وقت ایک گورنمنٹ ہاسپٹل میں سینئر رجسٹرار کے عہدے پر فائز تھے)۔

"باجی اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا تم بس دعا کرو!! میں بھی ماڈل ٹاؤن مسجد میں موجود ہوں اور یہاں بھی حملہ ہوا ہے، مجھے بھی نہیں معلوم کہ میں یہاں سے بچ کر نکل سکوں گا یا نہیں" میں نے اپنی آواز میں اتنا سکون عام حالات میں بھی کبھی محسوس نہیں کیا۔ شاید باجی کو تسلی دینے کے لیے یا شاید حالات کا سامنا کرنے کے لیے میرے اندر اتنا صبر آ گیا تھا۔ کیا؟؟" باجی کی آواز چیخ سے مشابہ تھی، "ہائے میرے اللہ!! یہ کیا ہو رہا ہے؟؟۔ باجی بس دعا کرو، صرف دعا ہی ہے جو ہمیں اس مشکل سے نکال سکتی ہے، جو اللہ تعالیٰ کے بس میں ہے اس پر بندے کا کوئی اختیار نہیں۔ اپنا خیال رکھنا، اللہ حافظ" میں نے فون کاٹ دیا کیونکہ کھڑکی سے ہونے والی فائرنگ کی شدت میں کمی آ گئی تھی اور اب اِکا دُکا فائر کی آواز آ رہی تھی۔

میرے ساتھ ہی ایک صاحب بیٹھے تھے (بعد میں جن کا نام چودھری نصیر احمد معلوم ہوا) ان کو دیکھ کر میں بھی اُٹھ کر بیٹھ گیا۔

"آپ کو تو گولی لگی ہے" ان کی کمر کے پاس سے شرٹ اُدھڑی ہوئی تھی اور خون کا نشان بھی نظر آ رہا تھا۔ اچھا!! کہاں؟؟ انہوں نے اپنی کمر پر ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی، مجھے تعجب ہوا کہ انہیں تکلیف کا احساس تک نہیں تھا۔ گولی ان کے کندھے کو چھوتی ہوئی دیوار میں میرے سر کے قریب لگی تھی۔ فائرنگ کی آواز میں واضح کمی آئی تھی۔ میں اور چوہدری نصیر صاحب محراب کی طرف لپکے سب سے پہلے میری نظر مربی محمود شاد صاحب کے جسم پر پڑی جو اوندھے منہ ڈائس کے بالکل سامنے پہلی صف میں پڑا تھا میں نے جا کر ان کو ٹٹولا اور سانس کی آمد و رفت دیکھنے کے لیے ان کی گردن پر ہاتھ رکھا مگر مجھے ان کے جسم میں زندگی کی کوئی رمق محسوس نہیں ہوئی۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) ۔ ایک بہترین انسان نے ایک عظیم لیڈر کی طرح اپنی جان اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دی تھی"... وہ حملہ آور پچھلے جدید ہال میں داخل ہو گیا ہے" کسی کی آواز آئی دو تین لوگ محراب کے اندر موجود تھے اور ان میں سے یہ آواز گورے چٹے بٹ صاحب کی تھی۔ میں اور چوہدری نصیر صاحب بھی محراب کے اندر داخل ہو گئے اب محراب میں اس وقت چار سے پانچ لوگ موجود تھے میں اور بٹ صاحب بائیں ہاتھ پر موجود دروازے کی دہلیز کی اوٹ میں کھڑے ہو گئے اور چوہدری نصیر صاحب اور شاید دو حضرات ڈائس کے پیچھے چھپ گئے۔ گہری سیاہ چمکیلی آنکھوں والا کسرتی جسم کا نوجوان ہال کی جانب سے آ کر محراب میں ڈائس کے پیچھے آ بیٹھا تھا۔ ہماری نظریں ملیں تو اس نے انگلی ہونٹوں پر رکھ کر مجھے خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ جو تیزی اور دلیری اس کی آنکھوں میں تھی وہ میں بھول نہیں سکتا۔ بٹ صاحب نے دہلیز میں موجود جنوبی دروازہ جو باہر چھوٹے سے لان اور مسجد کی چار دیواری کی طرف کھلتا تھا اس کی کنڈی کھول کر باہر قدم رکھا۔

"یہ کہاں جا رہے ہیں؟ ," میں نے سوچا اس وقت صورتحال واضح نہیں تھی اور نہ ہی حملہ آوروں کی تعداد کا کچھ اندازہ تھا۔ لیکن یہ اچھی طرح معلوم ہو چکا تھا کہ ایک حملہ آور پچھلے جدید ہال میں داخل ہو چکا ہے اور اب وہ دھیرے دھیرے مسجد میں موجود زندہ لوگوں کو ڈھونڈ ڈھونڈ کر شہید کر رہا ہے۔ بٹ صاحب دہلیز میں موجود دروازے سے باہر نکلے اور گھوم کر شمالی جانب موجود مین گیٹ کی طرف دوڑے، میں بھی ان کے پیچھے باہر نکلا اور ان کو گیٹ کی طرف جاتے دیکھا، مگر نہ جانے میرے دل میں کیا خیال آیا کہ میں واپس

مڑا اور اسی دروازے سے پھر محراب کی دہلیز میں داخل ہوا اور دروازے میں کنڈی لگا کر نیچے بیٹھ گیا. اب ہم دوبارہ ایک چھوٹی سی جگہ میں قید تھے اور موت حملہ آور کی شکل میں دھیرے دھیرے ہماری طرف بڑھ رہی تھی، دو تین فائر ہوتے اور پھر سناٹا چھا جاتا. میں ڈائس کے پیچھے موجود لوگوں کو دیکھ رہا تھا کہ اچانک ایک گرنیڈ محراب کے بالکل سامنے دوسری یا تیسری صف میں پھٹا. دھوئیں کے مرغولے نے چند لمحے کے لیے سب کچھ دھندلا دیا" ...شاید آخری وقت آ گیا ہے ....

معلوم نہیں مرتے وقت کیسا محسوس ہو؟" میرے ذہن میں یہ خیال شاید بالکل فطری تھا، "لیکن اس سے اچھی موت اور کیا ہوگی، مرنا تو ایک دن ہے ہی" یہ دوسرا خیال پہلے خیال پر حاوی آ گیا اور خون میں شہادت کا جذبہ جوش مارنے لگا میں اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا اور اپنے آپ کو ذہنی طور پر تیار کر لیا کہ اب آر یا پار.... شاید کوئی آواز سی آئی، وہم تو ہو نہیں سکتا، "اس کو پکڑو!!" مجھ سے آگے وہ سیاہ چمکیلی آنکھوں والا نوجوان محراب سے باہر کی طرف لپکا میں اس کے پیچھے پیچھے باہر نکلا تو محراب کے بلکل سامنے ایک سیاہ داڑھی اور سانولے رنگ کا لڑکا، جس نے آسمانی رنگ کی شلوار قمیض اور سلیٹی رنگ کی سپورٹس سینڈل پہنی تھی اور شلوار قمیض پر سبز اور مٹیالی واسکٹ نماں چیز پہنی تھی، پڑا ہوا تھا اور ایک بزرگ لاٹھی سے اس کے سر پر پے در پے وار کر رہے تھے ایک اور ادھیڑ عمر کے صاحب جنہوں نے جناح کیپ پہنی ہوئی تھی اور ہاتھ میں بڑی سی گن تھی، جدید ہال کے درمیانی برآمدے کی طرف بڑھ رہے تھے. (جو بزرگ لاٹھی سے اس حملہ آور کو مار رہے تھے ان کا نام ملک فہیم صاحب معلوم ہوا اور جو صاحب گن لے کر درمیانی برآمدے کی طرف بڑھ رہے تھے وہ کرنل یسیر باجوہ صاحب تھے). میں آگے بڑھا اور اس حملہ آور کے اوپر بیٹھ کر اس کے دونوں ہاتھ کمر کی طرف کر کے سختی سے پکڑ لیے. وہ سیاہ آنکھوں والا نوجوان جو مجھ سے پہلے محراب سے نکلا تھا اس نے حملہ آور کی واسکٹ نما چیز کی جیبوں سے گرنیڈ نکال لیے تھے اور انہیں محراب کے پاس رکھ کر واپس آ رہا تھا (یہ سیاہ چمکیلی آنکھوں والا، باہمت اور جوشیلہ نوجوان عطاء الصبور تھا). اب صورتحال کچھ یوں تھی کہ میں اس حملہ آور کے ہاتھ اسکی کمر کی طرف موڑے اسے پکڑے بیٹھا تھا اور ملک فہیم صاحب کہیں سے دوسری لاٹھی ڈھونڈ کر پھر اس کے سر پر ضربات لگا رہے تھے، کیونکہ پہلے والی لاٹھی ٹوٹ چکی تھی. میرے دل میں یہ خیال آیا کہ یہ خودکش حملہ آور ہے تو ابھی اپنے آپ کو پھاڑ نہ لے اور اسی لیے میری پوری کوشش تھی کہ وہ اپنے ہاتھ نہ چھڑا سکے. دوسرا خیال یہ آیا کہ اگر اس حملہ آور کے دوسرے ساتھی ہوئے تو مجھ پر فائرنگ نہ کر دیں. عطاء الصبور ہمارے قریب آ چکا تھا.

"اس کے ہاتھ باندھ دینے چاہیے ہیں" یہ شاید عطاء کی آواز تھی". مگر کیسے؟؟" میں اپنی ٹائی کو شاید بالکل بھول چکا تھا.

"آپ کی ٹائی ہے ناں!!" مجھے آواز آئی". آپ اس کے ہاتھ پکڑو" میں نے عطاء سے کہا اور اب عطاء الصبور نے اس حملہ آور کے ہاتھ مضبوطی سے پکڑ لیے اور میں اپنی ٹائی کھولنے لگا. (یہ ٹائی جرمنی، میرے سسرال سے تحفتاً آئی تھی. اس سیاہ اور سرخ دھاری دار ٹائی کو باندھنے میں مجھے ہمیشہ دشواری پیش آتی تھی کیونکہ یہ بہت لمبی تھی اور دو بل دینے کے بعد فٹ آتی تھی). اس حملہ آور کے ہاتھ باندھتے ہوئے مجھے لگا جیسے اللہ تعالی نے یہ ٹائی خاص اسی مقصد کے لئے بھیجی تھی. میرا اور عطاء کا کارڈینیشن کچھ ایسا تھا جیسے ہم نے اس کام کی باقاعدہ ٹریننگ لی ہوئی ہے. بہرحال ہم نے اس حملہ آور کے ہاتھ اس طرح سے باندھے کہ وہ انہیں ہلا بھی نہ سکے. اس کے بعد میں نے حملہ آور کی واسکٹ نما شے کو جس کے پیچھے سکول بیگ کی طرح اسٹریپ تھے، ان کو کھول کر بیگ کی طرح ہی اُتار دیا. ہاتھ بندھے ہونے کی وجہ سے تھوڑی دشواری پیش آئی مگر میں کامیاب ہو گیا. اس واسکٹ میں مجھے کوئی چیز نظر نہیں آئی میں نے اسے قریبی پلر کے پاس رکھ دیا اور اردگرد نظر ڈالی، قریب ہی میری نظر اپنے ایک عزیز (عابد منور) کی طرف پڑی جو پہلی ہی صف میں زخمی حالت میں قبلہ رُخ گھٹنوں کے بل بیٹھے ہوئے تھے سر ان کا تقریبا گھٹنوں کے درمیان تھا اور دونوں ہاتھوں سے اپنی کمر کو پیچھے سے دبا کر پکڑا ہوا تھا". آپ خیریت سے ہیں؟" میں نے قریب جا کر ان کے کندھے پر ہاتھ رکھا". مجھے گولی لگی ہے"، انہوں نے تکلیف کی حالت میں جواب دیا". گولی لگنے کے بعد کوئی اتنے آرام سے کیسے بیٹھ سکتا ہے؟" میں نے سوچا. اس افراتفری کے ماحول میں بھی میرا دماغ اب کافی پرسکون تھا. اس کی وجہ شاید یہ رہی ہوگی کہ ہم اپنی طرف

سے ایک بہت بڑا معرکہ سر کر چکے تھے یعنی اس حملہ آور کو باندھ چکے تھے اور لازماً ہمارے پیچھے اور بھی ساتھی تھے جنہوں نے اس حملہ آور کو جکڑنے کے بعد شاید اس کے پاؤں بھی باندھ دیئے تھے۔ اس کے باوجود صورتحال کچھ واضح نہیں تھی اور ہمیں ابھی تک کچھ معلوم نہیں تھا کہ مین ہال سے باہر کیا حالات ہیں۔

ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہر چیز سلو موشن میں ہو رہی ہے۔ بہرحال میں نے ان کے ہاتھ ہٹا کر ان کی پشت پر موجود زخم دیکھا تو اندازہ ہوا کہ گولی ان کی بھی کمر کو چھوتی ہوئی گزری ہے اور زخم بہت زیادہ گہرا تو نہیں مگر خون کافی بہہ رہا تھا۔ میں نے اپنی شرٹ اتاری اور پھر بنیان اتاری اور شرٹ واپس پہن کر بنیان کو اچھی طرح فولڈ کر کے ان کے زخم پر رکھ دیا اور ان سے کہا کہ اسے مضبوطی سے پکڑ کر رکھیں۔ اب میرے ہوش و حواس مزید بحال ہو چکے تھے اور مجھے ہال کی پوزیشن بھی کافی واضح طور پر نظر آ رہی تھی میرے سامنے وہ حملہ آور بندھا پڑا تھا اور ہم چار لوگوں (خاکسار، عطاء الصبور، ملک فہیم صاحب اور کرنل یسیر باجوہ صاحب) کے علاوہ بھی ہمارے احمدی احباب چلتے پھرتے اور زخمیوں کی مدد کرتے نظر آ رہے تھے۔ میں نے اپنے قدم پچھلے ہال کے بیسمنٹ کی طرف بڑھائے، جوتوں کے ریکس میرے سامنے تھے۔ مسجد کے حالات کو دیکھتے ہوئے مجھے خیال آیا کہ اب جوتے پہن لینے چاہیے ہیں۔ جوتے پہن کر میں بیسمنٹ میں چلا گیا وہاں موجود احباب کو میں نے اطلاع دی کہ حملہ آور قابو آ گیا ہے اور خطرے کی کوئی بات نہیں آپ لوگ زخمیوں کی مدد وغیرہ کریں پھر وہاں پانی پینے کی جگہ سے پانی کا گلاس بھر کے میں واپس اوپر مین ہال میں محراب کے قریب آیا اور کچھ زخمیوں کو پانی پلایا۔ اس دوران ہال کے باہر سے بھی "آل کلیر" کی آواز آ گئی اور مسجد کا مین گیٹ کھل گیا اور پولیس، میڈیا اور ایمبولینس کی گاڑیاں کمپاؤنڈ میں داخل ہونا شروع ہو گئیں۔ چار، پانچ پولیس والے گنیں سیدھی کئے ہماری طرف بڑھے، میں نے ان کی حملہ آور کی جانب رہنمائی کی۔ ان کا ایکشن ایسا تھا جیسے وہ کوئی پولیس مقابلہ کرنے آگے بڑھ رہے ہیں۔ بہرحال پولیس اور ہمارے جوانوں نے اس حملہ آور کو اُٹھا کر باہر کمپاؤنڈ میں ڈال دیا کچھ جوشیلے احمدی جوان اس حملہ آور کو مارنے کے درپے تھے اور اپنی گنیں سیدھی کر کے اس پر فائر کرنا چاہ رہے تھے۔ مجھ سمیت کچھ احباب نے انہیں روکا اور کہا کہ ہمیں قانون اپنے ہاتھ میں نہیں لینا چاہئے اسے حکومت کے حوالے کرنا چاہیے۔ اب میڈیا بھی وہیں آ چکا تھا اور کچھ چینل والے لوگوں سے سوالات کر رہے تھے۔ مجھے خیال آیا کہ میڈیا والوں کو بتاؤں کہ کیسے ہم نہتے نمازیوں نے حملہ آور کو قابو کیا ہے لیکن فوراً ہی "safety point of view" سے میں رُک گیا اور دوسرے خدام کے ساتھ مل کر زخمیوں کو ایمبولینس میں ڈالنے کا کام شروع کیا۔ میری نبیل صاحب سے بھی وہیں ملاقات ہو گئی جو میرے فون کال کے بعد یہاں پہنچ چکے تھے۔ ارسلان بھی اسی مسجد میں تھا اور وہ بھی بخیر و عافیت تھا۔ میں، نبیل صاحب اور ارسلان زخمیوں کے ساتھ ساتھ نبیل صاحب کی گاڑی میں جناح ہسپتال پہنچے۔ گاڑی نبیل صاحب کا ڈرائیور چلا رہا تھا۔ ہم جناح اسپتال پہنچے تو وہاں ایمرجنسی کا عالم تھا اور زخمیوں کو فرسٹ ایڈ دینے کا کام شروع ہو چکا تھا۔ ہمارے جماعتی عہدے داروں سمیت اسپتال کا عملہ ایکٹو ہو چکا تھا۔ اب نبیل صاحب کے موبائل پر کسی کی کال آئی کہ گڑھی شاہو میں حملہ آوروں کی کارروائی ابھی جاری ہے اور رفاد بھائی اور ان کے بیٹے یعنی میرے بھانجے "منجاد" کا کچھ پتہ نہیں ہے۔ رفاد بھائی نے وہیں مسجد میں کسی سے فون لے کر باجی کو کال کی تھی اور گولی لگنے کے بارے میں بتایا تھا۔ اس کے بعد سے ان سے کوئی رابطہ نہیں ہو پا رہا تھا۔ نبیل صاحب نے فوری فیصلہ کیا اور اب ہمارا رُخ گڑھی شاہو میں موجود ہماری مسجد دارالذکر کی طرف تھا۔ نہر سے ہم علامہ اقبال روڈ کے لیے تو مڑ گئے مگر مسجد سے تقریباً پانچ سو گز پیچھے ہمیں روک دیا گیا۔ آگے پولیس کا ناکہ تھا اور کوئی گاڑی آگے نہیں جا سکتی تھی۔ ہم گاڑی سے اُتر کر پیدل ہی دارالذکر کی جانب بڑھے۔ میں نے ارسلان کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا اور نبیل صاحب فون پر مصروف تھے، "اچھا میں پہنچتا ہوں" انہوں نے فون بند کیا اور مجھ سے مخاطب ہوئے "آپ ارسلان کے ساتھ آگے جاؤ اور منجاد کو دیکھو۔ رفاد بھائی کا پتہ چل گیا ہے وہ زخمی حالت میں سروسز ہسپتال پہنچ گئے ہیں"۔ "ٹھیک ہے سر!!" مجھے رفاد بھائی کے ساتھ ساتھ منجاد کی فکر بھی لگی ہوئی تھی۔ باجی کا گھر گڑھی شاہو۔ دارالذکر کے قریب ہی تھا اور ان کے گھر پہنچنے کے لئے ہمیں دارالذکر کے سامنے سے گزرنا تھا اور صورتحال کچھ یوں تھی کہ وہاں کا آپریشن ابھی جاری تھا آس پاس کی بلڈنگز کی چھتوں پر پولیس والوں

نے پوزیشنز لی ہوئی تھیں ۔ نہر کی جانب سے دارالذکر کی طرف بڑھتے ہوئے میں نے کم از کم دو دفعہ اس حملہ آور کو مسجد کے مینار سے نیچے کی جانب فائرنگ کرتے دیکھا اور میرے دل میں خیال آیا کہ، ''یہ تو پولیس کے لئے بہت آسان ٹارگٹ ہے، اسے بڑی آسانی سے نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔" مگر ایسا کچھ نہیں ہوا اور ہم دارالذکر کے بالکل سامنے پہنچ گئے۔ مسجد کے اندر سے وقفے وقفے سے فائرنگ کی آواز آتی تھی اور پھر خاموشی چھا جاتی تھی۔ دارالذکر کے آمنے سامنے دو پٹرول پمپس ہیں ہم ابھی اپوزٹ سائیڈ والے پمپ کے قریب پہنچے ہی تھے کہ فضا شدید فائرنگ کی آوازوں سے گونج اٹھی۔ ایسا محسوس ہوا جیسے ہمارے اوپر ہی فائرنگ ہو رہی ہو۔ میں نے ارسلان کا ہاتھ پکڑا اور سامنے کھڑی گاڑیوں کے درمیان دبک کر بیٹھ گیا" ۔ بیت النور سے تو بچ کر آ گئے ہیں کیا یہاں آخری وقت لکھا ہے؟'' یہ خیال اتنی ہی تیزی سے میرے دل میں آیا جتنی تیزی سے فائرنگ ہو رہی تھی۔ چند لمحوں تک شدید فائرنگ ہوئی اور پھر اچانک رُک گئی۔ اب ہم درالذکر کراس کر چکے تھے باجی کا گھر بس تھوڑی ہی فاصلے پر تھا۔ میں ارسلان کا ہاتھ پکڑے بھاگتا ہوا باجی کے گھر میں داخل ہوا ۔ (ارسلان رفاد بھائی کا بھانجا ہے اور اس وقت غالباً 17۔18 سال کا ہوگا اور اس وقت مجھے ایک چھوٹے بچے کی طرح ہی لگ رہا تھا) سامنے ہی باجی بے چینی کے عالم میں ٹہل رہی تھیں، مجھے دیکھتے ہی میری طرف لپکیں، "رفاد کو تو زخمی حالت میں ہاسپٹل لے گئے ہیں مگر منجاد کا کچھ پتہ نہیں'' she started crying... " باجی تم فکر نہ کرو۔ منجاد کو میں لے کر آتا ہوں'' پتہ نہیں یہ الفاظ میرے منہ سے کیسے ادا ہوئے مگر میں یہ کہہ کر رُکا نہیں اُلٹے قدموں دارالذکر کی طرف دوڑا۔ یقیناً اس سارے واقعہ میں اللہ تعالیٰ کی خاص مدد ہمارے شامل حال تھی، کیونکہ جیسے ہی میں گلی کا کونا مڑ کر روڈ کی طرف نکلا سامنے ہیں ہمارے ایک احمدی دوست موٹر سائیکل کی ٹنکی پر منجاد کو بٹھائے ہماری ہی طرف آ رہے تھے۔ میں نے ان کے سامنے آ کر انہیں روکا اور منجاد کو پکڑ کر گود میں اُٹھا لیا وہ بالکل خیریت سے تھا اور اسے کوئی زخم وغیرہ نہیں لگا تھا۔ اس وقت منجاد کی عمر دس یا گیارہ سال ہوگی۔ 'یہ میرا بھانجا ہے'' میں نے ان صاحب سے کہا اور منجاد کو گود میں اُٹھائے گھر کی طرف بھاگا۔ منجاد کو دیکھ کر باجی کی جان میں جان آئی اور بے قراری سے اسے گلے لگا کر پیار کرنے لگیں" ۔ کیسے ہو میرے بچے؟ کوئی چوٹ تو نہیں لگی؟'' اولاد کی تکلیف کا احساس ماں سے زیادہ کس کو ہو سکتا ہے۔

"اللہ کا شکر ہے یہ بالکل خیریت سے ہے" میں بولا... اب ہم نے ہاسپٹل سے رابطہ کیا اور رفاد بھائی کو دیکھنے نکلے۔ سروسز ہاسپٹل کا ماحول جناح سے زیادہ ٹینس تھا کیونکہ یہاں شہداء اور زخمیوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ رفاد بھائی زخمی حالت میں بیڈ پر پڑے تھے مگر حالت خطرے سے باہر تھی۔ ایک گولی بائیں ٹانگ کے گھٹنے کے نیچے سے چھوتی ہوئی گذری تھی اور چہرے پر گرنیڈ پھٹنے سے pallets لگے تھے، جنہوں نے چہرہ چھلنی کر دیا تھا مگر اس حالت میں بھی ان کا حوصلہ بلند تھا اور انہوں نے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا۔ (نبیل صاحب اور رفاد بھائی آپس میں کزنز ہیں) اسی دوران پتہ چلا کہ نبیل صاحب کے بھائی انیق صاحب بیت النور کے باہر ہونے والے بلاسٹ میں شدید زخمی ہوئے ہیں۔ نبیل صاحب فوراً وہاں روانہ ہوئے۔ میں اور باجی یہیں سروسز میں رفاد بھائی کے پاس رُک گئے۔ اس دوران میرے فون پر دنیا بھر سے عزیزوں اور دوستوں کی کالز آ رہی تھیں اور میں انہیں حالات کے بارے میں ساتھ ساتھ بتا رہا تھا۔ اور میرا اپنے گھر بھی رابطہ ہو چکا تھا انہیں بھی اپنی خیریت کی اطلاع دے چکا تھا اب جب کہ حالات کچھ پرسکون ہو چکے تھے اور صورتحال واضح تھی۔ ہمارے قریبی عزیز و اقارب میں لوگ زخمی تو کافی ہوئے تھے مگر شہادت کوئی نہیں ہوئی تھی۔ زخمیوں میں سب سے سیریس کنڈیشن نبیل صاحب کے بھائی انیق صاحب کی تھی۔ ہم ہوسپٹل میں بیٹھے ان کے لیے دعا کر رہے تھے اور اس دوران انتظامیہ نے رفاد بھائی کے لیے پرائیویٹ روم کا انتظام کر دیا تھا۔ باجی کے دونوں بچے انکی میڈ کے پاس تھے اور میری فیملی اپنے گھر ''سبزہ زار'' سوسائٹی میں تھی۔ میری زوجہ محترمہ بہت پریشان تھیں اور انکی بار بار کال آ رہی تھی، ''آپ خیریت سے ہیں تو پھر گھر کیوں نہیں آ رہے'' ان کی آواز میں غصہ اور تشویش دونوں کی آمیزش تھی۔ 'میں اس وقت رفاد بھائی اور باجی کو ان حالات میں چھوڑ کر نہیں آ سکتا۔ تم حوصلہ کرو میں ٹھیک ہوں اور جلد ہی گھر آتا ہوں'' کمرے سے باہر بالکونی میں جا کر میں نے ہلکی آواز میں کہا.... باہر بالکنی میں بینچ پر بیٹھے ہوئے میں سارے دن کے واقعات کو یاد کر رہا تھا۔



عظیم خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم حضرت عمر بن الخطابؓ اور آپ کی پاک نسل

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ایک عربی قصیدہ میں خلیفہ رسول حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی مدح میں فرماتے ہیں

"اور (حضرت عمر) فاروق ہر فضیلت میں ان (یعنی حضرت ابو بکر) کے مشابہ ہوا اور اس نے ایک مدبر بادشاہ کی طرح رعایا کا انتظام کیا... وہ پیوند شدہ کمبل میں لوگوں کا امام تھا اور غبار آلود چادر میں ملکوں کا بادشاہ تھا اور اسے انوار الٰہی دئے گئے سو وہ خدا کا محدث بن گیا اور خدائے رحمان نے اس سے برگزیدوں کی طرح کلام کیا اس کی خوبیوں سے دفاتر بھرے پڑے ہیں اور اس کے فضائل بدر انور کی طرح زیادہ روشن ہیں پس آفرین ہے اس کے لئے اور اس کی کوشش اور جد و جہد کے لئے وہ دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے بطور خود تھا۔"

(القصائد الاحمدیہ صفحہ 190،191)

ایک سو عظیم شخصیات میں شمار

مائیکل ایچ ہارٹ نے اپنی شہرہ آفاق کتاب "ایک سو عظیم شخصیات"

(The 100 A Ranking of the most Influential Persons in History)

میں آپ کو 51 ویں نمبر پر شمار کیا ہے

وہ لکھتا ہے کہ عمر بن الخطاب خلفاء راشدین میں سے دوسرے اور غالباً سب سے عظیم خلیفہ تھے وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے عمر میں کچھ چھوٹے اور ہم عصر تھے اور آنحضرت کی طرح مکہ میں پیدا ہوئے۔ شروع میں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور نئے مذہب اسلام کے شدید معاندین میں سے تھے لیکن اچانک وہ مسلمان ہو گئے جس کے بعد وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے مضبوط مددگار بن گئے (ان کا معاملہ سینٹ پال کے عیسائیت قبول کرنے کے مشابہ اور حیران کن ہے)

632ء میں بغیر کوئی جانشین مقرر کئے محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا وصال ہو گیا حضرت عمر نے جلدی سے آنحضرت کے قریب ترین صحابی حضرت ابوبکر (جو کہ آنحضرت کے خسر بھی تھے) کے انتخاب کے مؤید ہوئے اور اس طرح بغیر کسی power struggle کے حضرت ابوبکر کو متفقہ طور پر خلیفہ تسلیم کر لیا گیا حضرت ابوبکر بہت کامیاب لیڈر تھے لیکن دو سال کے بعد وفات پا گئے

حضرت ابوبکر اپنی وفات سے قبل حضرت عمر کو خلیفہ نامزد کر گئے اس طرح ایک بار پھر power struggle کے بغیر آپ 634ء میں مسند خلافت پر متمکن ہو گئے آپ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے خسر تھے آپ 644ء تک دس سال خلافت کی ذمہ داریاں ادا کرتے رہے آپ کو ایک فارسی غلام نے شہید کر دیا اپنی وفات کے وقت آپ نے چھ صحابہ کا خلافت بورڈ تشکیل دیا جنہوں نے باہمی مشورہ سے حضرت عثمان کو آپ کی وفات کے بعد خلیفہ منتخب کر لیا اس طرح ایکبار پھر کسی armed struggle کے بغیر خلیفہ کا چناؤ ہو گیا حضرت عثمان تیسرے خلیفہ تھے جنہوں نے 644ء سے 656ء تک حکومت کی

حضرت عمر کی دس سالہ خلافت میں بہت اہم معرکے ہوئے اور آپ کے خلیفہ بنتے ہی شام اور فلسطین پر حملہ ہوا جو کہ Byzantine Empire یعنی رومن ایمپائر میں شامل تھا 636ء کی جنگ یرموک میں عربوں نے بازنطینی فوج پر کرشنگ فتح حاصل کی اور انہیں پیس کر رکھ دیا دمشق بھی اسی سال فتح ہو گیا اور دو سال بعد یروشلم نے بھی ہتھیار ڈال دیئے 641ء میں عربوں نے سارا فلسطین اور شام فتح کر لیا اور موجودہ ترکی کی طرف پیش رفت کر رہے تھے عرب فوجوں نے مصر پر حملہ کر دیا جو کہ بزنطینی ایمپائر کے ماتحت تھا اور تین سالوں کے اندر مصر مکمل طور پر فتح ہو گیا

عربوں نے آپ سے پہلے ہی عراق کے ساتھ جنگ چھیڑ دی تھی جو کہ ایران کی ساسانی ایمپائر میں شامل تھا 641ء میں قادسیہ کی فتح آپ کی خلافت میں فیصلہ کن فتح تھی

641ء تک سارا عراق عرب کے کنٹرول میں تھا صرف یہی نہیں عربی افواج نے فارس پر حملہ کیا اور 642ء میں جنگ نہاوند میں انہوں نے آخری ساسانی شہنشاہ کو فیصلہ کن شکست دی۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی 644ء میں وفات ہوئی تو مغربی ایران کا بیشتر حصہ فتح ہو چکا تھا مشرق میں انہوں نے فارس کو مکمل طور پر فتح کر لیا تھا اور مغرب میں شمالی افریقہ میں فتوحات کا سلسلہ جاری تھا

حضرت عمر نے اتنی وسیع سلطنت پر حکومت کرنے کے لئے کئی اہم اقدام اٹھائے جو علاقے فتح ہوئے تھے آپ نے مسلم مجاہدین کے لئے وہاں چھاؤنیاں قائم کیں اگرچہ یہ وسیع فتوحات آنحضرت کی قوت قدسیہ سے ہوئیں تاہم حضرت عمر کے حصہ کو فراموش نہیں کیا جا سکتا ہے

اہل مغرب کے لئے یہ حیران کن بات ہوگی کہ حضرت عمر کو معروف شخصیات (رومن شہنشاہ) چارلمین Charlemagne اور (مشہور رومن ملٹری اور سیاسی لیڈر) جولیئس سیزر Julius Caesar پر برتری حاصل ہے..."

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے محدثات و اصلاحات

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:" حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی محدثات ہی دیکھو جن کا ایک رسالہ بنتا ہے اسلام کے لئے ہجری تاریخ انہوں نے مقرر کی اور شہروں کی حفاظت کے لئے کوتوال مقرر کئے اور بیت المال کے لئے ایک باضابطہ دفتر تجویز کیا جنگی فوج کے لئے قواعد رخصت اور حاضری ٹھہرائے اور ان کے لڑنے کے دستور مقرر کئے اور مقدمات مال وغیرہ کے رجوع کے لئے خاص خاص ہدایتیں مرتب کیں اور حفاظت رعایا کے لئے بہت سے قواعد اپنی طرف سے تجویز کر کے شائع کئے اور خود کبھی اپنے عہد خلافت میں پوشیدہ طور پر رات کو پھرنا اور رعایا کا حال اس طرح سے معلوم کرنا اپنا خاص ٹھہرایا"

(آئینہ کمالات اسلام قیامت کی نشانی لاتاح بحوالہ تفسیر مسیح موعود جلد 4 صفحہ 237)

حضرت عمر بن الخطاب کی نسل میں مجددیت اور خلافت

آپ کی نسل میں سے دو عظیم الشان شخصیات کا ذکر کرنا چاہتا ہوں۔ خلافت راشدہ کے اٹھ جانے کے بعد اللہ تعالی نے امت مسلمہ میں ہر صدی کے سر پر مجدد ظاہر فرمائے۔ پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ آپ کی نسل میں سے تھے اسی طرح آنحضرت ﷺ کی بعثت ثانیہ کے ساتھ جب دوبارہ خلافت علی منہاج نبوت قائم ہوئی تو اللہ تعالی نے آپ کی نسل میں سے ہی ایک نورانی وجود کو پہلا خلیفہ منتخب فرمایا

پہلی صدی کے مجدد

حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ (61ھ 101ھ) پہلی صدی کے مجدد شمار ہوتے ہیں۔ آپ کی والدہ ام عاصم حضرت عمر بن الخطاب کی پوتی تھیں

اسلام کی نشاۃ ثانیہ

چودھویں صدی کے سر پر اللہ تعالی نے حضرت مرزا غلام احمد صاحب قادیانی کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں آخری دس صدیوں کا مجدد اور مسیح موعود اور امام مہدی اور بروزی اور ظلی نبی بنا کر مبعوث کیا آپ کی بعثت آنحضرت صلی وسلم کی بعثت ثانیہ ہے

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد اللہ تعالی نے اپنے وعدوں کے مطابق خلافت راشدہ کے دوسرے اور آخری دور کا آغاز کیا اور اپنی مشیت اور حکمت کے تحت حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی ہی پاک نسل میں سے مسیح موعود کا پہلا خلیفہ منتخب فرمایا

قدرے تفصیل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں

حکیم الامت حضرت مولانا نورالدین خلیفۃ المسیح اول رضی اللہ عنہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:" اور میرے سب دوست متقی ہیں لیکن ان سب قوی بصیرت اور کثیر العلم اور زیادہ تر نرم اور حلیم اور اکمل الایمان والاسلام اور سخت محبت اور معرفت اور خشیت اور یقین اور ثبات والا ایک مبارک شخص بزرگ متقی عالم صالح فقیہہ جلیل القدر محدث اور عظیم الشان حاذق حکیم حاجی الحرمین حافظ قرآن۔ قوم کا قریشی نسب کا فاروقی ہے

جس کا نام مع لقب گرامی مولوی حکیم نورالدین بھیروی ہے

اللہ تعالیٰ اس کو دین و دنیا میں بڑا اجر دے اور صدق وصفا اور اخلاص اور محبت اور وفاداری میں میرے سب مریدوں سے وہ اول نمبر پر ہے" (حمامہ

البشریٰ ترجمہ از عربی عبارت)

" اس کا نام اس کی نورانی صفات کی طرح نور الدین ہے وہ جائے ولادت کے لحاظ سے بھیروی اور نسب کے لحاظ سے قریشی ہاشمی ہے جو کہ اسلام کے سرداروں میں سے اور شریف والدین کی اولاد میں سے ہے "(آئینہ کمالات اسلام ترجمہ از عربی عبارت)

ارشادات نور

" مکتوب حضرت امیر المؤمنین

مکرم معظم !السلام علیکم

گر چہ خوردیم نسبتے بزرگ

یہ خاکسار قریشی فاروقی ہے میرا سلسلہ نسب حضرت عمر سے پھر حضرت شعیب سے ملتا ہے جو کابل سے پشاور اور وہاں سے لاہور پھر قصور پھر کھتے وال علاقہ بہاولپور میں مقیم ہوئے۔قاضی عبدالرحمن شاطر مدراسی، بابا نارنجی مقیم یاغستان اسی سلسلہ کے ممتاز ہیں۔حضرت فرید شکر رحمۃ اللہ کے والد اور میرے جدامجد دونوں حقیقی بھائی تھے۔یہ قصہ طویل ہے بھیرہ ضلع شاہ پور میرا وطن تھا وہاں صدیقی قریشیوں کا ایک بڑا محلہ ہے''نورالدین''

(الحکم جلد 16 نمبر 38 مؤرخہ 14 دسمبر 1912ء صفحہ 4 بحوالہ ارشادات نور جلد سوم صفحہ 261)

ایک نکاح کے موقع پر آپ نے فرمایا..

" میں نہیں جانتا کہ میری قوم کیا ہے؟ مگر میرا علم بتاتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی اولاد ہوں حضرت عمر میرے جداجد بڑے مہروں کو پسند نہیں کرتے تھے...."(خطبات نور صفحہ 290)

مرقات الیقین فی حیات نورالدین کے صفحہ 29 پر آپ کا شجرہ نسب دیا ہوا ہے۔چنانچہ لکھا ہے:

" شجرہ نسل حضرت خلیفۃ المسیح اول مولانا نورالدین خلیفہ ثانی فاروق اعظم حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ کی اولاد میں سے ہیں آپ کا شجرہ نسب حاصل کر کے ہم واقفیت عامہ کے واسطے درج اخبار کرتے ہیں

آج سے تیرہ صدیاں قبل حضرت عمر فاروق خلافت نبوی کے مالک ہوئے تھے آج ان کے ایک بیٹے کو خدا تعالیٰ نے ایک نبی کا خلیفہ اول بنا دیا فالحمدللہ علی ذالک......... (منقولہ از بدر 28 مارچ 19ااء)"

27 دسمبر 1910ء کو انجمنوں کے کارکنان کو خطاب کرتے ہوئے آپ نے فرمایا

''...میں یہ بھی جانتا ہوں کہ یہ کام بہت ہی بڑا ہے میرے کسی وہم یا گوشہ خیال یا تخیلات شاعرانہ میں بھی میں نہیں آیا تھا کہ میں کسی جماعت کا امام بنوں یہ بات میرے وہم وگمان سے وراء الوراء تھی. بلکہ میرے شاگرد جانتے ہیں جنہوں نے مجھ سے کچھ پڑھا ہے۔ایک حدیث ہے اس کا مطلب اور ہی سمجھتا تھا اب تو اور سمجھتا ہوں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ قریشیوں کی سلطنت میں زوال نہ ہوگا جب تک دو بھی ہوں میں قریشی تھا اور مرزا کا سچے دل سے مرید ہوا۔

ہمارے جد بزرگوار میں فرخ شاہ ایک بزرگ کابل میں گزرا ہے درہ فرخ شاہ اب تک بھی اس کے نام سے ہے اس نے سلطنت جان بوجھ کر چھوڑی اور تخت سے اتر کر چبوترہ پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کی اب بھی میری قوم کے آدمی یاغستان میں شہزادے کہلاتے ہیں تو میرے تو وہم بھی نہ تھا کہ میں کسی جماعت کا امام ہوں گا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو ایک آن کی آن میں مجھے امام بنا دیا اور ایک قوم کا امیر بنا دیا''(خطابات نور صفحہ 406)

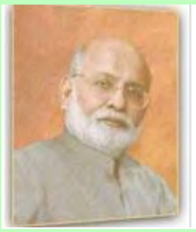
حضرت خلیفۃ المسیح الثانی المصلح موعود رضی اللہ عنہ

آپ کا ایک الہامی نام جو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے پسند فرمایا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو الہاما بتایا فضل عمر ہے گویا آپ مسیح موعود کے دوسرے اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ کی طرح بہت عظیم خلیفہ ہوں گے اور ہوئے

ذالك فضل الله يو تيه من يشاء والله ذو الفضل العظيم

الحمدالله وسلاما على عبادہ الذى الصطفى





تلخ نوائی

محمد اظہار الحق

سینے میں درد ہوا۔مولانا محترم کو ہسپتال لے جایا گیا۔اینجو گرافی ہوئی۔پھر اینجو پلاسٹی ہوئی۔شریانوں میں سٹنٹ ڈالا گیا۔الحمدللہ!علاج کارگر رہا۔شفا اُس ذاتِ پاک نے دی جس کے قبضہ قدرت میں صحت ہے۔مگر اس شفاء کے لیے وسیلہ کون بنے؟ وہ ماہر امراضِ قلب!جس نے پانچ برس لگا کر ایم بی بی ایس کیا۔پھر مزید پانچ چھ برس لگا کر دل کے امراض میں تخصص کیا۔کئی تربیتی مراحل سے گزرا۔ وہ کارڈیک ٹیکنیشن!جنہوں نے سارے پروسیجر کی نگرانی (مانیٹرنگ) کی۔وہ ریڈیو گرافر!جس نے آپریشن کے دوران مسلسل ایکس رے کی مشینیں چلائیں اور فلوروسکوپی کا انچارج رہا۔وہ نرسیں(کم از کم تین) جو اس سارے عمل کے دوران مدد کے لیے موجود رہیں۔مسلسل مدد کرتی رہیں۔پھر اس کے بعد بحالی کا عمل شروع ہوتا ہے۔ریکوری ٹیم کی ضرورت پڑتی ہے۔چاق و چوبند،مستعد،چوبیس گھنٹے چوکنی نرسیں اشد ضروری ہیں۔ آپریشن کے بعد،فالو اپ آپریشن سے زیادہ نہیں تو کم نازک بھی نہیں۔مولانا ایک سیلیبرٹی ہیں،چہار دانگِ عالم میں معروف!لاکھوں کے محبوب!ان کے علاج کی خبر فوراً پھیل گئی۔ورنہ یہ ماہر امراض قلب،یہ نرسیں،یہ کارڈیک ٹیکنیشن،یہ فلوروسکوپی کا ماہر،یہ ریڈیو گرافر،ریکوری ٹیم کے یہ افراد ہر روز کتنوں ہی کی اینجو گرافی اور اینجو پلاسٹی کرتے ہیں۔ہر روز کتنوں ہی کی جانیں بچاتے ہیں اور اس فرمانِ الٰہی پر عمل کر رہے ہیں کہ ”جس نے زندگی بخشی ایک انسان کو تو گویا اس نے زندہ کیا سب انسانوں کو.....“ تو گویا ڈاکٹری کا علم حاصل کرنا،کارڈیک ٹیکنیشن،ریڈیو گرافر بننا،نرس کے طور پر کام کرنا،پھر سٹنٹ بنانے کے لیے انجینئرنگ کا علم حاصل کرنا،بھی نیکی کا کام ہے اور بے حد لازم بھی!اب اگر یہ سب چار چار مہینے کے لیے کسی مقدس مشن پر چلے جائیں تو مریضوں کا کیا بنے؟ کتنے ہی مریض مر جائیں!یہ دلیل کہ اور بھی تو بہت سے ڈاکٹر،نرسیں،ریڈیو گرافر وغیرہ ہوں گے تو اِس ملک میں آبادی کے لحاظ سے تو عام ڈاکٹر بھی کم ہیں چہ جائیکہ ماہرینِ امراضِ قلب!پاکستان میں ہر ہزار افراد کے لیے 37.3،جرمنی میں 4.3،آسٹریا میں 5.3اور چیکوسلواکیہ میں جو کم ترقی یافتہ ہے،ہر ہزار افراد کے لیے 5.3ڈاکٹرز میسر ہیں۔”جس نے ایک انسان کو زندگی بخشی تو گویا اس نے سب انسانوں کو زندہ کیا“ تو کیا ہم اس حکم الٰہی پر عمل پیرا ہیں؟ کس کو معلوم نہیں کہ ہمارے چھوٹے شہروں،قصبوں،قریوں، بستیوں میں لاکھوں کروڑوں انسان اذیت ناک جان لیوا امراض میں مبتلا ہیں۔دلوں میں خون پہنچانے والی شریانیں بند ہو رہی ہیں۔گردے کام کرنا چھوڑ رہے ہیں،پھیپھڑوں کی بیماریاں عام ہیں۔سانس لینا دوبھر ہے۔گرنے والے اور حادثوں میں مجروح ہونے والے زخموں سے سسک رہے ہیں۔پیپ پڑ رہی ہے۔دماغ کے امراض عام ہیں۔نیورو فزیشن شہروں میں بھی خال خال ہیں۔قصبوں قریوں کا کیا ذکر!کتنے ہی بصارت سے محروم ہو رہے ہیں۔آپریشن کرنے والے کلینک اور ڈاکٹر ان کی رسائی سے باہر ہیں۔کان ناک اور گلے کے امراض پھیلتے جا رہے ہیں۔ڈاکٹر کم ہیں،جو ہیں،مہنگے ہیں۔تو پھر کیا اس امر کی بھی تبلیغ ضروری نہیں کہ ڈاکٹر بنو۔ٹیکنیشن بنو۔ریڈیو گرافر بنو۔بچیاں نرسیں بنیں۔کچھ انجینئرنگ کا علم حاصل کریں تاکہ سٹنٹ بنائیں۔ایسے سٹنٹ بنائیں جو عام لوگوں کے لیے مہنگے نہ ہوں۔تو کیا ہم اس ضمن میں تبلیغ کا فرض سرانجام دے رہے ہیں؟ اگر ہم کالجوں،یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کو یہ تاثر دیں کہ یہاں تمہارا وقت ضائع ہو رہا ہے۔نکلو!دین کا کام کرو،اگر ہم آئے دن یہ مثال پیش کریں کہ ہم تو ڈاکٹر کی تعلیم چھوڑ کر اس طرف لگ گئے تو کیا ہم ایک صحت مند معاشرے کی تشکیل کی طرف بڑھیں گے یا ایک ایسی سوسائٹی کی حوصلہ افزائی کریں گے جس میں مبلغ تو ہوں مگر معالج نہ ہوں؟ کیا ہم اس بات کی بھی تبلیغ کر رہے ہیں کہ غریبوں کے لیے فری ہسپتال بنواؤ، ایسے مراکز بناؤ جن میں مستحقین کے لیے مفت ادویات میسر ہوں۔گاؤں

گاؤں جا کر ہیلتھ کیمپ لگاؤ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ جب تشکیل ہو اور تبلیغ کرنے والی جماعت ایک بستی میں پہنچے تو اس جماعت میں ایک ڈاکٹر بھی ہو۔ اس جماعت کے پاس چند دوائیں بھی ہوں۔ صبح سے لے کر ظہر تک ڈاکٹر بستی کے نادار لوگوں کا معائنہ کرے۔ انہیں ادویات فراہم کی جائیں۔ تب انہیں یہ کہا جائے کہ ظہر یا عصر یا مغرب کی نماز مسجد میں آ کر پڑھیں۔ کچھ بات چیت ہوگی؟

کیا اس صورت میں لوگوں کی زیادہ تعداد تبلیغ کے مشن کی طرف راغب نہیں ہوگی؟ کیا یہ نیکی کا کام نہیں۔ یہ دلیل کہ یہ کام دوسرے لوگ کر رہے ہیں، واقعاتی طور پر غلط ہے۔ کہیں کہیں، کم کم، ہو رہا ہے۔ بالکل برائے نام! جتنی وسعت تبلیغ کے گروہوں کو حاصل ہے، اگر اس وسعت میں یہ کام بھی سما جائے تو کیا امر بالمعروف، نہی عن المنکر کے ساتھ ساتھ مَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَا اَحْيَا النَّاسَ جَمِيعًا، کے حکم پر بھی عمل نہیں ہوگا؟ 200ء میں یہ کالم نگار ایک ایسے وفاقی محکمے کا سربراہ بنا جس کی کل افرادی قوت ملک بھر میں چودہ پندرہ ہزار کے لگ بھگ تھی۔ جس شہر میں سب سے زیادہ دفاتر تھے، وہاں چار پانچ ہزار ملازمین (عورتیں اور مرد دونوں) تعینات تھے چونکہ اس محکمے نے حساس اداروں کی ضروریات پورا کرنا تھیں، اس لیے اس کے ملازمین کو آرام پہنچانے کے لیے ریاست نے اس کے اندر ہی، اس شہر میں ایک ڈسپنسری بنائی۔ جہاں دو ڈاکٹر تعینات کیے۔ ایک مرد ڈاکٹر، ایک لیڈی ڈاکٹر، مرد ڈاکٹر نیک محنت کے لیے سال کا بیشتر حصہ تبلیغ پر صرف کرتا۔ چند دن، وہ بھی برائے نام، ڈسپنسری میں ہوتا۔ اس اثنا میں لیڈی ڈاکٹر ریٹائر ہو گئی۔ پھر پتہ نہیں، ڈاکٹر صاحب نے کیا کرشمہ دکھایا کہ سالہا سال کوئی ڈاکٹر تعینات نہ ہوا۔ اس فقیر نے بطور سربراہ چارج لیا تو ڈاکٹر صاحب کو وہاں غالباً سولہ برس ہو چکے تھے۔ ملازمین خاص طور پر ان کے کنبے سخت پریشان تھے کہ طبی امداد بالکل نہیں پہنچ رہی تھی۔ بولتا اس لیے کوئی نہیں تھا کہ ڈاکٹر صاحب "نیکی" کے کام کے لیے وقف تھے۔ اعتراض کیا جاتا تو "گناہ" سر چڑھتا۔ فقیر نے چارج لینے کے کچھ عرصہ بعد ڈاکٹر صاحب سے ملاقات کی اور عرض گزاری کی کہ ڈسپنسری اس لیے بنی تھی کہ ہر وقت ڈاکٹر میسر ہوتا کہ ملازمین دلجمعی کے ساتھ حساس اداروں کا مالیاتی نظام چلا سکیں۔ مگر آپ تو موجود ہی نہیں ہوتے۔

انہوں نے فرمایا میں اپنا مشن نہیں چھوڑ سکتا۔ اس پر تجویز پیش کی کہ آپ کو کہیں اور بھجوا دیا جائے اور یہاں کوئی "کم نیک" ڈاکٹر آئے تا کہ علاج معالجہ کر سکے۔ ڈاکٹر صاحب کا فقرہ آج بھی ساعت پر نقش ہے۔ سربراہ کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر للکارتے ہوئے کہا "کوشش کر دیکھیں! مجھے کوئی نہیں نکال سکتا!" حاضری کے رجسٹر کا معائنہ کیا تو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ "محنت" سے واپس آ کر اکثر و بیشتر اپنی حاضریاں بھی خود ہی لگا لیتے۔ فقیر نے ان کے تبادلے کے لیے سلسلہ جنبانی کی تو ہر قدم پر رکاوٹ کھڑی نظر آئی۔ پھر بلند ترین سطح پر کوشش کی۔ تب جا کر تین چار ماہ کے بعد یہ کام ممکن ہو سکا۔ جب ڈاکٹر صاحب کو احساس ہوا کہ تبادلہ تو ہونے لگا ہے، تو جیسے بھونچال آ گیا۔ دور و نزدیک سے، شرق و غرب سے، اوپر نیچے سے سفارشوں اور دباؤ کے پہاڑ اٹھنے لگے۔ جتنے دوست اس نیک کام سے منسلک تھے، سب نے لعن طعن کی۔ جب بتایا جاتا کہ مریض بے یار و مددگار ہیں تو کوئی جواب نہ ملتا۔ خدا خدا کر کے سولہ برس کے بعد وہ کہیں اور گئے۔ ان کی جگہ ساڑھے چھ فٹ طویل ڈاکٹر افتخار آئے۔ انہوں نے آتے ہی سب سے پہلے ایک لیڈی ڈاکٹر کی تعیناتی کرائی۔ پھر لیبارٹری کے لیے آلات منگوائے۔ ادویات کی رسد بڑھائی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ ڈاکٹر صاحب اور ان کی معاون لیڈی ڈاکٹر ہر روز صبح سے شام تک موجود رہتیں۔ ملازمین نے سُکھ کا سانس لیا۔ ان کے کنبوں کو راحت میسر آئی۔ آج یہ ڈسپنسری، عملی طور پر چھوٹا سا ہسپتال ہے! خلقِ خدا فیض یاب ہو رہی ہے۔ ایک سنہری اصول یہ بھی ہے کہ لڑکیاں تعلیم نہ حاصل کریں۔ ڈاکٹر بنیں نہ نرسیں۔ پھر جب اپنے گھر کی عورتیں بیمار ہوں تو علاج مرد ڈاکٹر نہ کریں، لیڈی ڈاکٹر ہی کرے

کھنچیں میرؔ تجھ ہی سے یہ خواریاں
ورنہ بھائی ہماری تو قُدرت نہیں





حضرت مصلح موعود کا بلند مقام

’اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات‘‘ پڑھنے کے بعد جذبات

ملک طاہر احمد ابن ملک حبیب الرحمٰن۔ لاہور



حضرت مصلح موعود کی کتاب ’’اختلافات سلسلہ کی تاریخ کے صحیح حالات‘‘ پڑھی ۔یوں محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مسیح موعود کی وفات کے بعد شیطان نے اس زور سے اس چھوٹی سی پیاری سی جماعت پر حملہ کیا کہ اگر وہ شخص جسے ’’بچہ‘‘ کہا جاتا تھا نہ ہوتا تو خدا جانے کیا ہوتا۔لیکن حضرت مسیح موعود کی دعائیں رنگ لائیں اور اس ’’بچہ‘‘ نے وہ کام کر دکھایا کہ دنیا کی تاریخ میں بہت کم کسی نے اتنا بوجھ اٹھایا ہو جو اس نے اٹھالیا اور متواتر 51 سال تک وہ شخص مخالفین سے تن تنہا لڑتا رہا اور فتح یاب ہوا۔نہ صرف یہ کہ اپنی تمام زندگی اس نے اللہ تعالیٰ کے دین کو فتح سے ہمکنار کیا بلکہ ایک ایسی جماعت پیچھے چھوڑی اور ایسا نظام پیچھے چھوڑا کہ جو قیامت تک اللہ تعالیٰ کے دین کو تمکنت بخشتا رہے گا۔اس کا مقام کیا تھا؟ یہ صرف اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے یا جس کو وہ علم بخشے ۔اس کے کارناموں کا احاطہ کرنا اس کے علاوہ کسی کے بس کی بات نہیں زندگی کا کونسا شعبہ ہے جس پر اس کی مستقل چھاپ نہیں۔اس نے سچ کہا تھا کہ اب جو بھی آئے گا اسے ہر حالت میں اس نظام کی پیروی کرنی پڑے گی جو اس نے وضع کیا۔Basics ہمیشہ وہی رہیں گی اور مردے زندہ کرنے کیا ہوتے ہیں ۔اس کے شاگردوں نے مردے زندہ کر دیئے ۔دنیا کے تاریک ترین براعظم کو وہ شان بخشی کہ امریکہ اور یورپ شرما جائیں ۔دنیا کو امن اور سکون اب اس کے شاگرد بخشیں گے ۔تمام نظام زور لگالیں لیکن کامیاب نہیں ہو سکتے ۔صرف نظام نو ہی کامیاب ہوگا۔اس نے حضرت مسیح موعود کے اس الہام کو سچ کر دکھایا کہ جس میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ ہم ایک نئی زمین اور نیا آسمان بنائیں گے۔ 27 مئی 1908ء کو حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے بیعت لی اور اس کے بعد ٹھیک پندرہ دن بھی نہ گزرے تھے کہ بڑے بڑے عمائدین اس ’’بچہ ‘‘ کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خلیفہ کے اختیارات کا تعین ہونا چاہئے ۔اس ’’بچہ‘‘ نے کہا کہ اب کونسا تعین ۔تعین کا وقت 27 مئی 1908ء کو گزر چکا جب آپ لوگوں نے بیعت کی تھی اور حضرت خلیفۃ المسیح الاول نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ بیعت کے بعد تو پوری اطاعت کرنی ہوگی ہم تو بک چکے ۔بکنے والے کو کیا اختیار حاصل ہے کہ وہ خریدار کے اختیارات کا تعین کرے ۔یہ پہلی زناٹے دار چپیڑ اس بچے نے شیطان کے منہ پر ماری تھی جس کی گونج قیامت تک سنائی دیتی رہے گی ۔دنیاوی لحاظ سے اس ’’بچہ‘‘ کے پاس کوئی ڈگری نہیں تھی ۔میٹرک بھی پاس نہ تھا میٹرک تک بھی رعائتی طور پر آیا اس کے آگے چونکہ لوکل رعایت نہیں تھی اس لئے انڈر میٹرک کہلوایا۔حضرت حکیم نور الدین صاحب نے اسے قرآن کریم اور احادیث کی چاٹ لگائی اور رخ متعین کیا۔پھر کیا تھا اللہ تعالیٰ ہی اس کا استاد تھا، محافظ تھا اور خوب تھا۔اس کا مقدس باپ اس کا مقام جانتا تھا۔19 سال کی عمر میں جب وہ مقدس باپ اس دنیا سے رخصت ہو رہا تھا تو آخری نظر اس نے اپنے نوعمر بیٹے پر ڈالی تھی اور نہایت مطمئن ہو گیا تھا۔اسی کی مقدس میت پر کھڑے ہو کر نوعمر بیٹے نے ایک عہد کیا تھا کہ اگر تمام دنیا بھی میرے مامور باپ کو چھوڑ جائے وہ نہیں چھوڑے گا اور اس کا مشن کامیاب کرے گا ۔اس نے اپنا عہد پورا کر دکھایا اور جب وہ 1965ء میں اپنے نفسی نقطۂ آسمان کی طرف اٹھایا گیا تو فرشتوں نے بھی گواہی دی کہ اس نے اپنا قول پورا کر دیا۔بہر حال جب تک دنیا قائم ہے حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد خلیفۃ المسیح الثانی المصلح الموعود کا نام نامی مذہبی تاریخ میں سنہری حروف میں لکھا جائے گا۔اس نے تن تنہا دین حق کو دوبارہ دنیا میں زندہ کر دیا۔اللہ تعالیٰ اسے اپنے مقرب ترین بندوں میں شامل فرمائے اور اس کے درجات ہمیشہ بلند فرماتا رہے اور اپنے پیاروں کی معیت عطا فرمائے ۔جنت کے بلند ترین درجے میں۔آمین

کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر کرنے والا بابرکت وجود۔حضرت مصلح موعودؓ:

صرف قرآن کلام اللہ ہے اور اس کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے ذمہ لیا ہے۔

حضرت مسیح موعودؑ نے دین حق کی سربلندی ظاہر کرنے کے لئے اللہ تعالیٰ سے رحمت اور قربت کا نشان مانگا تھا۔جس کے لئے آپ نے ہوشیار پور کے ایک مکان میں چالیس دن کے لئے شب و روز عبادت اور گریہ وزاری کی اور چالیس روز کے بعد اس چلہ کے اختتام پر یہ اعلان فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ مجھے ایک ایسے بیٹے سے نوازے گا جو اپنی غیر معمولی صفات کے ذریعہ سے دین حق کی ترقی وتمکنت اور سرفرازی کا باعث ہوگا اور قومیں اس سے برکت پائیں گی۔چنانچہ آپ نے 20 فروری 1886ء کے ایک اشتہار میں اس عظیم الشان پیشگوئی کو دنیا کے سامنے پیش کیا۔یہ پیشگوئی حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانی کے وجود باجود میں اس طرح پوری ہوئی ہے جس طرح آفتاب جب پڑھتے وقت اپنی گواہی وہ خود دیتا ہے کہ وہ آفتاب ہے اور کسی اور کی اسے گواہی کی ضرورت نہیں ہوتی اس پیشگوئی کے اس وقت صرف ایک پہلو کو لیتا ہوں۔تا دین اسلام کا شرف اور کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر ہو' اس میں سے بھی صرف اس پہلو کو کہ قرآن کریم کو آپ نے کس طرح کلام اللہ ثابت کیا ہے یعنی حضور نے یہ ثابت کردیا ہے کہ قرآن کریم نہ صرف یہ کہ کتاب اللہ ہے بلکہ کلام اللہ بھی ہے۔آپ نے یہ دنیا کو بتایا کہ قرآن کریم کے اعراب بلکہ ہر حرف اور ہر لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے یہ نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک مضمون رسول کریمؐ کے دل میں ڈال دیا اور الفاظ ان کو خود بنانے پڑے حضور نے یہ بھی ثابت کیا ہے کہ جو کچھ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں اتارا ہے وہ من وعن اسی طرح محفوظ چلا آرہا ہے اور ہمیشہ محفوظ رہے گا۔کیونکہ ایک قادر ہستی ہے جس نے یہ ذکر اتارا ہے او روہ اسی کی حفاظت کا ذمہ لے چکی ہے قرآن کریم میں ہے کہ ہم نے ہی اس ذکر کو اتارا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ رہیں گے۔(الحجر آیت:10)

تفسیر کبیر کی پہلی جلد کے دیباچہ میں آپ لکھتے ہیں

''قرآن کریم ایک ہی کتاب ہے جو کلام اللہ کہلا سکتی ہے دوسری کتب خواہ الہامی بھی ہوں کلام اللہ نہیں کیونکہ ان میں انسانی کلام بھی شامل ہے۔خالص کلام اللہ الف سے لے کری تک بسم اللہ سے لے کر والناس تک صرف قرآن کریم ہے یہ کتاب اس وقت سے کہ نازل ہوئی ہمارے زمانہ تک جوں کی توں ہے نہ ایک لفظ کم نہ ایک لفظ زیادہ۔نہ کوئی حکم نا قابل عمل۔نہ کوئی آیت منسوخ۔ہر اک زبر زیر محفوظ ہر ایک حرکت و وقف بعینہ۔پس اس کے سوا اور کوئی کتاب نہیں جسے اس تعیین کے ساتھ اپنے لئے مشعل راہ بنایا جا سکے کہ اس سے کوئی مشتبہ حکم نہ ملے گا.........میں نے اس امید کے ساتھ اس کلام اللہ کی تفسیر لکھی ہے کہ جو لوگ عربی نہیں جانتے یا بدقسمتی سے اس کلام پر غور کرنے کا وقت نہیں پاتے یا جن کے دل میں یہ خواہش پیدا نہیں ہوتی انہیں کلام اللہ سمجھنے کا موقعہ مل جائے اور اس کی اندرونی خوبیوں سے وہ واقف ہوجائیں۔

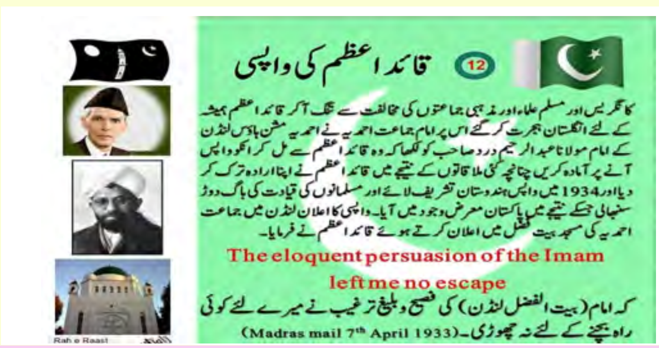
حضرت مصلح موعود نے قرآن کریم کے انوار اور محاسن اپنی چھ تقاریر میں کچھ اس طرح سے بیان فرمائے ہیں جس کی نظیر نہیں ملتی۔یہ چھ تقاریر حضور نے دسمبر 1928ء سے مسلسل پانچ سال ہر سال جلسہ سالانہ قادیان کے موقع پر کیں اور اس سلسلہ کی آخری اور چھٹی تقریر حضور نے جلسہ سالانہ قادیان 28دسمبر 1936ء میں کی۔یہ تقاریر فضل عمر فاؤنڈیشن نے ''فضائل القرآن'' کے نام سے شائع کی ہیں۔جن احباب نے یہ تقاریر پڑھی ہیں وہ جانتے ہیں کہ حضور نے کس طرح کلام اللہ کا مرتبہ لوگوں پر ظاہر فرمایا ہے اور اس کے نتیجہ میں کس طرح دین حق کا شرف ظاہر ہوا ہے۔حضور کی تقریر مورخہ 28دسمبر 1931ء برموقع جلسہ سالانہ قادیان کے کچھ حصہ کو پیش کیا جارہا ہے جس میں حضور نے یہ ثابت فرمایا ہے کہ قرآن شریف نہ صرف کتاب اللہ ہے بلکہ کلام اللہ بھی ہے اور یہ ثبوت بھی قرآن کریم کی آیات سے ہی پیش کیا ہے۔صرف قرآن کلام اللہ ہے آپ فرماتے ہیں۔میں اس مضمون پر پچھلے سال بیان کررہا تھا کہ قرآن کریم نہ صرف اس لحاظ سے محفوظ ہے کہ کوئی انسانی ملاوٹ اس میں نہیں ہوئی بلکہ کوئی انسانی ملاوٹ اس میں ہوبھی نہیں سکتی۔گویا قرآن کریم کو یہی فضیلت حاصل نہیں کہ باقی آسمانی کتابوں میں انسانی تصرف ہو چکا ہے مگر اس میں نہیں ہوا۔بلکہ اس کی یہ بھی فضیلت ہے کہ دوسری کتابوں میں انسانی تصرف ممکن ہے مگر قرآن میں ممکن بھی نہیں۔میں نے اس کے دو ثبوت پچھلے سال بیان کئے تھے اب میں

تیسرا ثبوت اس امر کا کہ قرآن کریم میں تبدیلی نہیں ہوسکتی بیان کرتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ قرآن کریم کلام اللہ ہے اور کلام اللہ میں عقلاً انسانی تبدیلی ناممکن ہے ۔شاید اکثر لوگ حیران ہوں کہ کلام اللہ تو باقی کتابیں بھی ہیں ۔ پھر قرآن کو یہ خصوصیت کس طرح حاصل ہوئی ۔حضرت موسیٰ علیہ السلام پر جو کتاب نازل ہوئی وہ بھی کلام اللہ تھی ۔اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام ،حضرت ابراہیم علیہ السلام اور دیگر انبیاء پر بھی خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوا۔ جب وہ بھی کلام اللہ ہے تو کیا وجہ ہے کہ ان میں تو نہ صرف تبدیلی ہو سکتی ہے بلکہ ہوئی اور قرآن میں نہ ہوئی بلکہ نہیں ہوسکتی ایک ہی چیز میں یہ فرق کیوں ہے؟ میں ابھی بتاؤں گا کہ یہ حیرت درحقیقت درست نہیں اور یہ قرآن کریم کی افضلیت کا ایک بہت بڑا ثبوت ہے کہ یہ کلام اللہ ہے ۔اس وجہ سے قرآن نہ صرف غیر الہامی کتب سے افضل ہے یا الہامی کتب کی موجودہ شکل سے ممتاز ہے ۔ بلکہ یہ اس کی ایسی فضیلت ہے کہ اس میں کبھی بھی کوئی کتاب اس کی شریک نہیں ہوئی ۔..........قرآن کریم میں کلام اللہ کا لفظ تین جگہ استعمال ہوا ہے ۔اور تینوں جگہ قرآن کے متعلق ہی استعمال ہوا ہے ۔اور قرآن ہی یہ دعویٰ کرتا ہے کہ وہ کلام اللہ ہے ۔اول سورۃ توبہ رکوع اول میں آتا ہے ۔خدا تعالیٰ فرماتا ہے ۔اے رسول !اگر مشرکوں میں سے کوئی شخص تجھ سے پناہ مانگے تو تُو اسے پناہ دے ۔.......... یہاں تک کہ تیری صحبت میں رہ کر وہ کلام اللہ سن لے ثم ابلغہ مامنہ پھر اسے امن کی جگہ پہنچا دو۔.......... یہ اس لئے حکم دیا گیا ہے کہ وہ قوم دین کا علم نہیں رکھتی اور جب تک علم دین حاصل نہ کرے گی کس طرح دین سیکھ سکے گی ۔گو کفار کے ساتھ لڑائی ہے ۔وہ تم سے جنگ کر رہے ہیں اور جنگ کی حالت میں غیر کو مارنے کا تمہیں حق حاصل ہے لیکن چونکہ تم مذہبی پیشوا ہو۔اس لئے ہم تمہیں حکم دیتے ہیں کہ حکومتوں کے دستور کے خلاف اگر کوئی غیر قوم کا فرد تمہارے پاس آئے اور کلام اللہ سننا چاہے ۔تو اسے سناؤ ۔اگر وہ زمانے اور واپس جانا چاہے تو اسے واپس پہنچا دو اسے کوئی تکلیف نہ پہنچے ۔دوسرے جگہ آتا ہے(۔) فرمایا(۔) کیا تم اس بات کی امید رکھتے ہو کہ وہ تمہاری باتیں مان لیں گے ۔بعض صحابہؓ سمجھتے تھے کہ یہود ہماری باتیں مان لیں گے ۔ان کے ساتھ مسلمانوں کی دوستیاں تھیں ۔تعلقات تھے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔کیا تمہاری ایسی دوستی ہے کہ وہ تمہاری بات مان لیں گے حالانکہ ان میں سے ایک جماعت آتی ہے ۔قرآن سنتی ہے..........اس کا مفہوم سمجھنے کے بعد اور بات بنا لیتی ہے ۔جو جھوٹ ہوتی ہے ۔حالانکہ وہ لوگ جانتے ہیں کہ جھوٹ بول رہے ہیں ۔جب قرآن کے متعلق ان کا یہ حال ہے ۔تو تمہاری باتیں کہاں مان سکتے ہیں ۔بعض نے یہاں کلام اللہ سے تورات مراد لی ہے مگر رسول کریمؐ کے زمانہ میں کون سے ایسے یہودی علماء تھے کہ جن کی تحریف کوئی اثر رکھتی تھی ۔معمولی درجہ کے لوگ تھے ۔اگر کوئی سردار تھا تو محلّہ کے سردار سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا تھا ۔اس لئے مدینہ کے یہود کو خیال بھی نہیں آسکتا تھا کہ اگر وہ تورات کو بدل کر پیش کریں گے تو لوگ مان لیں گے ۔وہ یہی کرتے تھے کہ رسول کریمؐ کی صحبت میں آتے ۔قرآن کریم سنتے اور پھر بالکل جھوٹی باتیں جا کر بیان کرتے ....اس بات کا ثبوت کہ یہ انہی کے متعلق ہے یہ ہے کہ اگلی آیت میں آتا ہے ۔(۔) وہ مسلمانوں کے پاس آکر کہتے ہیں ہم تو ایمان لے آئے ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تحریف کرنے والے بھی رسول کریمؐ کے زمانہ کے لوگ تھے اور قرآن سن کر دوسروں کے سامنے جھوٹ بولتے اور کہتے کہ اس نے یوں کہا ہے ۔ووں کہاں ہے ۔پھر اس جگہ فرماتا ہے..........کلام اللہ سنتے ہیں ۔مگر یہودی کوئی کتاب نہیں سنتے تھے بلکہ پڑھتے تھے اور اس میں فقرے داخل کرنے والا سن کر نہیں بلکہ پڑھ کر داخل کرسکتا ہے اگر بائبل مراد ہوتی تو یقرء ون آتا ۔کیونکہ بائبل تو وہ لوگ پڑھا کرتے تھے ۔پس یہاں تورات کا نہیں بلکہ قرآن کا ذکر ہے اور مراد یہ ہے کہ مسلمانوں سے سن کر اور سمجھ کر ایسے رنگ میں بیان کرتے ہیں کہ لوگ مخالفت میں بڑھیں ۔تیسری آیت سورۃ فتح رکوع 2 کی ہے ۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ۔(۔) فرمایا۔وہ لوگ جن کو پیچھے چھوڑا گیا ہے ۔جب تم جنگ کو جاتے ہو اور وہ سمجھتے ہیں کہ فتوحات حاصل ہوں گی اور غنیمتیں ملیں گی ۔تو کہتے ہیں ۔ہمیں بھی ساتھ لے چلو وہ چاہتے ہیں کہ اس طرح خدا کے کلام کو بدل دیں ۔اگر تم ان کو ساتھ لے جاؤ گے تو وہ کہیں گے دیکھو انہوں نے خدا کے کلام کو بدل دیا ہے ۔جس میں کہا گیا تھا کہ یہ نہیں جائیں گے اور اگر نہ لے جاؤ گے تو کہیں گے یہ حریص ہیں ۔سب کچھ خود ہی حاصل کرنا چاہتے ہیں ۔غرض قرآن میں کلام اللہ کا لفظ تین جگہ آیا ہے اور تینوں جگہ قرآن کریم کے

متعلق ہی استعمال ہوا ہے۔کسی اور کتاب کے متعلق نہیں۔اس لئے عقلاً یہی کہا جائے گا کہ قرآن ہی کلام اللہ ہے اور ہمارا کوئی حق نہیں کہ ہم بلا دلیل یہ خیال کریں کہ قرآن کریم کے سوا کوئی اور آسمانی کتاب بھی کلام اللہ کے نام کی مستحق ہے۔حضرت موسیٰ علیہ السلام کی کتاب کا نام کلام اللہ نہیں رکھا گیا۔پھر اس کو ہم کلام اللہ کیسے کہہ سکتے ہیں۔خصوصاً جب کہ میں آئندہ ثابت کروں گا کہ تاریخاً بھی ان میں سے کوئی کتاب کلام اللہ نہیں۔قرآن کریم میں انبیاء کو کلمہ کہا گیا ہے۔الہامات کو کلمات کہا گیا ہے۔بلکہ کلمات اللہ بھی کہا گیا ہے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ............موسیٰؑ سے خدا نے خوب اچھی طرح کلام کیا۔لیکن باوجود اس کے حضرت موسیٰؑ کی کتاب جس کا بہت سی جگہ قرآن کریم میں ذکر آیا ہے۔اسے کلام اللہ نہیں کہا گیا۔جیسا کہ فرمایا............یعنی وہ لوگ جن کو کتاب اللہ دی گئی تھی انہوں نے اسے اپنی پیٹھوں کے پیچھے ڈال دیا گویا کہ انہیں علم ہی نہیں۔پس صاف معلوم ہوتا ہے کہ کتاب اللہ اور کلام اللہ میں فرق ہے۔کتاب اللہ ہر اس کتاب کو جس میں خدا کی باتیں ہوں کہا جا سکتا ہے۔لیکن کلام اللہ ہر ایک کو نہیں کہا جا سکتا۔دوسری الہامی کتابوں کو کتاب اللہ کہا گیا ہے۔اور کتاب اللہ کا لفظ قرآن کے متعلق بھی موجود ہے مگر دوسرا لفظ کلام اللہ صرف قرآن کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔کسی اور کے لئے نہیں۔یہ فرق ہے اور یہ بغیر حکمت کے نہیں۔وحی الٰہی کی مختلف اقسام؛اس فرق کو سمجھنے کے لئے یاد رکھنا چاہیے کہ انبیاء کی وحی کئی قسم کی ہوئی ہے۔

(ا) ایک وہ وحی ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کے الفاظ میں کانوں میں پڑتی ہے اور زبان پر جاری ہوتی ہے۔مثلاً خدا تعالیٰ نے رسول کریمؐ کو سنایا۔الحمدللہ............یہ الفاظ کان میں آواز کے طور پر پڑے اور زبان پر جاری ہوئے۔اس آیت کا ا، ل، ح، م، د اور ان کے اعراب سب خدا تعالیٰ کے بتائے ہوئے ہیں۔یہ نہیں کہ خدا تعالیٰ نے ایک مضمون رسول کریمؐ کے دل میں ڈال دیا۔بلکہ ہر حرف اور ہر لفظ خدا تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے۔یہ وحی سب انبیاء پر نازل ہوئی۔(2) دوسری وحی رویا اور کشوف ہیں۔یہ الفاظ میں نہیں بلکہ نظاروں میں ہوتی ہے۔مثلاً رسول کریمؐ جب احد کی جنگ میں تشریف لے جانے لگے۔تو آپؐ نے دیکھا کہ آپؐ کی تلوار کی دھار ٹوٹ گئی ہے اور دیکھا کہ ایک گائے ذبح کی جا رہی ہے۔آپؐ نے فرمایا۔تلوار کی شکستگی سے مراد فتح ہے جو مشتبہ ہو گی اور گائے کے ذبح ہونے سے مراد یہ ہے کہ کچھ احباب شہید ہوں گئے۔یہ وحی بھی خدا تعالیٰ کی طرف سے تھی مگر فرق یہ ہے کہ پہلی وحی الفاظ میں تھی اور یہ نظارہ میں ہے اور نظارہ بیان کرتے وقت اپنے الفاظ بیان کرنے پڑتے ہیں۔بالکل ممکن ہے کہ اس بیان میں کچھ اونچ نیچ ہو جائے۔

(3) تیسری وحی خفی ہوتی ہے جو الفاظ میں نازل نہیں ہوتی۔نہ نظارہ دکھایا جاتا ہے بلکہ تفہیم اور انکشاف کے ذریعہ سے ہوتی ہے۔دل میں ایک خیال پیدا ہوتا ہے مگر ساتھ ہی یہ بھی دل میں ڈالا جاتا ہے کہ یہ تمہارا خیال نہیں بلکہ خدا کی طرف سے ڈالا گیا ہے اور الفاظ اس کو خود بنانے پڑتے ہیں۔یہ سب سے ادنیٰ درجہ کی وحی ہے۔اس سے بڑھ کر رؤیا اور کشف کی وحی ہوتی ہے۔مگر اس میں تاویل کی ضرورت ہوتی ہے۔اور تاویل میں غلطی کا احتمال ہوتا ہے۔لیکن پہلی وحی جو الفاظ میں ہوتی ہے اس میں غلطی کا کوئی احتمال نہیں ہوتا۔یہ سب سے اعلیٰ درجہ کی ہوتی ہے۔اب اگر ایک نبی اپنی تمام وحی کو ایک کتاب میں جمع کر دے جس میں وحی کلام بھی ہو اور وحی کشف و رویا بھی ہو اور وحی خفی بھی نبی کے اپنے الفاظ میں ہو تو اسے ہم کتاب اللہ تو کہہ سکتے ہیں۔لیکن ہم اسے کلام اللہ نہیں کہہ سکتے۔کیونکہ وہ سب کی سب کلام اللہ نہیں بلکہ اس میں ایک حد تک کلام بشر بھی ہے گو مضمون سب کا سب خدا تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس وجہ سے وہ کتاب، کتاب اللہ ہے۔اب اس فرق کو مدنظر رکھ کر دیکھ لو۔دنیا کی کوئی کتاب خواہ کسی قوم کی ہو اور کس قدر ہی شد و مد کے ساتھ خدا تعالیٰ کی طرف منسوب کی جاتی ہو کلام اللہ نہیں ہو سکتی۔کیونکہ ایک بھی ایسی کتاب نہیں نہ موجودہ صورت میں اور نہ اس صورت میں جس طرح کسی نبی نے دی تھی کہ اس کے تمام کے تمام الفاظ خدا تعالیٰ کے ہوں۔اس میں بعض الفاظ خدا تعالیٰ کے ہوں گے بعض نظارے ہوں گے اور بعض مفہوم بیان کئے گئے ہوں گے......



رسول کریمؐ کی فضیلت؛ یہ فضیلت صرف رسول کریم ﷺ کو ہی حاصل ہے کہ ساری کی ساری شریعت آپؐ کو وحی کے الفاظ میں عطا ہوئی۔ باقی سب انبیاء کی کتب میں کچھ کلام الٰہی تھا۔ کچھ نظارے تھے اور کچھ مفہوم جسے انہوں نے اپنے الفاظ میں بیان کیا۔ اگر وہ نظاروں اور مفہوم کے حصہ کو علیحدہ کر دیتے تو ان کی کتابیں نامکمل ہو جاتیں کیونکہ ان کا سارا دین کلام اللہ میں محصور نہیں۔ کچھ رویا اور کشوف ہیں اور کچھ وحی خفی کے ذریعہ سے تھا۔ اگر وہ کلام اللہ کو الگ کرتے تو ان کا دین ناقص رہ جاتا۔ برخلاف اس کے قرآن کریم میں سب دین آ گیا ہے اور کلام اللہ میں ہی سب دین محصور ہے۔ پس قرآن کے سوا اور کسی نبی کی کتاب کا نام کلام اللہ ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ نام صرف قرآن کریم کا ہی ہے۔ حفاظت قرآن کی وجہ۔ اصل بات یہ ہے کہ چونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم کو اکمل بنانا تھا اسلام کو اکمل دین اور قرآن کو آخری کلام بنانا تھا اس لیے ضروری تھا کہ اسے ایسا محفوظ بنا تا کہ کوئی مطلب فوت نہ ہو اور اس کی ایک ہی صورت تھی اور وہ یہ کہ عالم الغیب خدا کے الفاظ میں سب کچھ بیان ہو۔ رویا اور کشوف میں جھگڑے اور اختلاف پڑ جاتے ہیں۔ اس لئے شریعت اسلامیہ کو خدا تعالیٰ نے اپنے الفاظ میں اتار کر اس کا نام کلام اللہ رکھا اور کہہ دیا کہ اس کے سب الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم کے سوا اور کوئی ایسی کتاب نہیں جس کے الفاظ سے نئے نئے مضامین نکلتے چلے آئیں۔ صرف قرآن کرم ہی وہ کتاب ہے جس کے مطالب کبھی ختم نہیں ہوتے۔ رات دن قرآن کریم کو پڑھو۔ قرآن کے حقائق کبھی ختم نہ ہوں گے۔ اس کی حکمتیں نکلتی چلی آتی ہیں اور ہر لفظ پُرحکمت معلوم ہوتا ہے۔ پرانے زمانہ کی کہانیوں میں بیان کیا جاتا ہے کہ ایک تھیلی ہوتی تھی جس میں سے ہر قسم کے کھانے نکلتے آتے تھے۔ مگر یہ تو وہمی اور خیالی بات تھی۔ قرآن کریم واقر میں ایسا خزانہ ہے جو کبھی ختم نہیں ہوتا۔ اس کی جگہ دوسری کتب میں یہ بات نہیں۔ مثلاً مسیحی وغیرہ خود اقرار کرتے ہیں کہ اصل عبارتوں میں غلطیاں ہو گئی ہیں۔ میرا یہ مطلب نہیں کہ پہلے انبیاء پر کلام اللہ نازل نہیں ہوتا تھا۔ بلکہ یہ ہے کہ ان کا سب دین اور سب کتاب کلام اللہ میں محصور نہ ہوتے تھے۔ یہ امر کہ قرآن کریم کے کلام اللہ ہونے کا اثر اس کے تبدیل نہ ہونے پر خاص طور پر پڑا ہے مخالفوں تک نے تسلیم کیا ہے۔ چنانچہ سر ولیم میور لکھتا ہے۔ قرآن کریم کے محفوظ رہنے کی یہ بھی گارنٹی ہے کہ ہر مسلمان کے دل میں یہ بات نقش تھی کہ قرآن کا ہر شوشہ اور ہر لفظ خدا کی طرف سے ہے۔ دوسرا فائدہ کلام اللہ کے اس طرح جمع کرنے کا یہ ہوا کہ اس میں تاریخ اور تفہیم آ ہی نہیں سکتی۔ مثلاً قرآن میں یہ نہیں لکھا کہ میں فلاں جگہ گیا اور وہاں یہ الہام ہوا۔ بلکہ اس کی عبارت اس طرح چلتی ہے کہ ہر لفظ بتاتا ہے کہ وہ اللہ کی طرف سے ہے۔ اس لئے بندہ اس میں کوئی اور کلام داخل ہی نہیں کر سکتا اور اگر کرے تو بالکل بے جوڑ معلوم ہو گا۔ لیکن پہلی کتب میں چونکہ تفہیم بھی درج تھی اس لئے کسی کا تفہیم کو درج کرنا غلطی کو ظاہر نہیں ہونے دیتا تھا۔ غرض قرآن کریم کلام اللہ کے نام میں منفرد ہے۔ جس طرح کعبہ بیت اللہ کے نام میں دوسرے بیوت سے منفرد ہے۔ خدا تعالیٰ نے خانہ کعبہ کو بیت اللہ قرار دیا ہے اور قرآن کریم کو کلام اللہ قرار دیا ہے۔ کعبہ کو بھی یہ نام اس لئے دیا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حکم سے بنوایا تھا۔ اگر دوسرے مقامات کو بھی خدا تعالیٰ بنواتا تو وہ منسوخ نہ ہوتے۔ چونکہ دوسرے گھروں نے منسوخ ہونا تھا۔ اس لئے انہیں یہ نام نہ دیا گیا۔ اسی طرح قرآن کریم نے بھی چونکہ ہمیشہ قائم رہنا تھا۔ اسے بھی کلام اللہ کی صورت میں نازل کیا گیا اور اسے یہ نام دیا گیا تا کوئی اپنا کلام اس میں داخل نہ کر سکے۔

(فضائل القرآن ص178 تا 187)

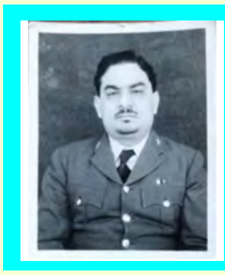






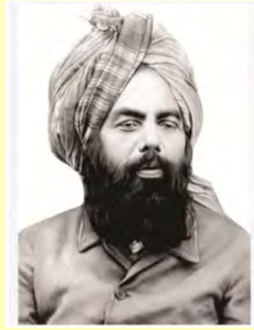
محترم ڈاکٹر بریگیڈیئر (ر) صاحبزادہ مرزا مبشر احمد صاحب

ملک طاہر احمد ابن ملک حبیب الرحمٰن لاہور



حضرت مسیح موعود کے پوتے اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے بیٹے محترم ڈاکٹر بریگیڈیئر (ریٹائرڈ) مرزا مبشر احمد صاحب (مرحوم) ایک بہت ہی کامیاب اور مشہور آئی سپیشلسٹ تھے خاکسار سے ان کی ملاقات 1981ء میں لاہور میں اس وقت ہوئی جب خاکسار حبیب بینک لمیٹڈ کی ڈیوس روڈ برانچ لاہور میں بطور سیکنڈ آفیسر کے ٹرانسفر ہو کر آیا تھا۔ محترم ڈاکٹر صاحب مرحوم کا اکاؤنٹ ہمارے بینک میں تھا ایک روز بہت ہی چمکتی آنکھوں والے بہت پُر شفقت چہرے والے، دھیمی دھیمی گفتگو کرنے والے، میانے قد کے، ذرا سا سڈول جسم والے صاحب خاکسار کے پاس تشریف لائے اور انہوں نے اپنا تعارف کروایا۔ خاکسار جب تعلیم الاسلام کالج ربوہ میں 1960ء سے 1965ء تک تعلیم حاصل کر رہا تھا تو حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کی ملاقات سے کئی مرتبہ بہرہ مند ہو چکا تھا اور یہ بھی سن چکا تھا کہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب کے صاحبزادے اور ہمارے کلاس فیلو ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب کے علاوہ بھی خاندان حضرت مسیح موعود میں ایک اور ڈاکٹر مرزا مبشر احمد صاحب بھی ہیں جو کہ حضرت مرزا بشیر احمد صاحب کے صاحبزادے ہیں اور آئی سپیشلسٹ ہیں۔ بہر حال خاکسار کو انتہائی خوشی ہوئی اور خاکسار نے جب ان کا مکمل تعارف حاصل کر لیا تو پھر اپنے متعلق بھی ذرا "کھل" کر بتایا۔ بس پھر کیا تھا۔ تمام اجنبیت، تمام فاصلے اسی وقت ختم ہو گئے اور اس کی جگہ بہت ہی اپنائیت، خلوص اور پیار نے لے لی جو ہمیشہ ہمارے درمیان رہا اور پھر بڑھتا ہی چلا گیا وہ شخص بہت ہی پیارا وجود تھا۔ کم گو، سادہ، حلیم طبیعت، ہمدرد، بے ریا، پُرسکون، نرم مزاج بے نفس، لالچ سے مبرا، اپنے عظیم اور مقدس دادا اور اپنے مقدس باپ کی تصویر۔ محترم ڈاکٹر صاحب سے پھر کئی ملاقاتیں ہوئی۔ زیادہ تر بینک میں ہی لیکن کچھ ملاقاتیں ان کے کلینک میں بھی ہوئیں جو کہ بینک کے پاس ہی شملہ پہاڑی کے پاس ایک کوٹھی میں واقع تھا۔ خاکسار چند بار ان کو اپنی "آنکھیں دکھانے کے لئے" گیا تھا۔ جس کا معاوضہ محترم ڈاکٹر صاحب نے کبھی نہیں لیا۔ باوجود خاکسار کے پُرزور اصرار کرنے کے۔

ایک مرتبہ خاکسار کی آنکھوں میں شدید انفیکشن ہو گئی اور اتنا شدید درد تھا کہ ناقابل بیان خاکسار نے ڈاکٹر صاحب کو اپنے گھر سے ٹیلیفون کیا۔ ڈاکٹر صاحب بھی اس وقت اپنی رہائش گاہ واقع شمالی چھاؤنی لنک شامی روڈ میں تھے۔ فرمایا کہ فوراً پہنچ جاؤ خاکسار بڑی مشکل سے کار ڈرائیو کرتا ہوا ان کی رہائش گاہ تک پہنچا۔ وہ وقت یقیناً ڈاکٹر صاحب کے آرام کا وقت تھا۔ لیکن خاکسار کے پہنچنے پر فوراً اندر بلوا لیا اور فوری طور پر آنکھوں کا معائنہ کیا اور اپنے دوائیوں کے بکس میں سے مختلف دوائیاں وقفے وقفے سے ڈالنی شروع کر دیں اور ساتھ ہی ساتھ بہت تسلی آمیز گفتگو بھی کرتے رہے۔ درد آہستہ آہستہ غائب ہونے لگا اور آنکھوں کو سکون اور چین نصیب ہوا۔ تقریباً دو گھنٹے تک ڈاکٹر صاحب مسلسل خاکسار کے پاس بیٹھے رہے اور دوائیاں بھی ڈالتے رہے۔ اس کے بعد محترم ڈاکٹر صاحب نے خاکسار کو جانے کی اجازت دے دی اور کچھ قیمتی ادویات بھی ساتھ دے دیں اور جو نہیں تھیں وہ لکھ کر دے دیں۔ خاکسار کے مسلسل اصرار کے باوجود کوئی معاوضہ نہیں لیا۔ خاکسار یہ بیان کرنا چاہتا ہے کہ ڈاکٹرز اور بھی تھے۔ بینک کے بھی تھے۔ دوسرے بھی تھے۔ لیکن ایسے عالم میں جب وقت نہ لیا ہوا۔ کلینک نہ کھلا ہو کوئی ڈاکٹر بھی آنکھوں کا معائنہ نہیں کرتا یہ صرف اور صرف ایک احمدی ڈاکٹر اور وہ بھی حضرت مسیح موعود کا پوتا اور حضرت مرزا بشیر احمد صاحب جیسے باپ کا بیٹا ہی اپنے آرام کو تج کر کے اپنے قیمتی وقت کو صرف کر کے اور وہ بھی بلا معاوضہ ایسا کر سکتا ہے اب ڈاکٹر صاحب گو اس دنیا میں نہیں ہیں لیکن میرے جیسے کافی لوگوں کے دلوں میں ہمیشہ کے لئے بستے رہیں گے اللہ تعالیٰ ان کے درجات ہمیشہ بلند کرتا رہے اور ان کو اپنے مقدس اور عظیم دادا اور اپنے مقدس والدین کو قدموں میں جگہ دے۔ آمین



جلسہ سالانہ ربوہ

مولانا منور احمد خورشید صاحب



آج کل جلسہ سالانہ انگلستان کی تیاریاں ہورہی ہیں۔خدام وانصار آئے روز حدیقۃ المہدی میں وقارعمل کے لئے آتے جاتے نظر آتے ہیں۔ ہراحمدی گھرانے میں جلسہ سالانہ ہی موضوع سخن ہے۔کسی چیز کی محرومی اس کی اہمیت میں اضافہ کردیتی ہے۔کیونکہ گذشتہ سال کرونا کے باعث جلسہ منعقد نہ ہوسکا۔اس لئے امسال کے جلسہ سالانہ کے لئے ہرکوئی پُرجوش ہے۔

جلسہ سالانہ ربوہ

انگلستان کے جلسوں سے قبل ربوہ پاکستان میں جلسے دیکھا کرتے تھے۔یہی وجہ ہے کہ جلسہ سالانہ کا نام سنتے ہی جلسہ سالانہ ربوہ کی روح پرور یادوں کے دریچے واہوجاتے ہیں۔موجودہ فرعونی دور میں ربوہ میں جلسہ سالانہ منعقد کرنے کی اجازت نہیں ہے۔لیکن اللہ تعالی کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ہماری سوچوں پر پابندی ان کے اختیار میں نہیں ہے۔

آج سوچا کیوں نہ کچھ ربوہ کے جلسہ سالانہ دور کی باتیں کی جائیں ۔تاکہ ان حسین یادوں کے پُرکیف تخیلاتی نظاروں سے کسی حد تک تسکین خاطراورراحت جان کا سامان پیدا ہو۔ سوچا جلسہ سالانہ ربوہ کی حسین یادوں کا ایک مختصر سا خاکہ پیش کیا جائے۔جس سے ہر صاحب تجربہ لطف اندوز ہوسکے۔

گو ہاتھ کو جنبش نہیں آنکھوں میں تو دم ہے
رہنے دو ابھی ساغرو مینا مرے آگے

جلسہ سالانہ کی آمد

ہرسال ماہ دسمبر میں جلسہ سالانہ مرکز احمدیت ربوہ میں ہوا کرتا تھا۔جس کا انتظار ہراحمدی گھرانہ میں سال بھر جاری رہتا تھا۔انصاراللہ کے ہال کے ساتھ ملحقہ میدان میں دفتر جلسہ سالانہ ہوا کرتا تھا۔جو سارا سال جلسے کی تیاری میں باقاعدگی کے ساتھ کھلا رہتا تھا اور بڑی ہی خاموشی کے ساتھ کارکنان اتنے بڑے جلسے کے انتظامات کرنے میں مگن رہتے تھے۔

ربوہ میں جلسہ سالانہ کی تیاری

جوں جوں جلسہ سالانہ کے ایام قریب آتے۔ایسے احساس ہوتا جیسے عید یا شادی کا سماں ہے۔ربوہ کا ہر فرد بہت زیادہ پُرجوش اور مصروف نظر آتا۔ گھروں کی سفیدیاں ہورہی ہیں،مہمان نوازی کے لئے خرید وفروخت، خوردوکلاں کے لئے حسب توفیق ،موسم کی مناسبت سے کپڑوں کی خریداری جاری ہے۔

جہاں ایک طرف اس بستی کا ہرمکین اپنے گھر کو سجانے میں مصروف ہے۔دوسری طرف ربوہ شہر کی گلیوں،کوچوں اور بازاروں کی تزئین کا سلسلہ بھی جاری ہے۔شعبہ تربیت کی جانب سے مرکزی مقامات قرآنی آیات، احادیث مبارکہ،ملفوظات اور دیگر تربیتی اقوال لکھ کر آویزاں کردئے جاتے ہیں۔

وقارعمل

اگر ہم چند دہائیاں پیچھے مڑ کر دیکھیں تو اس دور میں ہمارا معیار زندگی بہت سادہ ہوتا تھا۔کیونکہ آج کی طرح مشینی دور کا آغاز نہیں ہوا تھا۔زیادہ تر ہاتھوں سے مزدوری کی جاتی تھی۔وقارعمل کے لئے مختصر سا سامان کسی اور کڑاھی ہی ہوتا تھا۔جلسہ سالانہ کی تیاری کے سلسلے میں ہر محلہ میں وقارعمل کئے جاتے تھے۔کبھی کسی محلہ کی صفائی،کبھی کسی لنگر خانے میں کام کیا جارہا ہے۔مجھے یاد ہے ایک سال جامعہ احمدیہ کے طلبہ کئی دن،رات گئے تک لنگر خانہ نمبر ایک میں وقارعمل کرتے رہے۔

ربوہ کا ایک نیا روپ

ا۔عام حالات میں ربوہ ایک بہت ہی خاموش اور پُرسکون شہر ہوتا ہے۔لیکن

جلسہ کے دنوں میں بہت ہی بارونق شہر کا روپ اختیار کرلیتا ہے۔ ہر طرف لوگوں کی آمدورفت ہے، سائیکلوں اور تانگوں کا شہراب گاڑیوں، کاروں اور دیگر سواریوں سے بھر جاتا ہے۔ ادھر ٹریکٹر کی ٹرالیاں پرالی لے کر آرہی ہیں۔ادھر جلسے کی تیاری کے سلسلہ میں قریبی شہروں سے سامان کے ٹرک آرہے ہیں۔ربوہ کے معروف گول بازار کے سامنے کا میدان مختلف دوکانوں، کھوکھوں اور سٹالز سے سج جاتا ہے۔ جہاں کی گہما گہمی کون بھول سکتا ہے۔

سفید پوشوں کی جماعت

بدء الأسلام غریباً وتعود غریباً طوبی للغرباء۔ والی حدیث کے موافق عام طور پر جماعت کے ممبران کی مالی حالت متوسط درجہ کی ہے اور ہونی بھی چاہیے۔۔کیونکہ جس نے کسبِ حلال ہی کمانا ہے پھر اس میں مالی قربانی بھی کرنی ہے۔اس کے لئے نازونعم والی زندگی کب ممکن ہے۔اس لئے جلسہ کے ایام میں ربوہ کی سڑکوں پر پرانے کپڑوں کے ڈھیر نظر آتے ہیں۔جنہیں ہم لنڈے کا مال کہتے ہیں۔لنڈا شاید لندن کا ہی مخفف ہے۔ان پرانے کپڑوں کے ڈھیروں کے اردگرد اہل ربوہ کا خاصہ ہجوم ہوتا ہے۔یہ لنڈے کا مال سفید پوشوں کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ہے۔

تیری سادگی پر کون نہ مرجائے اے خدا (مکرم شیخ منیر احمد صاحب شہید امیر جماعت لاہور)

1982 میں جماعتِ احمدیہ کے جلسہ سالانہ کے دن تھے۔ ربوہ میں احمدیت کے دیوانوں کا ایک ایسا ہجوم تھا کہ کھوّے سے کھوّا چھلتا تھا۔سخت سردی کے ایاّم تھے۔ بازار میں مختلف قسم کی دوکانیں اور ٹھیلے لگے ہوئے تھے۔بعض لوگوں نے سرِ بازار زمین پر ہی پرانے کپڑوں کے ڈھیر لگائے ہوئے تھے۔ بہت سارے لوگ مالی وسعت نہ ہونے کی وجہ سے ان پرانے کپڑوں کی خریداری کرکے اپنے آپ کو سردی سے بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

ایک روز میں بازار سے گزر رہا تھا۔ایک جگہ پر بہت سے لوگ اپنی پسند اور ضرورت کے مطابق پرانے کپڑے خریدنے کے لئے انتخاب کر رہے تھے۔



میں نے دیکھا کہ مکرم شیخ منیر احمد صاحب جو کہ ایک بہت ہی اعلیٰ عہدہ پر فائز تھے۔ وہ بھی اس کپڑوں کے ڈھیر کے پاس کھڑے خریداری فرمارہے تھے۔ میں ایک جانب سے گزر گیا۔لیکن آج تک وہ نظارہ میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ میرے دل میں، اس واقعہ نے ان کے مقام کو اور رفعت اور عظمت بخش دی۔ پاکستان میں توان کے شعبہ سے وابستہ چھوٹے چھوٹے کارکن بھی پُرتعیّش زندگیاں بسر کرتے ہیں۔جبکہ احمدی افسران بڑی ایمانداری کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے ہیں اور کسی طرح بھی کسی ناجائز ہتھکنڈے سے کسی کی حق تلفی نہیں کرتے۔

ڈیوٹی چارٹ

ایک چیز جسے دیکھنے کے لئے ہم سب بڑے بےچین ہوتے تھے۔ یہ جلسہ سالانہ کا ڈیوٹی چارٹ ہوتا تھا۔جس میں جملہ کارکنان کے نام ان کے شعبوں کے تحت لکھے ہوتے تھے۔اس چارٹ کو چند ایک مرکزی مقامات پر چسپاں کردیا جاتا تھا۔ان دنوں میں ہر کوئی ایک دوسرے کو اپنی اپنی ڈیوٹی کے بارے میں بتایا کرتا تھا۔

میری جلسہ سالانہ پر پہلی بار ڈیوٹی لنگر کانہ نمبر دو میں روٹیاں اکھٹے کرنے میں لگی تھی۔ ہمارا کام تندوروں سے نکلنے والی گرما گرم روٹیاں اٹھا کر لانا پھر مخصوص کمروں میں، بیس بیس کی ڈھیریاں بنا کر ترتیب کے ساتھ مقررہ شیلفوں میں لگانا ہوتا تھا۔ یہ خاصا مشکل کام تھا۔سردی میں باہر نکلنا، پھر گرم تندورں کے پاس جاکر بہت ساری روٹیاں اکھٹی کرکے پیٹ کے ساتھ لگا کر واپس کمرے میں لانا، دلچسپ ہونے کے علاوہ ایک مشکل امر بھی تھا۔

مہمانان کی آمد

ملک بھر سے احمدی احباب اس روحانی جلسہ میں شرکت کے لئے تیاری میں لگ جاتے ہیں۔سفر کی تیاری کرتے ہیں۔ دور دراز والے ٹرین جبکہ قریبی شہروں میں بسنے والے بسوں پر عازم ربوہ ہوجاتے ہیں۔

دورانِ سفر، ایسے شہر جہاں سے بسیں بدلنی ہوتی ہیں وہاں پر مقامی

جماعت کے خدام و اطفال نے شامیانے لگا رکھے ہیں۔جس میں جلسہ کے مہمانوں کا استقبال،رہنمائی اور مہمان نوازی کی جاتی ہے۔یہ عمل اپنی ذات میں نظام جماعت کی خوبصورتی،خدمت خلق کے علاوہ ایک خاموش اور مؤثر تبلیغ کا کردار ادا کررہا ہوتا ہے۔احمدیوں کے علاوہ دیگر مسافر بھی اس خدمت خلق سے مستفید ہوتے ہیں۔

شعبہ استقبال

جیسے ہی مہمانوں کی بسیں لاری اڈہ کے قریب پہنچتی ہیں۔شعبہ استقبال کی جانب لاؤڈ سپیکر پر اھلا وسھلا ومرحبا کے آوازیں بلند ہوتی ہیں۔مہمانوں کا دعائیہ کلمات اور پُرجوش نعروں کے زریعہ سے استقبال کیا جاتا ہے۔شعبہ استقبال کے کارکنان کندھوں پر بیج سجائے ،مسکراتے چہروں کے ساتھ انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔مہمانوں کا سامان بسوں سے اتارتے ہیں،ٹرانسپورٹ کے لئے ان کی مناسب رہنمائی کرتے ہیں۔پھر یہ سلسلہ کئی دن تک جاری رہتا ہے۔بس سٹاپ کا یہ ماحول ہزارہا غیراحمدی مسافروں کے لئے جماعت احمدیہ کا پُرمغز پیغام پہچانے میں ایک بہت ہی خاموش اور بااثر ذریعہ بن جاتا ہے۔ربوہ کی حدود گزرنے کے بعد بھی کافی دیر تک مسافروں کے مابین جماعت کے بارے میں ہی باتیں ہوتی ہیں۔

اسی قسم کا نظارہ ریلوے سٹیشن پر ہوتا ہے۔کراچی حیدرآباد اور سیالکوٹ جیسے شہروں کی جانب سے تو سپیشل ٹرینیں جلسہ کے لئے روانہ ہوتی ہیں۔پورے سفر میں ان کا جوش وخروش دیدنی ہوتا ہے۔کہیں دعوت الی اللہ کی مجالس چل رہی ہیں،کہیں نمازیں ادا کی جاری ہیں،کہیں دیگر دلچسپی کے امور پر گفتگو کے سلسلے جاری ہیں۔ٹرینوں کے ربوہ سٹیشن پہنچنے پر ایک عجیب ہی روح پرور نظارہ ہوتا ہے۔اھلا وسھلا اومرحبا،خوش آمدیدا ور دیگر معلوماتی اعلانات،ہورہے ہیں،مقامی عزیز واقارب بھی اپنے اپنے مہمانوں کے استقبال کے لئے سٹیشن پر موجود ہیں۔جو بہت ہی خوشی اور مسرت کے ساتھ مہمانوں کومرحبا کہتے ہوئے ان کے گلے مل رہے ہیں۔ایک بہت ہی دلکش اورروح پرور منظر ہوتا ہے۔

عقل کے اندھوں کو الٹا نظر آتا ہے

آج کل مالی کشائش اور سفری سہولیات کی وجہ سے سفر کرنا بہت آسان ہوگیا ہے۔اس دور میں بیرون ملک سے جلسہ میں شرکت کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا تھا۔اس کے باوجود بھی کئی غیر ملکی احمدی فدائین سفری صعوبتیں اور مشکلات برداشت کرکے جلسہ کی برکات سے مستفیض ہوتے تھے۔ایک دفعہ ایک گھانین احمدی دوست جلسہ میں شرکت کے لئے ربوہ تشریف لائے۔جب یہ دوست کراچی ائرپورٹ پر امیگریشن والوں کے ڈیسک پر پہنچے۔موجود اہل کار نے پاسپورٹ دیکھا۔کچھ سوالات پوچھے۔کہاں جارہے ہو۔احمدی دوست نے بتایا کہ ربوہ جلسہ پر جارہا ہوں۔امیگریشن آفیسر نے کہا۔کیا تم قادیانی ہو۔اس نے جواب دیا۔کیا آپ کا دماغ کام نہیں کرتا۔تمہارے ہاتھوں میں میرا پاسپورٹ ہے۔اس پر لکھا ہوا ہے کہ میں گھانین ہوں۔تم پھر بھی مجھے قادیانی کہہ رہے ہو۔



قیام گاہیں۔جنات کی بستی

ایک غیراز جماعت دوست اپنے ایک احمدی عزیز کے ہمراہ جلسہ پر تشریف لائے ہوئے تھے۔انہوں نے دیکھا کہ ربوہ میں لاکھوں کی تعداد میں لوگ ہیں۔ازدھام کی وجہ سے بازاروں میں چلنا مشکل تھا۔لیکن جیسے ہی رات کی ظلمت نے چادر تانی ہے۔سب لوگ ہی غائب ہوگئے ہیں۔کہاں چلے گئے ہیں۔لگتا ہے۔یہ کوئی جنات کی بستی ہے۔

جلسہ سالانہ پر تشریف لانے والے مہمانوں کی رہائش کا کام خاصا دشوار امر تھا۔کیونکہ ربوہ اپنی ذات میں ایک چھوٹا اور پھر نسبتاً ایک غریب شہر تھا۔لیکن اس میں خلافت کی برکت اور نظام کی وجہ سے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ کسی کو روحانی مائدہ کے علاوہ باعزت طور پر روٹی،کپڑا اور مکان کے حصول میں مشکل درپیش آئی ہو۔

انتظامیہ نے مختلف اضلاع کے لئے شرکاء جلسہ کی تعداد کے مطابق متعدد مقامات متعین فرمار کھے تھے۔جیسے محمود ہال،انصاراللہ ہال،تعلیم الاسلام ہائی سکول،جامعہ احمدیہ،طبیہ کالج،یونیورسٹی،جامعہ احمدیہ گراؤنڈز، دارالضیافت

کے سامنے گراؤنڈز کئی دیگر چھوٹے بڑے مقامات کے دروازے اس کارخیر کے لئے کھلے ہیں۔

یادر ہے۔ان ایام میں ربوہ کا ہر شہری اپنے گھر کے دروازے اپنے دل کی طرح مہمانوں کے لئے خوش دلی کے ساتھ کھول دیتا ہے۔بعض گھروں میں اس قدر مہمان آجاتے ہیں کہ دوست اپنے گھروں میں خیمے بھی لگا لیتے ہیں تا کہ زیادہ سے زیادہ مہمان نوازی کی توفیق مل جائے۔ بسا اوقات لوگ جگہ کی کمی کے باعث اپنے گھر کی راہ داریوں اور کچن میں بھی سو جاتے ہیں۔الغرض جسے جہاں پاؤں سمائے سو گئے۔

ہاں ایک بات قابل ستائش ہے۔کہ میزبان اور مہمان ایک دوسرے کی مجبوریوں ار احساسات کا احترام کرتے تھے۔اس موقعہ پر مہمانوں کے لئے بستر اور چارپائی کا اہتمام ناممکن عمل تھا۔اس لئے زمین پر پرالی بچھادی جاتی تھی۔جس پر ہر کوئی بخوشی رات بسر کر لیتا۔اس کا اپنا ہی ایک مزہ تھا۔

لنگر خانے

ربوہ میں چار لنگر خانے تھے۔جو مختلف ناموں سے معروف تھے۔

لنگر خانہ ایک: دارالصدر ربوہ ریلوے سٹیشن کے سامنے۔

لنگر خانہ دو: دارالرحمت۔رحمت بازار کے قریب۔

لنگر تین: دارالنصر پہاڑی کے قریب

طعام اور طعام گاہیں

جلسہ سالانہ پر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دور مبارک سے ہی صبح اور شام کے لئے مخصوص کھانے پکتے تھے۔صبح ایک مخصوص دال اور پھر شام کے وقت آلو گوشت،شام کو تیار ہونے والے سالن میں آلو خاصے بڑے ہوتے تھے۔مہمانوں میں کھانا تقسیم کرنے کے بڑے بڑے چمچے (کڑچھے) ہوا کرتے تھے۔جن کے ذریعہ سے مٹی کی تیار کردہ پلیٹوں میں کارکنان سالن ڈال دیا کرتے تھے۔پانی پینے کے لئے مٹی کے بنے ہوئے آب خورے ہوا کرتے تھے۔یہاں تک کہ مٹی کے ہی لوٹے ہوا کرتے تھے۔

کیا محبت اور الفت کے دن تھے۔اس دور میں جلسہ کے ایام میں اکثر لوگ زمین پر آمنے سامنے صفیں بنا کر بیٹھ جاتے۔پھر وہیں کھانا کھا لیا کرتے تھے۔

سردی کی شدت سے سالن ٹھنڈا ہو جاتا تھا۔کھانے کے بعد پانی بھی یخ ٹھنڈا ہی ملتا تھا۔لیکن اس کے باوجود اس کا مزہ اور افادیت قائم و دائم رہتی تھی۔

جان کی حفاظت کرنا فرض ہے

ڈیوٹی پر موجود کارکنان کے لئے مختلف مقامات پر شامیانے نصب کئے جاتے تھے۔جن میں کھانے کا اجتماعی انتظام ہوتا تھا۔جہاں کارکنان حسب فرصت کھانا کھا لیا کرتے تھے۔حسب دستور کارکنان ہی پلیٹوں میں ایک مخصوص چمچے سے ہر کسی کی پلیٹ میں سالن ڈال دیا کرتے تھے۔ایک روز مولانا محمد اعظم اکسیر صاحب مرحوم کی پلیٹ میں کچھ سالن بچ گیا۔اس پر ان کے ایک دوست نے کہا مولانا پلیٹ صاف کرنا سنت رسول ہے۔مولانا صاحب کہنے لگے۔میاں بات تو آپ کی درست ہے۔لیکن جان کی حفاظت کرنا بھی فرض ہے۔

ظرافت و ملاحت

جلسہ سالانہ کے مصروف شب و روز میں جہاں پر ہر کوئی انتھک کام کر رہا ہے۔وہاں انسانی فطرت کے تقاضوں کے مطابق حس ظرافت بھی قائم و دائم رہتی تھی۔جلسہ سالانہ کے بہت سارے شعبہ جات ہوتے تھے۔ایک شعبہ گوشت سپلائی کا ہوتا تھا۔مجھے بھی دو سال اس شعبہ میں خدمت کی توفیق ملی۔ہمارے ذمہ قریبی منڈیوں سے جانور خرید کر بھی لانا ہوتا تھا۔ان جانوروں کو لا کر مذبح خانہ کے قریب ایک مارکی میں رکھا جاتا تھا۔ایک شام مکرم سید میر داؤد احمد صاحب افسر جلسہ سالانہ ان جانوروں کو دیکھنے کے لئے تشریف لائے۔انہیں گیٹ کے قریب ایک کمزور سی گائے نظر آئی۔آپ نے پوچھا یہ گائے تو بہت کمزور ہے۔ایک منچلے دوست نے کہا۔یہ گائے تو سب سے صحت مند ہے۔جو چل کر یہاں تک آگئی ہے۔باقیوں کے بارے آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔

کھانے کی تقسیم کا بے مثل انتظام

اس قدر وسیع پیمانے پر ہر فرد کے لئے کھانا تیار کرنا،پھر کھانے کی شہر بھر میں تقسیم ایک معجزہ سے کم نہ تھا۔ربوہ کے ہر محلہ میں صدر جماعت کے پاس ہر صاحب خانہ حاضر ہو کر بتاتا کہ ہمارے گھر میں مہمان ہیں۔ہمیں اتنے کس

کی پرچی دے دیں۔ پرچی کے حصول کے بعد وہ صاحب خانہ یا گھر کا کوئی فرد وہ پرچی لیکر قریبی لنگر خانہ کی بیرونی سائڈ کے کمروں کے باہر لائن میں کھڑا ہو جاتا تا پھر اپنی باری آنے پر اپنے افراد خانہ کی تعداد کے مطابق روٹیاں اور سالن لے لیتا۔ اس امر کے لئے بسا اوقات دور دور تک جانا پڑتا تھا۔ سردی اس شدت کی ہوتی تھی کہ رستہ میں گرم سالن پر تیل یا ڈالڈا گھی کی موٹی تہہ جم جاتی تھی۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ایک معجزہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے بے شمار معجزات ہیں۔ ان میں سے ایک عظیم الشان معجزہ ایک پاک اور منظم جماعت کا قیام ہے۔ جو اپنے آقا کے ایک اشارہ پر حرکت میں آجاتی ہے۔ جس کا ہر فرد بوقت ضرورت۔ جان ومال وآبرو حاضر ہیں تیری راہ کی عملی تصویر بن جاتا ہے۔

ایک حکایت ہے کہ پاکستان میں ایک ٹیٹری نام کا، بگلہ نما پرندہ ہوتا ہے۔ کہتے ہیں وہ رات کو الٹا سویا کرتا ہے۔ یعنی ٹانگیں آسمان کی طرف کر لیتا ہے۔ دروغ برگردن راوی۔ وہ سوچتا ہے اگر رات کو کہیں آسمان گر گیا تو میری ٹانگیں دنیا کو تباہی سے بچا لیں گی۔

ہر احمدی بھی اپنے مفوضہ خدمات کی ادائیگی میں یہی سمجھتا ہے بلکہ عملاً کر کے دکھاتا ہے۔ کہ اگر میں نے اپنا فریضہ کما حقہ سرانجام نہ دیا۔ تو کہیں ایسا نہ ہو کہ میری وجہ سے کوئی جماعتی نقصان نہ ہو جائے۔ ہر کارکن نہایت فرض شناسی کے ساتھ اپنی اپنی ڈیوٹی سرانجام دیتا ہوا نظر آتا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع فرمایا کرتے تھے۔ کہ نظام کی مثال ایک مشین کی طرح ہونی چاہیے۔ جب ہم آن آف کا بٹن دباتے ہیں تو مشین کے سارے پُرزے اپنا اپنا کام بغیر کی تاخیر کے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔


13 قرارداد لاہور اور سر ظفر اللہ خان

قائداعظم کو مسلم لیگ سنبھالے تھوڑا وقت ہوا تھا کہ گورنمنٹ نے 1937 میں عام انتخابات کروا دئے اس میں کانگریس کے بالمقابل مسلم لیگ کامیاب نہ ہو سکی کانگریس نے طاقت کے نشہ میں ایسے اقدام کئے جو مسلمانوں کے لئے مایوس کن تھے مثلاً ہندی کو قومی زبان قرار دیا گاؤ کشی پر پابندی اور ترنگے کو قومی پرچم قرار دیا۔ اس سے مسلم عمائدین کی آنکھیں کھل گئیں کہ مسلم اور ہندو دو جدا قومیں ہیں جن کا الحاق نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ 23 مارچ 1940 کو منٹو پارک لاہور میں تین روزہ مسلم لیگ کا اجلاس ہوا جس میں قرارداد لاہور پیش کی گئی کہ جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں آزاد مملکت قائم کی جائیں۔ اگلے سال مسلم لیگ کے آئین میں اسے شامل کر لیا گیا جو بعد میں تحریک پاکستان کی بنیاد بنی۔ اس قرارداد کا مسودہ سر ظفر اللہ خان صاحب نے تیار کیا NUST یونیورسٹی کے لیکچرار جناب حسین احمد لکھتے ہیں "(ترجمہ) یہ سر ظفر اللہ خان ہی تھے جنہوں نے قرارداد لاہور کا بھی مسودہ تیار کیا تھا جس میں پہلی بار پاکستان کا تصور پیش کیا گیا۔ لیکن انکے کردار کو سالہا سال تک صیغہ راز میں رکھا گیا یہاں تک کہ حال ہی میں لارڈ لنلتھگو کی تحریر کردہ دستاویزات اور مخطوطے نے سر ظفر اللہ خان کے کردار کی مرکزی حیثیت کو منکشف کر دیا ہے" (ڈیلی ٹائمز 22 دسمبر 2012)

بس ایک روٹی کھانی ہے۔ لبیک یا امیر المؤمنین۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ جلسہ کے موقعہ پر نان بائیوں نے کسی وجہ سے ہڑتال کر دی۔ جس کی وجہ سے بظاہر خاصی مشکل پیش آسکتی تھی۔ لیکن الٰہی نظام کے ساتھ کون مقابلہ کر سکتا ہے۔ خلیفۃ المسیح کی بس ایک ہی آواز نے ان کے منصوبے کو خاک میں ملا دیا۔ حضور نے فرمایا۔ جلسہ میں شامل ہر فرد بس ایک ہی روٹی کھائے گا۔ جس پر ہر کسی نے اس پر لبیک کہہ کر اطاعت خلافت کی اور تاریخ رقم کر دی۔ بلکہ ہماری ماؤں اور بہنوں نے اپنے گھروں میں روٹیاں پکا کر مراکز میں بھجوا دیں۔

مُردوں کی ترتیب

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک غیر ملکی کسی احمدی دوست پر ربوہ کی زیارت کے لئے ربوہ پہنچا۔ اسے ربوہ کے مختلف مقامات کی سیر کرائی گئی۔ اسے بہشتی مقبرہ بھی دکھایا گیا۔ بہشتی مقبرہ کی تزئین وترتیب دیکھ وہ بہت متاثر ہوا اور کہنے لگا۔ جس قوم کے مردے اس ترتیب سے ہیں۔ اس کے زندہ کتنے منظم اور سلیقہ شعار ہونگے۔

خلافت ۔محبت انوار ہے

اللہ تعالی اپنے پیاروں کے لئے محبت اور ان کے ساتھ عشق خود انسانوں کے دلوں میں ڈال دیتا ہے۔ یہ محبت کسی بازار سے کسی بھی قیمت میں نہیں مل سکتی۔ جس طرح ممتا کی محبت اللہ تعالی کی اپنی ہی عطا ہے۔

جماعت احمدیہ کا ہر فرد خلافت سے عشق کا رشتہ رکھتا ہے۔ جس کی مثالیں ہم روز وشب اپنے گھر، ماحول اور احباب جماعت عملی کردار میں مشاہدہ کرتے ہیں۔


15 کامن ویلتھ ریلیشنز کانفرنس اور سر ظفر اللہ خان

1945 میں سر ظفر اللہ خان ہندوستانی وفد کے قائد کی حیثیت سے انگلستان گئے اور کامن ویلتھ میں زبردست تقریر کی جس سے سارے انگلستان اور ہندوستان میں تہلکہ مچ گیا۔ اخبار پرتاب (22 فروری 1945) نے لکھا "آپ نے جو تقریریں کی ہیں اس سے ہندوستان تو کیا ساری کامن ویلتھ میں تہلکہ مچ گیا۔ آپ نے برطانوی حکمرانوں کو کھری کھری سنائیں کہ سننے والے دنگ رہ گئے برطانوی حکومت کے درجنوں تنخواہ دار ایجنٹوں کے کئے کرائے پر آپ کی ایک تقریر نے پانی پھیر دیا۔" چنانچہ برطانوی وزیر اعظم نے لارڈ ویول کو نئی تجاویز دے کر ہندوستان بھیجا۔ اس موقعہ پر حضرت امام جماعت احمدیہ نے ہندوستان کے لیڈروں کو فرمایا "انگلستان صلح کے لئے ہاتھ بڑھا رہا ہے دو سو سال سے ہندوستان غلامی کی زنجیروں میں جکڑا ہوا ہے اس پیشکش کو قبول کر کے آئندہ نسلوں پر احسان عظیم کریں" اس پر مولانا ثناء اللہ امرتسری نے لکھا "چالیس کروڑ ہندوستانیوں کو غلامی سے آزاد کرانے کا ولولہ جس قدر خلیفہ جی کی اس تقریر میں پایا جاتا ہے وہ گاندھی جی کی تقریر میں بھی نہیں ملے گا" (اہل حدیث 6 جولائی 1945)

جلسہ کے ایام میں جلسہ کی محوریت خلیفۃ المسیح کی ذات اقدس ہی ہوتی ہے۔لوگ اپنے آقا کی ایک جھلک کو دیکھنے کے لئے ترستے رہتے ہیں۔ان کی گاڑی کے گزرنے کی انتظار میں محوِ انتظار ہیں،حضور کے سٹیج پر نمودار ہونے پر حاضرین کا جوش وخروش دیدنی ہے۔عام مقررین کے خطابات کے دوران بسا اوقات حاضرین کی توجہ آگے پیچھے جاسکتی ہے لیکن جب حضرت خلیفۃ المسیح کا خطاب شروع ہوجاتا ہے۔پھر ہر سُو ہُو کا عالم ہوجاتا ہے۔

جلسہ کے ایام میں روزانہ حضرت خلیفۃ المسیح کے دربار میں عشاق اپنے اپنے اضلاع کے ساتھ ملاقات کا شرف پاتے ہیں۔لیکن یہ راز حقیقت سے نابلد لوگوں کی سمجھ سے بالا وبرتر ہے کہ وہ کونسی طاقت ہے جو تاجدار خلافت کو ایسی طاقت بخشتی ہے کہ جلسہ کے ایام میں،ان کا ایک ایک لمحہ یکساں مصروف ہوتا ہے مگر اس سب کچھ کے باوجود ان کا رخ انور ہمیشہ مسکراہٹ بھرا اور گلاب گلاب رہتا ہے۔

جلسہ گاہ

مسجد اقصیٰ کے سامنے وسیع وعریض میدان ہے۔جس میں جلسہ سالانہ منعقد ہوتا۔جلسہ کے ایام میں یہ میدان ایک سٹیڈیم کا روپ اختیار کرلیتا ہے۔دنیا کے باقی سٹیڈیمز سے مختلف اس میں محض پرالی بچھا دی جاتی ہے۔جس پر لاکھوں لوگ سخت سردی میں،کھلے آسمان کے تلے چوکڑیاں مار کر بیٹھ جاتے ہیں پھر سارا دن اسی حالت میں گزار دیتے ہیں۔کون سی قوت ہے جو انہیں یہ سب کچھ برداشت کرنے کی طاقت وہمت عطا کرتی ہے۔اس کا ایک ہی جواب ہے۔ان کی حرارت ایمانی ہے۔کہتے ہیں۔بڑے مقصد کے سامنے چھوٹی چیزیں اپنی اہمیت کھو دیتی ہیں۔

سیگریٹ کے کش

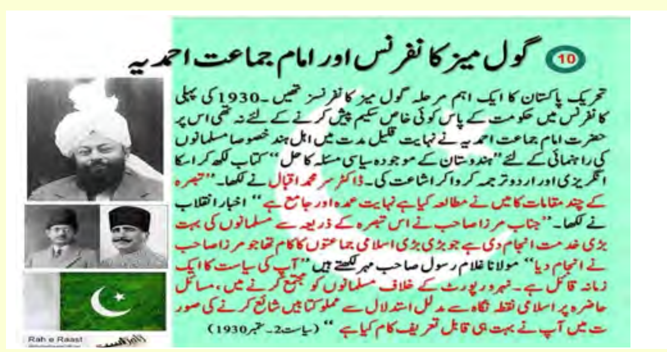
جلسہ سالانہ ماہ دسمبر کے آخری ہفتہ میں ہوتا تھا۔پاکستان میں ان ایام میں سرد ترین موسم ہوتا ہے۔جس کی وجہ ہر کوئی گرم چادر،گرم اور نرم ٹوپی پہنے رکھتا ہے۔

ایک روز جلسہ کی کاروائی کا آغاز ہوچکا ہے۔حضرت خلیفۃ المسیح الثالث سٹیج پر تشریف فرما ہیں۔سردی اپنے عروج پر ہے۔جب کوئی بات کرتا ہے تو اس کے مونہ سے دھواں نما بھاپ نکلتی ہے۔حضور نے سردی کی شدت اور شرکاء جلسہ کی کیفیت کا اظہار کچھ یوں فرمایا۔لگتا ہے ہر کوئی یہاں جلسہ میں سیگریٹ کے کش لگا رہا ہے۔

جلسہ کا دن کیسے گزرتا ہے

جلسہ کے ایام میں ہر طرف ایک روحانی ماحول ہے۔نماز تہجد ادا کی،نماز فجر،درس وتدریس کے بعد برنچ (ناشتہ اور دوپہر کا کھانا) کیا جاتا ہے۔اس کے بعد جلسہ کی تیاری کی اور جلسہ کے پروگرام سننے کے لئے نکل پڑتے ہیں۔اکثر دوستوں یا عزیزوں نے جلسہ کی کاروائی سننے کے لئے اپنی اپنی مخصوص جگہ مقرر کی ہوتی ہے۔جہاں سب عزیز پہنچ جاتے ہیں۔سب دوست پرالی پر چوکڑی مار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ساتھ مونگ پھلی اور ریوڑیاں اور مالٹے وغیرہ بھی ساتھ رکھ لیتے ہیں سٹیج سے علماء کرام کی علمی اور پُرمغز تقاریر شروع ہوجاتی ہیں۔گاہ بگاہ سٹیج پر نعروں کی آوازیں فضا میں گونجتی ہیں۔جو ہر کسی کے دل میں ایک نیا جوش اور ولولہ پیدا کردیتی ہیں،نماز ظہر وعصر کی ادائیگی کے بعد دوبارہ جلسہ کا پروگرام شروع ہوجاتا تھا۔اس کے بعد سب لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں کا رخ کرلیتے،شام کے کھانے اور نمازوں سے فارغ ہوکر تبلیغی مجالس،سوال وجواب اور دیگر علمی اور تربیتی مجالس جم جاتی ہیں۔

جلسہ کے پروگرام ختم ہوتے ہیں۔وقفہ کے دوران کئی شعراء کرام سر بازار





کھڑے بڑے ہی دلکش انداز میں پنجابی نظمیں پڑھتے ہیں۔جنہیں کتابی صورت میں فروخت بھی کرتے ہیں۔جو ہمارے بزرگ خرید کر گھر لے آتے ہیں۔پھر سارا سال ہماری مائیں یہ نظمیں لوری کی صورت میں بچوں کو سنایا کرتی ہیں۔ان کتابچوں میں خوبصورت ایمان افروز واقعات اور تبلیغی واقعات اور دلائل کی عکاسی ہوتی تھی۔جیسے:

2. چن ساڈا ساہڈے کولوں مکھڑا چھپا گیا۔داغ جدائی والا سینے ساہڈے لا 3. جے کوئی ہور مہدی آیا تے دسو۔

4. مساجد میں شبینہ اجلاس

جلسہ کے مبارک ایام کا ایک ایک لمحہ خلافت کی رہنمائی اور برکت سے تربیتی اور تبلیغی کاموں میں صرف ہوتا ہے۔دن بھر کی مصروفیات کے بعد سونے سے قبل مسجد مبارک اور مسجد بیت الفتوح میں شبینہ اجلاس منعقد ہو رہا ہے۔جہاں مختلف زبانوں میں تقاریر کی جا رہی ہیں۔جو عملی طور پر میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا کی عملی تصویر پیش کرتی ہیں۔

پولیس آفیسر کا اعتراف حقیقت

جلسہ سالانہ پر حفاظتی نقطہ نگاہ سے کچھ پولیس اہل کار بھی ربوہ آجاتے تھے۔اقصیٰ چوک میں ہماری ڈیوٹی تھی۔اکثر پولیس والے ہمارے پاس آجاتے۔چائے وغیرہ پیتے۔ان کے ربوہ کے ماحول کے بارے میں عجیب تأثرات ہوتے تھے۔کہتے تھے کہ اس شہر سے زیادہ پُرامن شہر ہم نے کبھی نہیں دیکھا۔انہوں نے بتایا کہ ہمارا کام نظم وضبط اور ٹریفک کنٹرول کرنا ہے۔لیکن یہاں سڑک پر ایک جانب تو خواتین چل رہی ہیں اور دوسری جانب مرد حضرات چل رہے ہیں۔ہر چوک اور اشارہ پر چھوٹے چھوٹے بچے اس طرح ٹریفک کنٹرول کرتے ہیں جس طرح کوئی ماہر پولیس آفیسر ہوں۔پھر کمال اس عجیب و غریب عوام الناس کی ہے وہ باوجود عمر،رتبہ اور زندگی کے تجربات میں فوقیت کے وہ آنکھیں باندھے بلاچوں و چراں اطاعت کر رہے ہیں۔یہ وہ جماعت ہے جس کی تربیت حضرت امام مہدی علیہ السلام کے مبارک ہاتھوں سے ہوئی ہے۔

یہ نان تیرے لئے اور تیرے ساتھ درویشوں کے لئے ہے۔

یہ وہ دور تھا۔جس میں باوجود جماعتی مخالفت کے شرافت کسی حد تک زندہ تھی۔جب ہمارے بزرگ جلسہ پر تشریف لاتے۔جلسہ کی ظاہری و باطنی برکات سمیٹنے کے بعد اپنے ساتھ مختلف روح پرور یادیں اور تبرکات واپس ساتھ لے کر جاتے تھے۔جن میں کتب،ربوہ کی چند مشہور ادویات اور ٹوپیاں وغیرہ خرید کر لے جاتے تھے۔

ایک چیز جو خاص ہوا کرتی تھی۔وہ لنگر خانے کی روٹیاں۔مجھے یاد ہے ہماری والدہ محترمہ جب بھی جلسہ پر تشریف لاتیں۔واپسی پر کافی ساریاں روٹیاں ساتھ لے کر جاتیں۔پھر اپنے سارے محلے میں احمدی اور غیر احمدی ہمسایوں میں تقسیم کرتیں اور سب لوگ اسے بخوشی قبول بھی کر لیتے تھے۔

جلسہ سالانہ کے بعد اداسی

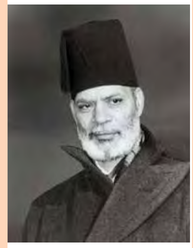
غالباً 1982 کی بات ہے حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے جلسہ سالانہ سے قبل خطبہ جمعہ میں جلسہ سالانہ کی آمد کی مسرت اور پھر اس کے چلے جانے کے دکھ کی کیفیت کے بارے میں مکرم قمر سلمان کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ بیان فرمایا۔فرمایا۔ہمارا بھانجے کو انڈا کھانے کا بہت شوق ہے۔جب بھی اسے انڈا کھانے کو دیا جائے جیسے ہی وہ آدھا انڈا کھالیتا ہے تو رونا شروع کر دیتا ہے۔جب وجہ پوچھی جائے تو کہتا ہے۔اب انڈا ختم ہو جائے گا۔فرمایا یہی کچھ حال ہم احمدیوں کا ہوتا ہے۔سارا سال جلسہ کی آمد کا انتظار کرتے ہیں۔پھر یہ جلسہ ہمیں چند دن کی رونقیں،خوشیاں اور مسرتیں بانٹ کر چلا جاتا ہے۔جس سے ہمارے دل اداس ہو جاتے ہیں۔

آ عندلیب مل کر کریں آہ و زاریاں
تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل

بہت کچھ کہنے کو دل چاہ رہا ہے۔لیکن بعض مجبوریوں کے تحت اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔**والباقی عند التلاقی۔**

اللہ تعالیٰ ان جملہ کارکنان کی خدمات اور جانفشانیوں کو شرف مقبولیت بخشے ،جن کی خاموش قربانیوں کے صدقے آج ہم دنیا بھر میں اس قدر عظیم الشان جلسے منعقد کرنے کی توفیق پا رہے ہیں۔

اللھم زد فزد۔۔۔۔آمین یارب العالمین



پاکستان کے عظیم ہیرو۔سر چودھری محمد ظفراللہ خان صاحب



جمیل احمد بٹ

ایک مایہ ٔ ناز ہیرو کے طور پر سر محمد ظفراللہ خان کی یاد منانے کے لئے حکومت ِ پاکستان نے سرکاری طور پر سوشل میڈیا پر 3 اگست کو ایک پیغام جاری کیا جس میں ان کے ملک کے پہلے وزیر خارجہ، قرارداد لاہور کے خالق اور بین الاقوامی برادری میں پاکستان کے بنیادی نمائندہ ہونے کا ذکر کیا۔ایک بہت بڑے مخلص خادمِ پاکستان کی حکومتی سطح پر برملا اظہارِ شکرگزاری کا یہ اقدام تمام محبانِ وطن کے نزدیک مستحسن اور قابلِ تعریف ہے۔اسی لئے سوائے چند مخالف آوازوں کے عام طور پر اس کی خاموش حمایت ہوئی ہے۔

Twitter پر محدود اظہار کی بندش کے سبب اس خراج تحسین میں اشارے ہی ممکن تھے۔اور ان خدمات کی یہ تفصیل بیان طلب رہی۔

ا۔پاکستان کے پہلے وزیر خارجہ:

خود قائداعظم نے آپ کو پاکستان کا وزیر خارجہ مقرر فرمایا۔چنانچہ ابھی اقوام متحدہ کا اجلاس جاری تھا جس میں ظفراللہ خاں صاحب پاکستانی وفد کی قیادت کر رہے تھے کہ قائد اعظم نے حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے انگریزی خط محررہ 2 اکتوبر 1947ء میں یہ لکھ کر آپ کو واپس بلوا بھیجا کہ: جہاں تک ظفراللہ خاں کا تعلق ہے تو ہم نہیں چاہتے کہ جب تک وہاں (اقوام متحدہ) پر ان کا قیام ضروری ہے وہ اپنا کام ادھورا چھوڑ کر آجائیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہمارے ہاں قابل لوگوں خاص طور پر ان جیسی اعلیٰ صلاحیت کے اشخاص کی بہت کمی ہے اس لئے جب بھی ہمیں مختلف مسائل سے واسطہ پڑتا ہے تو ان کے حل کے لئے لامحالہ ہماری نظریں ان کی طرف اٹھتی ہیں'۔

(Quaid-I-Azma Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol VI, Page 165, Published by Ministry of Culture Division, Govt of Pakistan, Islamabad 2

اقوام متحدہ سے وفد کی واپسی پر قائداعظم محمد علی جناح نے آپ کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا۔یہ تقرری قائداعظم کے یوم پیدائش یعنی 1947ء کی 25 دسمبر کو ہوئی۔آپ اس عہدے پر 24 اکتوبر 1954ء تک یعنی سات سال فائز رہے۔اخبار نوائے وقت نے اس بارے میں لکھا: (ظفراللہ خان) نے ملک وملت کی شاندار خدمات سرانجام دیں تو قائد اعظم انہیں حکومت پاکستان کے اس عہدہ پر فائز کرنے پر تیار ہو گئے جو باعتبار منصب وزیر اعظم کے بعد سب سے اہم اور وقیع عہدہ شمار ہوتا تھا۔قائد اعظم نے چوہدری صاحب کو بلا تامل پاکستان کا وزیر خارجہ بنا دیا'۔

(تحریر ایڈیٹر حمید نظامی روزنامہ نوائے وقت لاہور 24 اگست 1948ء)

آپ کے اس دور کا ذکر 1973ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائر ہونے پر اس وقت پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے آپ کے نام اپنے پیغام میں یوں کیا:'مملکتِ خداداد کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ابتدائی سات سالوں میں وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے آپ نے پاکستان کو ایسی ریاست کے طور پر مستحکم کرنے میں مدد دی جس کو بیرونی دنیا میں باعزت مقام حاصل ہو گیا اور جس کے مؤقف کو بین الاقوامی سطح پر اہمیت دی جانے لگی'۔(اخبار پاکستان ٹائمز لاہور 18 مارچ 1973ء) 2۔قراردادِ لاہور کے خالق: 23 مارچ 1940ء کو لاہور میں قراردادِ پاکستان منظور کی گئی ۔ اس قرارداد کے حوالے سے مشہور سیاسی لیڈر خان عبدالولی خان نے انڈیا آفس لائبریری میں موجود دستاویزات کی تحقیق پر مشتمل اپنی کتاب میں وائسرائے لارڈ لنلتھگو (Lord Linlithgow) کا درج ذیل خط نقل کیا ہے جو انہوں نے 21 مارچ 1940ء کو برطانیہ کے سیکریٹری آف اسٹیٹ فار انڈیا کو لکھا تھا:

Upon my instruction Zafrullah wrote a memorandum on the subject two Dominin states. I have already sent it to your attention _ _ _ He is

anxious, however that no one should find out that he has prepared this plan _ _ _ copies have been passed on to Jinnah, and, I think, to Sir Akbar Hydari, while he, Zafarullah, cannot admit its authorship this document has been prepared for adoption by the Muslim League with a view to giving it the fullest publicity'

(Facts are Facts by Wali Khan Page 29 Vikas Publishing House Pvt Ltd, New Delhi 1987)

ترجمہ: میری ہدایت پر (سر محمد) ظفر اللہ (خان) نے 'دو قومی ریاستیں' کے موضوع پر ایک نوٹ لکھا ہے جو میں پہلے ہی آپ کی توجہ کے لئے بھجوا چکا ہوں ۔ وہ نہیں چاہتے کہ کسی کو پتہ لگے کہ یہ منصوبہ انہوں نے تیار کیا ہے ۔ اس کی کاپیاں (قائدِ اعظم محمد علی) جناح اور جہاں تک میرا خیال ہے سر اکبر حیدری کو بھجوائی گئی ہیں ۔ کیونکہ ظفر اللہ (خان) یہ اعتراف نہیں کر سکتے کہ اسے انہوں نے لکھا ہے اس لئے یہ دستاویز اس طرح تیار کی گئی ہے کہ مسلم لیگ کی منظوری سے اس کی بکثرت اشاعت ہو۔ یہ خط 12 مارچ 1940ء کو لکھا گیا اور اس میں اس دستاویز کو قائدِ اعظم کو اس سے پہلے بھجوائے جانے کا ذکر ہے ۔ 1982ء میں روزنامہ جنگ میں اس کتاب کے جو حصہ شائع ہوئے اس میں اس دستاویز کے لکھے جانے کا معین وقت یوں درج ہے : 'چوہدری صاحب نے فروری 1940ء کے دوسرے پندرھواڑے میں 32 صفحات پر مشتمل یہ نوٹ سپردِ قلم فرمایا اور وائسرائے کو دے دیا نیز قائدِ اعظم محمد علی جناح کی خدمت میں بھجوا دیا گیا اور یہی نوٹ قرار دادِ پاکستان کی بنیاد رہا'۔ (حقائق حقائق ہیں مؤلفہ خان عبدالولی خان روزنامہ جنگ 20 فروری 1982ء)

3۔ بین الاقوامی برادری میں پاکستان کی نمائندگی:

ا۔ نوزائدہ پاکستان کو دنیا میں متعارف کروانا :

پاکستان دنیا کے نقشے پر ایک نیا ملک تھا اور بیشتر دنیا اس سے بے خبر تھی ۔ اقوام متحدہ میں نمائندگی دلوانے اور دیگر زیر بحث معاملات میں پاکستان کی آواز بلند کرنے کے لئے پہلے پاکستانی وفد کی سربراہی کے لئے قائداعظم نے ظفر اللہ خاں صاحب کو مقرر فرمایا۔ اور یوں پاکستان کو دنیا میں متعارف کرانے کا اعزاز آپ کو حاصل ہوا۔ اور آپ کے ہاتھوں پاکستان کے اقوام متحدہ کا رکن بننے کی کاروائی انجام پائی ۔ اس تقرری کے بارے میں نوائے وقت نے لکھا: 'جب قائداعظم نے یہ چاہا کہ آپ پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلمانوں کے وکیل کی حیثیت سے پیش ہوں تو ظفر اللہ خان نے فوراً یہ خدمت سرانجام دینے کی حامی بھر لی ۔۔۔ اور اسے ایسی قابلیت سے سرانجام دیا کہ قائداعظم نے خوش ہو کر آپ کو یو این او میں پاکستانی وفد کا قائد مقرر کر دیا۔ جس طرح آپ نے ملت کی وکالت کا حق ادا کیا تھا اس سے آپ کا نام پاکستان کے قابلِ احترام خادموں میں شامل ہو چکا تھا' (تحریر ایڈیٹر حمید نظامی روزنامہ نوائے وقت لاہور 24 اگست 1948ء) اس اجلاس میں آپ کی اعلیٰ کارکردگی کے بارے میں قائداعظم نے امریکہ میں پاکستان کے سفیر حسن اصفہانی صاحب کے نام اپنے خط مورخہ 11 ستمبر 1947ء میں لکھا: ظفر اللہ (نیو یارک سے) واپس پہنچ گئے ہیں اور میری ان سے طویل گفتگو ہوئی ہے ۔ واقعی انہوں نے اپنا کام عمدگی سے انجام دیا ہے ۔

Vol ,Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers)
(P 101Dec 194731-1st Oct),VI

2)۔ مسئلہ فلسطین کے حل کے لئے بہترین کوشش کرنا:

اقوام متحدہ کے اسی اجلاس میں مسئلہ فلسطین زیرِ بحث آیا۔ حضرت چوہدری ظفر اللہ خان صاحب کے اس مسئلہ پر اظہارِ خیال نے یکدم پاکستان کا نہ صرف نام بلکہ اس کی عزت اور احترام کو ساری دنیا میں عام کر دیا۔ اور یوں آپ نے پاکستان کے لئے نیک نامی کمائی۔ اس بارے میں امریکہ میں اس وقت کے پاکستانی سفیر حسن اصفہانی صاحب نے قائداعظم کے نام اپنے خط مورخہ 4 اکتوبر 1947ء میں لکھا: ترجمہ: ''اقوام متحدہ میں پاکستانی وفد نے توقع سے بڑھ کر کارکردگی دکھائی ہے فلسطین کے مسئلہ پر ظفر اللہ خاں نے جو تقریر کی وہ اقوام متحدہ میں اس مسئلہ پر ہونے والی بہترین تقریروں میں سے ایک ہے ۔۔۔۔ یہ کسی قسم کی تعلی نہیں ہے کہ ہم نے واقعی عمدہ تاثر پیدا کیا ہے پاکستان نے اپنا آپ منوالیا ہے۔''

Quaid-I-Azam Mohammad Ali Jinnah Papers, Vol)
VI, (1st Oct - 31 Dec 1947 P 101)

پاکستانی پریس میں فخریہ اظہار:

آپ کی انتہائی مدلل، پراثر اور شاندار تقاریر پر نوائے وقت میں لکھا: 'سر ظفر اللہ کی تقریر سے اقوام متحدہ کی کمیٹی میں سکتہ کا عالم طاری ہو گیا' امریکہ، برطانیہ اور روس کی زبانیں گنگ ہو گئیں' فلسطین کے متعلق سر ظفر اللہ کی تقریر سے دُھوم مچ گئی' 'عرب لیڈروں کی طرف سے سر ظفر اللہ خان کو خراج تحسین' (اخبار نوائے وقت لاہور 12 اکتوبر 1947ء) نیز لکھا: 'جب آپ تقریر کر رہے تھے تو مسرت وابتہاج سے عرب نمائندوں کے چہرے تمتما اُٹھے۔ تقریر کے خاتمے پر عرب ممالک کے مندوبین نے آپ سے مصافحہ کیا اور ایسی شاندار تقریر کرنے پر مبارکباد پیش کی'۔ (اخبار نوائے وقت لاہور 12 اکتوبر 1947ء)

امیر فیصل کی شکر گزاری: آپ کی اس شاندار کارکردگی نے تمام مسلمان ملکوں میں بالعموم اور عرب ملکوں میں بالخصوص ان کے لئے محبت اور پاکستان کے لئے احترام کا رشتہ قائم کر دیا۔ سعودی عرب کے امیر فیصل (بعد میں شاہ فیصل) اس وقت اقوامِ متحدہ میں شاہی مندوب تھے۔ انھوں نے اپنے مئی 1948ء میں حضرت چوہدری صاحب کو اپنے خط میں لکھا: ترجمہ از انگریزی : 'اس خط کے ذریعہ میں اپنے دلی شکر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون اور ہمارے حق میں نہایت اعلیٰ مؤقف اختیار کیا ہے'۔

(خط کے عکس کے لئے ملاحظہ ہو کتاب 'تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر 164۔ 165 کا درمیان)

پاکستان کا سدا بہار تعارف:

آپ کے ذریعہ دنیا میں پاکستان کا یہ تعارف سدا بہار رہا۔ 1990ء میں نوائے وقت نے لکھا: چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص ، دیانت داری، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے'۔ (اخبار نوائے وقت لاہور میگزین 12 ستمبر 1990ء) 1999ء میں مصر میں پاکستان کے ایک سابق سفیر احمد سعید کرمانی نے اپنی یادداشتوں میں لکھا: 'مصر میں قیام کے دوران مَیں نے دیکھا جب بھی مختلف ممالک کے سفیروں سے ملاقات ہوتی ان میں سے اکثریت پاکستان کا نام چوہدری صاحب کے توسط سے جانتی تھی۔ نہ صرف عرب بلکہ جاپانی اور ایرانی سفراء بھی چوہدری صاحب کے بڑے مداح تھے'۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ اکتوبر 1999ء صفحہ نمبر 21)

iii۔ مسئلہ کشمیر کے حل کی آخری کامیابی حاصل کرنا :

جنوری 1948ء میں ہندوستان کشمیر کے معاملہ کو اقوامِ متحدہ میں لے گیا۔ اس کی جواب دہی بھی ظفر اللہ خاں صاحب کے سپرد ہوئی جو اس وقت پاکستان کے وزیرِ خارجہ تھے۔ آپ کی کامیاب کارکردگی کو یوں سراہا گیا۔ 'آپ نے یو این او میں دنیا بھر کے چوٹی کے دماغوں کے سامنے اپنے ملک و ملت کی وکالت کرتے ہوئے مسلسل ساڑھے پانچ گھنٹے تقریر کی۔ ظفر اللہ خان کی تقریر ٹھوس دلائل اور حقائق سے لبریز تھی۔۔۔ کشمیر کمیشن کا قیام ظفر اللہ خان کا ایک ایسا کارنامہ ہے جسے مسلمان کبھی نہ بھول سکیں گے'۔ (اخبار نوائے وقت لاہور 24 اگست 1948ء) 'سر ظفر اللہ خان کی معرکۃ الآراء جواب دہی کے بعد بین الاقوامی حلقوں میں۔ ہر جانب یہ تسلیم کیا جا رہا تھا کہ پاکستانی وزیر خارجہ نے بمصداق محاورۂ انگریزی آئینگر (ہندوستانی نمائندہ) پر میز الٹ دی، اسی طرح کہ ہندی نمائندوں کو الٹے لینے کے دینے پڑ گئے'۔ (خونابہ کشمیر از فضل احمد صدیقی ایم اے صفحہ نمبر 230) سر ظفر اللہ خان کی اس مساعی کا نتیجہ اس قرارداد کی شکل میں ظاہر ہوا جو اقوامِ متحدہ نے متفقہ طور پر منظور کی۔ مخالفت میں ایک ووٹ بھی نہیں تھا۔ صرف روس اور یوکرائن غیر جانبدار رہے۔ اس قرارداد کی پہلی شق تھی: 'ریاست جموں و کشمیر ہندوستان یا پاکستان سے الحاق کا فیصلہ جمہوری طریق سے آزادانہ غیر جانبدارانہ رائے شماری کے ذریعہ ہوگا۔''

مسئلہ کشمیر میں آخری کامیابی:

یہ قرارداد آج تک مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے حاصل کی گئی آخری کامیابی ہے۔ اور اس کے بعد پاکستان کی تمام تر کوشش اس پر عمل درآمد پر زور دینا رہا ہے۔ یوں جب کبھی اس پر عمل درآمد ہوگا۔ مسئلہ کشمیر کے حل کا سہرا بھی چودھری محمد ظفر اللہ خاں کے سر بندھے گا۔ جیسا کہ لکھا ہے:

'انھوں نے جس انداز سے کشمیر کے مسئلہ کو سیکیورٹی کونسل کے سامنے پیش کیا۔ یہ اس کا ثمرہ تھا کہ سیکیورٹی کونسل نے متفقہ طور پر کشمیر کے مستقبل کو عوام

کے استصواب رائے سے مشروط کر دیا'۔(م ش کی ڈائری مطبوعہ اخبار نوائے وقت 12 ستمبر 1990ء) آج ہم کشمیر کے متعلق سیکیورٹی کونسل کی جس قرارداد کو اساس بنا کر کشمیر کی آزادی کی جنگ لڑ رہے ہیں اسے سیکیورٹی کونسل سے متفقہ طور پر پاس کروانے میں ظفر اللہ خان کا ہاتھ تھا'۔

(م ش کی ڈائری۔اخبار نوائے وقت لاہور میگزین 6 مارچ 1992ء)

5۔اقوام متحدہ میں دوسرے وفد کی قیادت کے لئے آپ کی تقرری قائداعظم کے آخری دستخط:

قائداعظم نے آپ کو اقوام متحدہ میں پاکستان کے دوسرے وفد کا سربراہ مقرر کیا۔یہ آپ کا دستخط کردہ آخری سرکاری حکم تھا۔قائد کے اس وقت کے سکریٹری فرخ امین صاحب نے بیان کیا کہ ''بیماری کے پورے زمانے میں قائداعظم نے اس وقت تک سرکاری کاموں کا سلسلہ جاری رکھا جب تک ان میں ذرا بھی سکت باقی تھی۔۔۔مجھے وہ دن ہمیشہ یاد رہے گا جب انہوں نے یو۔این۔او میں پاکستان کی نمائندگی کرنے کے لئے سر محمد ظفر اللہ خاں کو پورے اختیارات دینے کے لئے آخری سرکاری دستخط کئے'۔

(زندہ قائداعظم از منظور حسین عباسی صفحہ 34 مطبوعہ مکتبہ شاہکار لاہور)۔

6۔مسلمان ممالک مراکش، الجزائر اور لیبیا کی آزادی میں اہم کردار

آپ ہی کو یہ سعادت نصیب ہوئی کہ آپ نے اپنے منصب کو کئی مسلمان ملکوں کی آزادی کے لئے استعمال کیا۔ اس کا اعتراف عام طور پر ہوا۔جیسا کہ یہ تحریریں :'اقوام متحدہ کے مستقل مندوب کی حیثیت میں چوہدری صاحب نے افریقہ اور عالم اسلام کے ممالک خصوصاً مشرقِ وسطیٰ کے مسلم ممالک کی گراں بہا خدمات انجام دیں اور آپ کی مخلصانہ وکالت کے نتیجہ میں مراکش، الجزائر اور لیبیا کو آزادی اور خودمختاری حاصل ہوئی۔اور پاکستان کو عرب ممالک کے محسن کی حیثیت حاصل ہوگئی۔تیونس،مراکش اور اُردن نے آپ کو اپنے سب سے بڑے نشان اعزاز سے نوازا'۔(اخبار نوائے وقت لاہور 2 ستمبر 1985ء)'عرب ممالک کی آزادی میں اقوام متحدہ میں ان کی نمائندگی کا بھرپور کردار ظفر اللہ نے پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت میں تاریخی کارنامے انجام دئے'۔

(م ش کی ڈائری ۔اخبار نوائے وقت لاہور میگزین 6 مارچ 1992ء)

عرب پریس کا اعتراف:

آپ کی مسلمان ملکوں کی انہی خدمات کا نتیجہ تھا کہ جب مفتیٔ مصر نے 1953ء میں پاکستان میں احمدی مخالف شورش کی حمایت کی تو وہاں کے اخبارات نے کھل کر آپ کے حق میں یہ اظہار کئے :عزام پاشا سکریٹری عرب لیگ نے لکھا : ہم اچھی طرح جانتے ہیں کہ ظفر اللہ خان اپنے قول اور اپنے کردار کی رو سے مسلمان ہیں۔روئے زمین کے تمام حصوں میں اسلام کی مدافعت کرنے میں آپ کامیاب رہے اور اسلام کی مدافعت میں جو مؤقف بھی اختیار کیا گیا اس کی کامیاب حمایت ہمیشہ ان کا طرۂ امتیاز رہا۔ اس لئے آپ کی عزت عوام کے دلوں میں گھر کر گئی اور مسلمانانِ عالم کے قلوب آپ کے لئے احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہوگئے۔آپ ان قابل ترین قائدین میں سے ہیں جنہیں عوامی اور ملی مسائل کو خوش اسلوبی سے طے کرنے کا ملکہ حاصل ہے'۔(الاخبار الجدیدہ قاہرہ 22 جون 1952ء)ازہر یونیورسٹی کے ڈائریکٹر خشابہ پاشا نے لکھا :'مسلمانوں اور عربوں کے معاملات میں بالعموم اور مصر کے معاملات میں بالخصوص چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے اسلامی مفادات کے تحفظ کی خاطر ہمیشہ ہی جس دلیری سے کام لیا ہے اس پر ذمہ دار حلقوں نے احسان مندی کا اظہار کرتے ہوئے اسے خوب سراہا ہے۔مَیں اس عظیم شخص کا بے حد ممنونِ احسان ہوں کیونکہ اس نے میرے ملک کی بے حد خدمت سرانجام دی ہے'۔

(اخبار الزماں قاہرہ 25 جون 1952ء)

6۔عالمی عدالت انصاف کے جج کا منصب پانا :

آپ کا عالمی عدالت انصاف کا جج مقرر ہونا پاکستان کے لئے ایک بڑا اعزاز تھا۔جیسا کہ لکھا گیا: آخری پاکستانی:'سر ظفر اللہ۔عالمی عدالت کے سربراہ رہے۔اقوام متحدہ میں اہم ترین مناصب پر فائز رہے۔یہ پہلے اور ابھی تک آخری پاکستانی ہیں جو اس مقام تک پہنچے ہیں' (تحریر نفیس صدیقی روزنامہ جنگ لاہور یکم اپریل 1998ء)اس تحریر پر 20 سال سے زائد گزر گئے ہیں۔حضرت چوہدری صاحب تا حال آخری پاکستانی ہیں جو اس

مقام کو پہنچے۔

واحد بار آور کوشش:

تیس سال پہلے کی ایک اور تحریر' آزادی کے 43 برسوں میں ہم نے چار مرتبہ کوشش کی کہ عالمی عدالت کی بنچ پر ایک نشست ہمیں مل جائے۔ پہلی کوشش تو سر محمد ظفر اللہ کی کامیابی کی صورت میں بار آور ہوئی باقی ناکام'۔(مضمون ایڈووکیٹ افتخار علی شیخ مطبوعہ اخبار نوائے وقت لاہور 4 دسمبر 1990) 1973ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائر ہونے پر اس وقت پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے آپ کے نام اپنے پیغام میں لکھا:

ہم سب کے لئے قابل فخر:

'جنرل اسمبلی کے صدر اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج کی حیثیت میں آپ نے پوری انسانیت کی خدمت ہی نہیں کی بلکہ پاکستان کے وقار کو بھی بلند و بالا کیا۔ مَیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو مختلف حیثیتوں میں عالمی برادری اور اقوامِ متحدہ میں جو تکریم ملی ہے اس پر ہم سب کو فخر ہے'۔ (اخبار پاکستان ٹائمز لاہور 18 مارچ 1973ء)

7۔ پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی:

انگریز حکومت نے جب مسلم اکثریتی صوبے پنجاب کی تقسیم کا فیصلہ کیا اور جولائی 1947ء میں باؤنڈری کمیشن کے قیام کا اعلان کیا تو اس اہم معاملہ میں مسلم لیگ کا کیس لڑنے کے لئے قائداعظم کی نگاہِ انتخاب ظفر اللہ خاں صاحب پر پڑی۔ اس تقرری کے بارے میں مشہور صحافی م ش صاحب نے لکھا: **سوچ بچار کا حاصل:** قائداعظم نے چوہدری سر ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے نامزد کیا تاکہ وہ پارٹیشن کمیٹی (باؤنڈری کمیشن) کے سامنے پیش ہوں۔ قائداعظم معمولی انسان نہیں تھے وہ تاثرات کی بناء پر لوگوں کے متعلق رائے قائم کرنے کے عادی نہ تھے بلکہ وہ تجربہ کی کسوٹی پر لوگوں کو پرکھا کرتے تھے انہوں نے بہت سوچ بچار کے بعد ظفر اللہ خاں کو مسلم لیگ کی نمائندگی کے لئے نامزد کیا تھا۔' (نوائے وقت لاہور میگزین 6 مارچ 1992ء) باؤنڈری کمیشن میں آپ کی اعلیٰ کارکردگی کا کھلے دل سے اعتراف کیا گیا۔

بہت خوش اور ممنون:

سب سے بڑھ کر سراہنے والے خود قائدِ اعظم تھے جن کے خراج تحسین کا حال معروف صحافی منیر احمد منیر صاحب نے یوں بیان کیا: قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا اور جب چوہدری ظفر اللہ خاں یہ کیس پیش کر چکے تو قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائداعظم کی طرف سے کرہ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہوا۔ معانقہ کرنے کے بعد قائداعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں سے کہا میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے سرانجام دیا۔(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں لاہور مورخہ 7 جون 2003ء) اس اہم ذمہ داری کو آپ نے جس طرح ادا کیا اس کا اعتراف مشہور صحافی حمید نظامی صاحب نے اپنے اخبار میں یوں کیا۔

سارے مسلمان معترف اور شکرگزار:

کوئی چار گھنٹے محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کی طرف سے نہایت مدلل، نہایت فاضلانہ اور نہایت معقول بحث کی۔ کامیابی بخشنا خدا کے ہاتھ میں ہے مگر جس خوبی اور قابلیت کے ساتھ سر محمد ظفر اللہ خان صاحب نے مسلمانوں کا کیس پیش کیا۔ اس سے مسلمانوں کو اتنا اطمینان ضرور ہو گیا کہ ان کی طرف سے حق و انصاف کی بات نہایت مناسب اور احسن طریقہ سے ارباب اختیار تک پہنچا دی گئی ہے۔ سر ظفر اللہ خان صاحب کو کیس کی تیاری کے لئے بہت کم وقت ملا۔ مگر اپنے خلوص اور قابلیت کے باعث انہوں نے اپنا فرض بڑی خوبی کے ساتھ ادا کیا۔ ہمیں یقین ہے کہ پنجاب کے سارے مسلمان بلا لحاظ عقیدہ ان کے اس کام کے معترف اور شکرگزار ہوں گے'۔

(اخبار نوائے وقت لاہور یکم اگست 1947ء)

ایسا ہی اعتراف کئی سال بعد فساداتِ پنجاب کی رپورٹ لکھتے ہوئے

جسٹس محمد منیر صاحب نے جو باؤنڈری کمیشن کے ایک رکن تھے ان الفاظ میں کیا:

بہادرانہ جدوجہد:

’عدالت ہذا کا صدر جو اس کمیشن کا ممبر تھا اس بہادرانہ جدوجہد پر تشکّر و امتنان کا اظہار کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے جو چوہدری ظفر اللہ خاں نے گورداسپور کے معاملے میں کی تھی ۔ یہ حقیقت باؤنڈری کمیشن کے کاغذات سے ظاہر و باہر ہے اور جس شخص کو اس مسئلے سے دلچسپی ہو وہ شوق سے اس ریکارڈ کا معائنہ کرسکتا ہے۔ چوہدری ظفر اللہ خاں نے مسلمانوں کی نہایت بے غرضانہ خدمات انجام دیں۔ ان کے باوجود بعض جماعتوں نے عدالت تحقیقات میں ان کا ذکر جس انداز میں کیا ہے وہ شرمناک نا شکرے پن کا ثبوت ہے‘۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب 1953ء صفحہ 209، مطبوعہ انصاف پریس، لاہور)

سرکاری بیان کے مخالف:

دستاویزات اور ساتھ ساتھ لکھی جانے والی تاریخ پر مشتمل ان حقائق کے باوجود حکومتِ پاکستان کے اس بیان کے خلاف جن حلقوں نے آواز اٹھائی ہے وہ ان کی مجبوری ہے۔ ان کا اپنی سیاہ تاریخ کے مطابق اصل ہدف خود قائد اعظم اور پاکستان ہیں۔ لیکن چونکہ ان کے خلاف زبان کھولنے میں گرفت کا ڈر ہے۔ اس لئے وہ قائد اعظم کے معتمد، ساتھی اور انہیں بیٹوں کی طرح عزیز ظفر اللہ خان کو منہ بھر بھر کر جھوٹ بول کر نشانہ بناتے ہیں۔

سیاہ تاریخ: ان مخالفین کے بڑے عطا اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن، مظہر علی اظہر وغیرہ پاکستان بننے سے پہلے کانگریس کی کاسہ لیسی میں قائد اعظم اور پاکستان کے بارے میں یہ کہتے رہے۔ **پاکستان:** ’جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں‘۔ (چمنستان از مولوی ظفر علی خان صفحہ نمبر 165) ’ہم اس کے سخت خلاف ہیں کہ لاکھوں مسلمانوں کی قربانی دے کر کسی یزید جیسے مسلمان کے لئے تختِ سلطنت بچھایا جائے‘۔ (تاریخ احرار صفحہ ل م بحوالہ کتاب سیّد عطاء اللہ شاہ بخاری از شورش کاشمیری صفحہ نمبر 121 مطبوعاتِ چٹان 88 میکلوڈ روڈ، لاہور) ’پاکستان ایک بازاری عورت ہے جس کو احرار نے مجبوراً قبول کیا ہے‘۔ (رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے فسادات پنجاب 1953 صفحہ 275، مطبوعہ انصاف پریس، لاہور)

’جو لوگ مسلم لیگ کو ووٹ دیں گے وہ سؤر ہیں اور سؤر کھانے والے ہیں‘۔ (چمنستان از مولوی ظفر علی خان صفحہ نمبر 165 بحوالہ تحریکِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 34) ’پاکستان ایک خونخوار سانپ ہے جو 1940ء سے مسلمانوں کا خون چوس رہا ہے اور مسلم لیگ کا ہائی کمانڈ ایک سپیرا ہے‘۔ (احراری اخبار آزاد 9 نومبر 1946ء بحوالہ تحریکِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 43) ’کتوں کو بھونکنا چھوڑ دو۔ کاروانِ احرار کو اپنی منزل کی طرف چلنے دو۔ احرار کا وطن لیگی سرمایہ دار کا پاکستان نہیں ۔ احرار پاکستان کو پلیدستان سمجھتے ہیں‘ (خطبات احرار صفحہ نمبر 99 بحوالہ تحریکِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 42) ’بلاشبہ پاکستان کا یہ تخیّل سیاسی الہام ہے مگر ربّانی الہام نہیں ہے۔ بلکہ قصرِ بکنگھم کا الہام ہے۔۔جس کو عرصہ کے بعد مسٹر جناح نے اپنایا اور لاہور میں پیش کرنے کی اجازت دی‘۔ (تحریکِ پاکستان پر ایک نظر از محمد حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مطبوعہ دہلی پرنٹنگ ورکس، دہلی) **قائد اعظم:** ’دس ہزار جینا اور شوکت، اور ظفر جواہر لال نہرو کی جوتی کی نوک پر قربان کئے جا سکتے ہیں۔‘‘

(چمنستان از مولوی ظفر علی خان صفحہ نمبر 165 بحوالہ تحریکِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 35)

اک کافرہ کے واسطے اسلام کو چھوڑا
یہ قائدِ اعظم ہے کہ ہے کافرِ اعظم

(بحوالہ رپورٹ تحقیقاتی عدالت برائے فساداتِ پنجاب 1953ء صفحہ نمبر 11، مطبوعہ انصاف پریس، لاہور) ’مسٹر محمد علی جناح کافر و مرتد ہے۔ اس کے بہت سے کفریات ہیں۔ بحکم شریعت وہ عقائد کفریہ کی بناء پر قطعاً مرتد اور خارج از اسلام ہے۔ اور جو اس کے کفر پر شک کرے یا

اسے کافر کہنے میں توقف کرے، وہ بھی کافر' (تجانب اہل السّنۃ صفحہ نمبر 86 بحوالہ بریلویت از علامہ احسان الٰہی ظہیر صفحہ نمبر 232 زیرِ باب تکفیری فتوے شائع کردہ ادارہ ترجمان السّنۃ)

بالمقابل مسٹر گاندھی کی مدح سرائی: 'مَیں مسٹر گاندھی کو نبی بالقوہ مانتا ہوں'۔(مسجد خیر الدین امرتسر میں عطا اللہ شاہ بخاری کا بیان۔ اخبار اتفاق و ذوالفقار بحوالہ رہنمائے تبلیغ از سید محمد طفیل شاہ صفحہ 139۔140) 'بلاتشبیہ اور بے تمثیل مہاتما کا میم اور موسیٰ کا میم برابر ہیں ہر فرعونے را موسیٰ'۔(بیان عطااللہ شاہ بخاری مندرجہ مقدمات امیرِ شریعت صفحہ نمبر 27۔28، ناشر مکتبہ احرار)

سدھائے ہوئے پرندے:

قائدِاعظم نے قیامِ پاکستان کے ان مخالفین کے بارے میں فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ ہمارے مخالف بعض طاقتیں کام کر رہی ہیں اور کانگریس ارادہ کئے بیٹھی ہے کہ ہماری صفوں کو ان مسلمانوں کی امداد سے پریشان کر دیا جائے جو ہمارے ساتھ نہیں ہیں۔ مجھے افسوس ہے کہ وہ مسلمان ہمارے ساتھ نہیں ہیں بلکہ ہمارے دشمنوں کے ساتھ ہیں۔ یہ مسلمان ہمارے خلاف مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے کام میں بطور کارندے استعمال کئے جا رہے ہیں۔ یہ مسلمان سدھائے ہوئے پرندے ہیں۔ یہ صرف شکل وصورت کے اعتبار سے ہی مسلمان ہیں'۔(اخبار انقلاب لاہور، 18 اکتوبر 1945ء صفحہ 4 بحوالہ تحریکِ پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار از مولانا دوست محمد شاہد صفحہ 42)

سرکاری بیان کی مخالفت کی وجوہ:

بیان کی مخالفت کرتے ہوئے اس گروہ نے سوشل میڈیا پر اپنے اس پرانے جھوٹ کا سہارا لیا ہے کہ ظفر اللہ خاں نے

'۔یہ کہہ کر قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا کہ یا تو یہ کافر ہے یا میں کافر ہوں'۔اس جھوٹ کے ان دونوں حصوں کی حقیقت درج ذیل ہے:

۔i۔ قائد اعظم کا جنازہ۔۔قائد اعظم سے جماعت کے اچھے تعلقات:

جماعت احمدیہ کے اکابرین قائداعظم کی اعلیٰ شخصیت اور ان کی مضبوط کردار کے معترف رہے اور دونوں کے درمیان ایک اچھا اور خوشگوار رابطہ رہا۔ جماعت کے دوسرے خلیفہ حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب نے 1927ء میں انہیں' قابل عزت، قابل ادب، زیرک، قابل اور مخلص خادمِ قوم' کہا۔(انوار العلوم جلد10 صفحات 18 اور 45)۔ اسی تاثر کا نتیجہ تھا کہ جب قائداعظم بعد میں عملی سیاست ترک کر کے لندن منتقل ہو گئے تو آپ نے نہیں واپس آنے پر آمادہ کرنے کی کامیاب کوشش فرمائی۔

قائداعظم کی چوہدری صاحب سے محبت:

حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں صاحب قائداعظم کو ہمیشہ عزیز رہے بلکہ ایک موقع پر انہوں نے برملا چوہدری صاحب کو اپنا بیٹا کہا جیسا کہ ڈاکٹر عاشق حسین بٹالوی صاحب نے اپنی کتاب ہماری قومی جدوجہد' میں قائداعظم کی 1939ء میں ہندوستان کی مرکزی اسمبلی میں تقریر سے یہ لفظ نقل کئے ہیں کہ:

میں اپنی اور اپنی پارٹی کی طرف سے آنریبل سر محمد ظفر اللہ خاں کو ہدیہ تبریک پیش کرنا چاہتا ہوں۔ وہ مسلمان ہیں اور یوں کہنا چاہئے کہ میں اپنے بیٹے کی تعریف کر رہا ہوں۔(کتاب مذکورہ صفحہ 76)اس محبت اور اعتماد کا اظہار بار بار ہوا اور قائداعظم نے حضرت چوہدری سر محمد ظفر اللہ خاں کو درج ذیل اہم مناسب پر از خود مقرر فرمایا: پنجاب باؤنڈری کمیشن میں مسلم لیگ کا نمائندہ اقوامِ متحدہ میں پاکستان کے پہلے اور دوسرے وفد کا قاء۔ پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ۔ جنازہ نہ پڑھنے کی اصل اور واحد وجہ: اس سب تعلق کے باوجود حضرت چوہدری ظفر اللہ خاں صاحب قائداعظم کی نماز جنازہ میں شامل نہیں ہوئے تو اس کی کوئی ذاتی وجہ نہیں ہوسکتی۔ اس کا سبب ایک ہی تھا کہ یہ نماز جو صاحب پڑھا رہے تھے وہ حضرت بانی جماعت احمدیہ کے مکفر تھے اور احمدی کسی ایسے شخص کی اقتداء میں نماز ادا نہیں کرتے جو حضرت بانی جماعت کے خداداد منصب کا انکاری ہو۔نماز جنازہ فرض کفایا ہے: پھر نماز جنازہ ایک فرض کفایا ہے اور ہر شخص پر جنازہ کی ادائیگی فرض نہیں جیسا کہ میاں طفیل صاحب اور پروفیسر عبدالغفور صاحب نے مولوی مودودی صاحب کی قائداعظم

کا جنازہ نہ پڑھنے کی صفائی میں کہا (اخبار مساوات 29 فروری 1978ء)۔ یہ بنیادی طور پر جانے والے کے لئے اظہار دعا ہے اور علیحدہ بیٹھے بھی حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب قائداعظم کے لئے دعا ہی کر رہے ہوں گے۔ جیسا کہ ان کی غم زدہ چہرے والی اس موقعہ کی تصویر سے ظاہر ہے۔ پھر دعا کا راستہ بعد میں بھی کھلا رہتا ہے۔ حضرت چوہدری ظفراللہ خان صاحب نے بعد میں بھی ہمیشہ قائداعظم کے لئے محبت اور احترام کا رویہ رکھا۔ آپ کی خودنوشت سوانح عمری تحدیث نعمت میں جو پہلی بار 1971ء میں شائع ہوئی جا بجا یہ ذکر خیر ملتا ہے۔ آپ کے کردار کی انتہائی پختگی کا اظہار: یہ پہلو بھی قابل ذکر ہے کہ بانی پاکستان کی وفات کے موقع پر حکومت کا ایک اہم منصب دار ہوتے ہوئے اور دیکھنے والی نگاہوں کے سامنے حضرت چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کا کسی مداہنت سے کام نہ لینا اور اپنے عقیدہ کے مطابق جنازہ میں شامل نہ ہونا، ان کے کردار کی انتہائی پختگی کا مظہر ہے۔ قائداعظم خود بھی بے لچک اور مضبوط کردار کے مالک تھے اور واقعات کو ان کے صحیح تناظر میں رکھ کر حق وصداقت کی بنیاد پر فیصلہ کرتے تھے۔ غالباً مزاج کی یہی یکسانیت تھی جو حضرت چوہدری صاحب کو قائداعظم کے قریب لائی اور بالآخر آپ قائداعظم کے ایک معتمد ساتھی ٹھہرے۔ 2۔ حضرت چوہدری صاحب کا بیان۔۔اصل اخباری خبر: مخالف تحریروں میں جیسے ماہنامہ بیّنات محرم ۱440ھ، سیاق وسباق کے بغیر اچکا ہوُا یہ جملہ اس جھوٹ کی بنیاد ہے: ’آپ مجھے کافر حکومت کا مسلمان وزیر سمجھ لیں یا مسلمان حکومت کا کافر نوکر‘۔ (اخبار زمیندار لاہور، 8 فروری 1950ء) سترہ ماہ بعد: اس بحث سے قطع نظر کہ یہ کس موقع کی بات ہے اور یہ کس سوال کا جواب تھا۔ ایک بات تو بالکل صاف ہے کہ سترہ مہینوں بعد کے اس اخباری بیان کے بارے میں یہ کہنا کتنا غلیظ جھوٹ ہے کہ آپ نے ’یہ کہہ کر قائداعظم کا جنازہ نہیں پڑھا تھا کہ یا تو یہ کافر ہے یا میں کافر ہوں‘۔ گویا یہ اظہار آپ نے قائداعظم کی وفات کے دن یعنی ۱۱ستمبر 1948ء کو کیا تھا۔ کفر وایمان کی بحث: ڈیڑھ سال بعد کے حضرت چوہدری صاحب کی طرف منسوب اس بیان کا تعلق قائداعظم کے جنازہ سے نہیں بلکہ کفر وایمان کی بحث سے معلوم ہوتا ہے۔ اس معاملہ میں جماعت احمدیہ کا موقف ہمیشہ سے آنحضرت ﷺ کی اتباع میں یہی ہے کہ کسی بھی شخص کا عقیدہ وہی ہے جس کا وہ اعلان کرتا ہے۔ اور جو اس اصول کو نہیں مانتے اور دوسروں کے ایمان پر فیصلے دیتے ہیں وہ آنحضرت ﷺ کے ان ارشادات کے ذیل میں ہیں۔

(الف) الذی اذا قال الرجل لاخیه کافر فقد باء به احدهما (بخاری کتاب الادب) یعنی جس کسی شخص نے اپنے بھائی کو کافر کہا ان میں سے ایک ضرور کافر ہوگا

(ب) ایما الرجل مسلم اکفر رجل مسلم و ان کان کافراً و الا کان هوا لکافر (ابو داؤد) یعنی کوئی مسلمان جب کسی مسلمان کو کافر کہے تو اگر وہ کافر ہے تو ٹھیک ہے اور اگر وہ نہیں ہے تو وہ خود کافر بن جائے گا۔ زیرو نہیں ہیرو ہی ہیرو: اس مخالف گروہ نے اپنے بیان کو یہ برخود غلط عنوان دیا ہے کہ ’ہیرو نہیں زیرو‘ سوال ہے کہ کیا ظفراللہ خان جیسا نادر وجود زیرو ہوسکتا ہے جس کو خود قائداعظم نے یوں سراہا: ہجولائی 1947 سے ستمبر 1948ء تک کے پندرہ مہینوں میں چوہدری سر محمد ظفراللہ خاں صاحب کو یکے بعد دیگرے چار اہم ترین ذمہ داریاں اور اعلیٰ مناسب تفویض ہوئیں۔ اور ان میں مکرم چودھری صاحب کی اعلیٰ کارکردگی کی قائداعظم نے کھلے دل سے تعریف کی۔ باؤنڈری کمیشن میں قائدِ اعظم کے منتخب کردہ مسلم لیگ کے وکیل۔ اقوامِ متحدہ میں پہلے پاکستانی وفد کے قائدِاعظم کے مقررہ سربراہ۔ پاکستان کے پہلے سات سال میں قائدِاعظم کے مقرر کردہ وزیرِ خارجہ۔ اقوامِ متحدہ میں دوسرے پاکستانی وفد کے قائدِاعظم کے آخری دستخط سے مقرر کردہ سربراہ۔

قائداعظم کا تعریفیں کرنا:

معروف صحافی منیر احمد منیر نے اپنے کالم ’جگ ورتی‘ میں لکھا: ’ان کی تعریفیں تو وہ ہستی کرتی رہی جسے دنیا بانی پاکستان بابائے قوم حضرت قائد اعظم محمد علی جناح کے مبارک القاب اور نام سے جانتی ہے سچائی جن کی پہچان تھی جنہوں نے کسی کا دل رکھنے کے لئے مصلحتاً بھی جھوٹ نہ بولا ۔ قائداعظم نے چوہدری ظفراللہ خاں کو پنجاب باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کا کیس پیش کرنے کے لئے مقرر کیا تھا۔ قیام پاکستان کے بعد۔

قائد اعظم نے چوہدری ظفر اللہ خاں کو پاکستان کی نمائندگی کے لئے یو۔این۔او میں بھیجا تھا جب قائداعظم نے امریکہ میں پاکستانی سفیر حسن اصفہانی کو لکھا کہ ظفر اللہ کو واپس بھیج دیں تو اصفہانی صاحب نے پس و پیش کی اس پر 22 اکتوبر 1947ء کو اصفہانی کے نام اپنے خط میں یہ جملہ قائد اعظم نے ہی ظفر اللہ خاں کے لئے لکھا تھا۔ یہاں ہمارے پاس اہل خاص طور پر ان جیسے مقام (Calibure) کے حامل افراد کی کمی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مختلف مسائل کے حل کے لئے ہماری نگاہیں بار باران کی طرف اٹھتی ہیں۔۔۔ظفر اللہ خاں کو پاکستان کا وزیر خارجہ بھی قائداعظم نے ہی مقرر کیا تھا۔ قیام پاکستان سے کوئی 12 برس قبل سنٹرل لجیسلیٹو اسمبلی کے بھرے اجلاس میں یہ جملہ بھی قائداعظم نے ہی ادا کیا تھا ظفر اللہ خاں میرا سیاسی بیٹا ہے۔''

(کالم مطبوعہ روزنامہ خبریں مورخہ 7 جون 2003ء)

معانقہ کا شرف: ایک اور صحافی نے بیان کیا: 'جب چوہدری ظفر اللہ خان یہ کیس (باؤنڈری کمیشن) پیش کر چکے، قائداعظم نے انہیں شام کے کھانے کی دعوت دی اور انہیں معانقہ کا شرف بخشا جو قائدِاعظم کی طرف سے کرۂ ارض پر بہت کم لوگوں کو نصیب ہؤا۔ معانقہ کرنے کے بعد قائد اعظم نے چوہدری ظفر اللہ خان سے کہا 'میں تم سے بہت خوش ہوں اور تمہارا ممنون ہوں کہ جو کام تمہارے سپرد کیا گیا تھا تم نے اسے اعلیٰ قابلیت اور نہایت احسن طریق سے انجام دیا'۔(تحریر و قیع صحافی منیر احمد منیر مطبوعہ روزنامہ خبریں 7 جون 2003ء)

کیا ظفر اللہ خان جیسا نادر وجود زیرو ہوسکتا ہے جس کی پاکستان کے اہل دانش اور اہل سیاست نے یوں تعریف کی: تحریکِ پاکستان کے معروف رکن اور سابق وزیر و سفیر سعید احمد کرمانی صاحب کے الفاظ میں: رائٹ مین: 'قائد اعظم نے رائٹ مَین فار رائٹ جاب، جناب ظفر اللہ خان کی چائس بھی قائد اعظم کی تھی۔ظفر اللہ خان قیام پاکستان کے موقعہ پر نواب آف بھوپال کے آئینی مشیر تھے۔قائداعظم نے بلایا کہ آپ باؤنڈری کمیشن کے آگے مسلم لیگ کا کیس آرگو کریں۔ وہاں سے اچھی خاصی تنخواہ اور مراعات چھوڑ کر آ گئے' ۔

صدیوں بعد: 'چوہدری محمد ظفر اللہ خان بڑے آدمی تھے۔سر ظفر اللہ جیسا آدمی صدیوں بعد پیدا ہوگا۔ بُرا نہ منائیں ۔سر ظفر اللہ صدیوں بعد پیدا ہوگا'۔ (ماہنامہ قومی ڈائجسٹ اگست 2002ء صفحہ نمبر 30) دیو قامت: ایک اور کتاب میں لکھا گیا: اقوامِ متحدہ وہ جگہ ہے جہاں دنیا کے بہترین اہل دماغ آتے ہیں اور سر ظفر اللہ جیسی ہستی بہت کم دیکھنے میں آتی ہے۔ وہ دیو قامتوں میں یقیناً ایک دیو قامت شخصیت رکھتے تھے'۔

(خون نابہ کشمیر از فضل احمد صدیقی ایم اے صفحہ نمبر 247)

ہم سب کے لئے باعث فخر:

1973ء میں عالمی عدالت انصاف سے ریٹائر ہونے پر اس وقت پاکستان کے صدر ذوالفقار علی بھٹو نے آپ کے نام اپنے پیغام میں لکھا: 'مَیں آپ کی ان خدمات کی وجہ سے جو آپ نے کئی دہائیوں کے عرصہ میں پاکستانی عوام اور عالمی برادری کے لئے نہایت ہی بے لوث طریقے سے انجام دی ہیں گہرے تشکر و تحسین کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔ اس سیاسی تحریک کے ایک ممتاز رکن کی حیثیت سے جو کہ برصغیر کے مسلمانوں کے علیحدہ وطن کے حصول پر منتج ہوئی اور اس سے بھی پہلے 193ء میں آل انڈیا مسلم لیگ کے صدر کی حیثیت سے آپ نے پاکستان کے حصول کے لئے نہایت ہی نمایاں کردار ادا کیا'۔مملکتِ خداداد کے معرضِ وجود میں آنے کے بعد ابتدائی سات سالوں





میں وزیر خارجہ پاکستان کی حیثیت سے آپ نے پاکستان کو ایسی ریاست کے طور پر مستحکم کرنے میں مدد دی جس کو بیرونی دنیا میں باعزت مقام حاصل ہو گیا اور جس کے مؤقف کو بین الاقوامی سطح پر اہمیت دی جانے لگی۔لیکن پاکستان کے لئے آپ کی خدمات یہیں تک محدود نہ تھیں ۔ جنرل اسمبلی کے صدر اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف کے جج کی حیثیت میں آپ نے پوری انسانیت کی خدمت ہی نہیں کی بلکہ پاکستان کے وقار کو بھی بلند و بالا کیا۔ مَیں پورے یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ آپ کو مختلف حیثیتوں میں عالمی برادری اور اقوامِ متحدہ میں جو تکریم ملی ہے اس پر ہم سب کو فخر ہے'۔(اخبار پاکستان ٹائمز لاہور 18 مارچ 1973ء) کیا ظفر اللہ خان جیسا نادر وجود زیرو ہو سکتا ہے جس کی دیگر مسلم حکومتوں نے یوں پزیرائی کی: امیر فیصل کی شکرگزاری: مسئلہ فلسطین پر آپ کی شاندار کارکردگی نے تمام مسلمان ملکوں میں بالعموم اور عرب ملکوں میں بالخصوص ظفر اللہ خان صاحب کے لئے محبت اور پاکستان کے لئے احترام کا رشتہ قائم کر دیا۔سعودی عرب کے امیر فیصل (بعد میں شاہ فیصل) اس وقت اقوامِ متحدہ میں شاہی مندوب تھے۔ انہوں نے اپنے مئی 1948ء میں حضرت چوہدری صاحب کو اپنے خط میں لکھا: ترجمہ از انگریزی: اس خط کے ذریعہ میں اپنے دلی شکر کا اظہار کرنا چاہتا ہوں کہ آپ نے جب سے فلسطین کا مسئلہ اقوامِ متحدہ میں پیش ہوا ہے۔ ہمارے ساتھ بھرپور تعاون اور ہمارے حق میں نہایت اعلیٰ مؤقف اختیار کیا ہے'۔

(خط کے عکس کے لئے ملاحظہ ہو کتاب تعمیر و ترقی' پاکستان میں جماعت احمدیہ کا مثالی کردار از پروفیسر محمد نصر اللہ راجا صفحہ نمبر 164۔ 165 کا درمیان)

اعزازات:

عرب ملکوں آپ سے تعلق کے اظہار میں آپ کو یہ اعزاز دئے: 1953ء میں شاہ حسین نے اردن کا سب سے اعلیٰ اعزاز 'ستارہ اردن' دیا۔ 1962ء میں شاہ حسن نے مراکش کا سب سے بڑا اعزاز دیا۔

خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا جانا:

یہی تعلق تھا کہ ایک دہائی کے بعد مارچ 1958ء میں جب حضرت چودھری صاحب نے عمرے کی غرض سے حرمین شریفین کا قصد کیا تو آپ شاہ سعود کے ذاتی مہمان ٹھہرے اور آپ کے لئے خانہ کعبہ کا دروازہ کھولا گیا۔اور آپ کو اس مقام پر کھڑے ہو کر نفل ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے وہاں نفل ادا کئے تھے۔(تحدیثِ نعمت از محمد ظفر اللہ خان صاحب صفحہ نمبر 644۔645 طبع ثانی 1981)اس واقعہ کا ذکر تحریکِ پاکستان کے معروف رکن اور سابق وزیر و سفیر سعید احمد کرمانی صاحب نے ان الفاظ میں کیا:: 'شاہ فیصل ۔۔۔ظفر اللہ خان کے عاشق تھے۔انہوں نے چوہدری ظفر اللہ خان کو حضور ﷺ کے روضۂ اقدس کے اندر جانے کی اجازت دی'۔

(ماہنامہ قومی ڈائجسٹ اگست 2002ء صفحہ نمبر 30)

مسلم ممالک کی اس پزیرائی کا اعتراف: اخبار نوائے وقت نے 1990ء میں لکھا:'چوہدری محمد ظفر اللہ خان نے عربوں کے کیس کی اقوام متحدہ میں جس خلوص ، دیانت داری ، بلند حوصلگی سے نمائندگی کی اس کا اعتراف تمام عالم اسلام کو ہے'۔(اخبار نوائے وقت لاہور میگزین 21 ستمبر 1990ء)

کیا ظفر اللہ خان جیسا نادر وجود زیرو ہو سکتا ہے جو ان منفرد اعزازات کے حامل ہوئے: عالمی عدالت انصاف کے جج، نائب صدر اور پھر صدر ہونے والے پہلے اور آخری پاکستانی عالمی عدالتِ انصاف کے صدر ہونے والے پہلے ایشیائی۔اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی اور عالمی عدالت انصاف کی صدارت کا منفرد اعزاز: اخبار مشرق نے لکھا:'انہیں یہ اعزاز بھی حاصل رہا کہ وہ بین الاقوامی عدالت کے سربراہ اور جنرل اسمبلی کے صدر رہے اور یہ ایسا منفرد اعزاز ہے جو دنیا بھر میں آج تک کسی دوسرے شخص کو حاصل نہیں ہوا'

(روزنامہ مشرق لاہور 7 ستمبر 1985ء)

وفات پر اقوام متحدہ کا پرچم سرنگوں کیا جانا: روزنامہ جنگ نے خبر دی:' لاہور میں اتوار کے روز انتقال کر جانے والے پاکستانی محمد ظفر اللہ خان کے سوگ میں منگل کے روز اقوامِ متحدہ کا پرچم سرنگوں رہا۔اقوام متحدہ کا سکریٹریٹ ان کی موت کی خبر پہنچتے ہی بند کر دیا گیا تھا۔اور تین دن کے بعد جب کام شروع ہوا تو پہلے روز پرچم سرنگوں رکھا گیا'۔(روزنامہ جنگ لاہور 5 ستمبر 1985ء)مندرجہ بالا حقائق ظاہر کرتے ہیں کہ یقیناً محمد ظفر اللہ خان نہ صرف پاکستان بلکہ ساری مسلم دنیا کے مسلّمہ ہیرو تھے، ہیں اور رہیں گے۔



آخری زمانہ کی ابتلاؤں کے متعلق پیشگوئیاں

ڈاکٹر سر افتخار احمد ایاز، لندن

اللہ تبارک تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے:

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَآ اِلَّا بِالْحَقِّ ؕ وَاِنَّ السَّاعَةَ لَاٰتِيَةٌ فَاصْفَحِ الصَّفْحَ الْجَمِيْلَ ○

”ترجمہ: اور ہم نے آسمانوں اور زمین کو اور جو کچھ ان کے درمیان ہے نہیں پیدا کیا مگر حق کے ساتھ اور ساعت ضرور آنے والی ہے۔ پس بہت عمدہ طریق پر درگزر کر۔“ (سورۃ الحجر:86)

خدا تعالیٰ کے مامور جب دنیا کی اصلاح کیلئے مبعوث ہوتے ہیں تو خدا تعالیٰ دنیا کی ہر شے کو ان کے تابع کر دیتا ہے اور چونکہ ان مامورمن اللہ کی بعثت کی غرض دنیا کی اصلاح اور خیر خواہی ہوتی ہے اس لئے کائنات کا ہر ذرہ جو اپنے خالق و مالک کی طرف سے پہلے ہی انسان کی خدمت پر مامور ہے، اس برگزیدہ خدا کے تابع ہو کر اس کا ممد و معاون بن جاتا ہے۔

گویا ہر مصلح ربانی کے ظہور کے وقت خدا تعالیٰ کی ایک خاص قدرت کا ظہور عمل میں آتا ہے اور گو بظاہر حالات کتنے ہی ناموافق کیوں نہ ہوں وہ قدرت خاصہ اس مردِ خدا کے حق میں تغیّراتِ عالم کو ترتیب دینا شروع کر دیتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ مقصد عظیم جس کے لئے اسے مبعوث کیا گیا ہے، پورا ہو جاتا ہے۔ یہ وہ سنت اللہ ہے جو جب سے کہ دنیا پیدا ہوئی ہے، اپنی تجلی دکھاتی چلی آ رہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے مامور باوجود کمزور اور وسائل مادیّہ سے تہی دست ہونے کے دنیا میں غالب آتے اور پھر اپنے مقاصد میں کامیاب و کامران ہو کر اہل دنیا کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○ عَلَّمَهٗ شَدِيْدُ الْقُوٰى ○ (سورۃ النجم: آیات 4 تا 6)

”ترجمہ: اور وہ خواہشِ نفس سے کلام نہیں کرتا۔ یہ تو محض ایک وحی ہے جو اُتاری جا رہی ہے۔ اسے مضبوط طاقتوں والے نے سکھایا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے کہ

حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ اپنی خواہشِ نفسانی سے کلام نہیں کرتے بلکہ یہ تو محض ایک وحی ہے جو اُتاری جا رہی ہے۔ ان کو یہ کلام بڑی طاقتوں والے خدا نے سکھایا ہے، کلام سے مراد ایک تو قرآن مجید ہے جس کا ہر لفظ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ ہے دوسرے حضرت نبی کریم ﷺ نے قرآن مجید کی آیات کے جو مفاہیم و معارف بیان فرمائے ہیں، وہ بھی الٰہی تفہیم کے مطابق ہی ہیں۔ اور اسی ضمن میں رسولِ خدا ﷺ کی وہ ہزاروں پیشگوئیاں بھی ہیں جو ماضی میں پوری ہو چکی ہیں۔ اور کچھ عصر حاضر میں پوری ہو رہی ہیں اور کچھ مستقبل میں پوری ہوں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

چونکہ کسی مامور کی بعثت کے وقت صفحۂ ہستی پر رونما ہونے والا ہر چھوٹا اور بڑا تغیر بالواسطہ یا بلا واسطہ طور پر اس مامور کی بعثت کے اغراض و مقاصد کو پورا کرنے اور اس کے مفوّضہ کام کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کی غرض سے ہوتا ہے، اس لئے عالم الغیب خدا کی طرف سے اس مامور کو بعض اوقات قبل از وقت مطلع بھی کر دیا جاتا ہے پھر وہ مامور حسب ضرورت یا حسب اذن الٰہی، اہل دنیا پر اس امر کو ظاہر کر دیتا ہے۔ اس صورت میں وہ اعلان یا وہ پیشگوئی ایک طرف اس مامورمن اللہ کی صداقت کا نشان بن جاتی ہے، اور دوسری طرف خدا تعالیٰ کی ہستی اور اس کے عالم الغیب ہونے پر ایک بہت بڑی دلیل ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ حقیقت ہے کہ غیب کا علم سوائے خدا تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا اور جس پر وہ اپنے غیب کا اظہار کریگا وہ یقیناً اس کا برگزیدہ اور محبوب ہو گا۔

حضرت بانیٔ سلسلہ احمدیہ علیہ الصلوٰۃ والسلام جو آنحضرت محمد ﷺ کی اتباع میں اور آپ کی پیشگوئیوں کے مطابق مامورمن اللہ اور اس زمانہ کے ربانی مصلح بن کر آئے، آپؑ کو بھی عالم الغیب خدا کی طرف سے بہت پیشگوئیوں کا قبل از وقت علم دیا گیا۔ ان پیشگوئیوں میں سے چند تو وہ ہیں اس وقت تک

عالمی تغیرات کی شکل میں ظاہر ہوکر پوری ہوچکی اور تاریخ عالم کا حصّہ بن چکی ہیں اور چند ایسی ہیں جو یا تو ابھی صرف جزوی طور پر پوری ہوئی ہیں اور ان کا اپنی پوری شرح و بست کے ساتھ منصۂ شہود پر آنا آئندہ کسی اور وقت کے لئے مقدر ہے۔اور یا وہ ابھی کلیۃً پردۂ اخفا میں ہیں اور آئندہ اپنے وقت مقدر پر ظاہر ہو کر دنیا کو خیرہ کردیں گی۔

سیدنا حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں

''خدا نے مجھے دنیا میں اس لئے بھیجا ہے کہ تا میں حلم اور خلق اور نرمی سے گم گشتہ لوگوں کو خدا اور اس کی پاک ہدایتوں کی طرف کھینچوں اور وہ نور جو مجھے دیا گیا ہے، اس کی روشنی سے لوگوں کو راہ راست پر چلاؤں....اور بلاشبہ یہ بات سچ ہے کہ غیب کے واقعات اور غیب کی خبریں بالخصوص جن کے ساتھ قدرت اور حکم ہے، ایسے امور ہیں جن کے حاصل کرنے پر کسی طور سے انسان کی طاقت خود بخود قادر نہیں ہوسکتی۔سو خدا نے میرے پر احسان کیا ہے جو اس نے تمام دنیا میں سے مجھے اس بات کے لئے منتخب کیا ہے کہ تا وہ اپنے نشانوں سے گمراہ لوگو ں کو راہ راست پر لاوے۔''

(مسیح ہندوستان میں۔روحانی خزائن، جلد 15 ص:143)

حضرت حذیفۃ بن اَسِیْد الغفاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس تشریف لائے اور ہم گفتگو کررہے تھے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: کیا گفتگو کررہے ہو؟ عرض کی گئی، قیامت کا ذکر کررہے ہیں۔فرمایا: یقین جانو قیامت تب تک برپا نہ ہوگی جب تک اس سے قبل دس علامات ظاہر نہ ہوجائیں۔پھر آپؐ نے دخان (دھوئیں) دجّال، دابۃ الارض، سورج کا مغرب سے طلوع ہونا، عیسیٰؑ کا نزول، یاجوج و ماجوج کا نکلنا، تین جگہ زمین کا دھنسنا، آخر میں ایک آگ ہوگی جو یمن کی طرف سے نکلے گی اور لوگوں کو محشر کی طرف دھکیل کرلے جائے گی۔

(تفسیر دُرِ منثور جلد 5 صفحہ:117)

حضرت رسولِ اکرم ﷺ نے مسیح موعودؑ و امام مہدیؑ کی بعثتِ مبارکہ کی کوشخبری سناتے ہوئے فرمایا تھا:

فَيَطْلُبُهُ حَتّٰى يُدْرِكَهُ بِبَابِ لُدٍّ فَيَقْتُلُهُ

مسیح موعود دجّال کا پیچھا کرے گا، اور اُسے ''بابِ لُد'' پر پالے گا، اور اُسے بذریعہ دلائل و براہین وُ دعا قتل کردے گا۔

(مشکوٰۃ، کتاب الفتن)

مخبر صادق حضرت محمد مصطفی ﷺ کی یہ پیشگوئی چودھویں صدی ہجری کے آٹھویں سال 1308ھ مطابق 1891ء میں پوری ہوئی۔اور حضرت مرزا غلام احمد علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے الہاماً فرمایا:

''مسیح ابن مریم رسول اللہ فوت ہوچکا ہے اور اس کے رنگ میں ہوکر وعدہ کے موافق تُو آیا ہے۔''

(ازالہ اوہام:2۔561)

چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے مسلمانوں کو بشارت دیتے ہوئے فرمایا:

''اے مسلمانو! اگر تم سچے دل سے حضرت خداوند تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول علیہ السلام پر ایمان رکھتے ہو، اور نصرت الٰہی کے منتظر ہو تو یقیناً سمجھو کہ نصرت کا وقت آ گیا ہے اور یہ کاروبار انسان کی طرف سے نہیں۔اور نہ کسی انسانی منصوبے نے اس کی بنیاد ڈالی ہے بلکہ وہی صبح صادق ظہور پذیر ہوگئی ہے جس کی پاک نوشتوں میں پہلے سے خبر دی گئی تھی۔خدائے تعالیٰ نے بڑی ضرورت کے وقت تمہیں یاد کیا، قریب تھا کہ تم کسی مہلک گڑھے میں گر جاتے مگر اُس کے باشفقت ہاتھ نے جلدی تمہیں اُٹھا لیا۔سو شکر کرو اور خوشی سے اُچھلو جو آج تمہاری تازگی کا دن آ گیا، خدا تعالیٰ نے دین کے باغ کو، جس کی راستبازوں کے خونوں سے آبپاشی ہوئی تھی کبھی ضائع کرنا نہیں چاہا۔''

(روحانی خزائن جلد 2، صفحہ 104)

دنیا کے حالات اس وقت ہمارے سامنے ہیں، ذرائع ابلاغ نے کوئی بات پوشیدہ نہیں رہنے دی۔ہر صاحبِ بصیرت یہ اندازہ لگا سکتا ہے کہ دنیا کا ہر فساد، خرابی، بدامنی، ظلم، ناانصافی، دہشت گردی کی بنیادی وجہ یہی یاجوج و ماجوج ہیں۔اور یہ سب کچھ اصلاح اور قیامِ امن کے بہانے ہورہا ہے۔

سیدنا محمد مصطفی ﷺ نے یہ پیشگوئی بھی فرمائی تھی لَا يَدَانِ لِاَحَدٍ بِقِتَالِهِمْ (صحیح مسلم، کتاب الفتن) جن سے کسی کو لڑنے کی طاقت نہیں۔اور مسیح موعودؑ کی دُعا سے ہی یاجوج و ماجوج ہلاک ہوں گے۔وَبِدُعَائِهٖ يَهْلَكُ يَاْجُوْجَ وَمَاْجُوْجَ (بحوالہ اقامۃ البرہان علیٰ نزول عیسیٰ فی آخر الزمان،

مطبوعہ مصر) عصرِ حاضر میں اللہ تعالیٰ نے یاجوج و ماجوج کے شر سے بچنے کے لئے مسیح موعودؑ کو بطور حصار بنایا ہے۔ چنانچہ حضرت مسیح موعودؑ فرماتے ہیں

''ایک تیسری قوم کو پائیں گے، جو یاجوج ماجوج کے ہاتھ سے بہت تنگ ہوگی اور وہ لوگ بہت دین دار ہوں گے، اور اُن کی طبیعتیں سعادت مند ہوں گی۔ اور وہ ذوالقرنین سے جو مسیح موعود ہے مدد طلب کریں گے، تا یاجوج و ماجوج کے حملوں سے بچ جائیں، اور تا وہ اُن کے لئے سدّ روشن بنادے۔ یعنی ایسے پختہ دلائل اسلام کی تائید میں اُن کو تعلیم دے گا جو یاجوج ماجوج کے حملوں کو قطعی طور پر روک دے گا اور ان کے آنسو پونچھے گا۔ اور ہر ایک طور پر اُن کی مدد کرے گا اور اُن کے ساتھ ہوگا۔ یہ اُن لوگوں کی طرف اشارہ ہے جو مجھے قبول کرتے ہیں۔''

(لیکچر لاہور، صفحہ: 75)

آج اگر مسلمان یاجوج و ماجوج کے شر سے محفوظ رہنا چاہتے ہیں تو اُنہیں مسیح موعودؑ کے حصار میں پناہ لینی ہوگی۔ اصحابِ بصیرت مسلمان زبان سے یہ اقرار کریں یا نہ کریں مگر اُن کی حالتِ زار یہ کہہ رہی ہے کہ حضرت امام مہدیؑ نے سچ فرمایا تھا اور لاکھ بار سچ فرمایا تھا:

ع　ہیں درندے ہر طرف میں عافیت کا ہوں حصار

اللہ عزوجل نے اُن کی تباہی کی بھی خبر دیتے ہوئے فرمایا ہے:

سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَا الثَّقَلٰنِ

''ترجمہ: ہم ضرور تم سے پوری طرح نپٹیں گے اے دونوں بھاری طاقتو!'' (الرحمٰن: 32)

يُرْسَلُ عَلَيْكُمَا شُوَاظٌ مِّنْ نَّارٍ وَّنُحَاسٌ فَلَا تَنْتَصِرَانِ

''ترجمہ: تم دونوں پر آگ کے شعلے برسائے جائیں گے اور ایک طرح کا دھواں بھی۔ پس تم دونوں بدلہ نہ لے سکو گے۔''

(الرحمٰن: 36)

دونوں زبردست طاقتوں کو حضرت مصلح موعود رضی اللہ عنہ نے تفسیر صغیر میں روس اور امریکہ کی طاقتوں کا مجموعہ فرمایا ہے۔ حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ نے بھی اس تعلق سے فرمایا۔

''حضرت مسیح موعودؑ نے ایک تیسری جنگ کی خبر دی ہے جو پہلی دو جنگوں سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔ دونوں مخالف گروہ ایسے اچانک طور پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے کہ ہر شخص دم بخود رہ جائے گا۔ آسمان سے موت اور تباہی کی بارش ہوگی اور خوفناک شعلے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ دونوں متحارب گروہ روس اور اس کے ساتھی اور امریکہ اور اس کے دوست ہر دو تباہ ہو جائیں گے ان کی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی ان کی تہذیب وثقافت برباد اور ان کا نظام درہم برہم ہوجائے گا۔ بچ رہنے والے حیرت اور استعجاب سے دم بخود اور ششدر رہ جائیں گے۔''

(امن کا پیغام اور ایک حرف انتباہ)

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر عالمگیر سطح پر واقع ہونے والی ایک ایسی تباہی کی خبر دی، جس نے اچانک ظاہر ہو کر ساری دنیا کو اپنی لپیٹ میں لے لینا تھا۔ اس بارے میں آپ نے کچھ کھلے الفاظ میں اور کچھ اشارات و کنایات میں جو تفصیلات بیان فرمائیں، ان کے مطابق آپ پر یہ ظاہر کیا گیا کہ اس سے نہ صرف انسان بلکہ چرند پرند بھی متأثر ہوئے بغیر نہ رہیں گے، یہ کہ اس کا حلقۂ نفوذ شہروں اور آبادیوں سے لے کر پہاڑوں اور دریاؤں تک وسیع ہوگا اور اس کے نتیجے میں اس کثرت سے کشت وخون ہوگا کہ خون کی ندیاں بہ پڑیں گی۔ اس سے پیدا ہونے والی افراتفری کا یہ عالم ہوگا کہ لوگ راستوں سے بھٹک جائیں گے اور اپنے ہوش حواس کھو بیٹھیں گے اور کوئی ان کا پرسان حال نہ ہوگا۔ ذیل میں آپکا وہ مقدس منظوم کلام درج کیا جاتا ہے جن کے ساتھ آپ نے اس عالمگیر تباہی کا نقشہ کھینچا۔ آپ اپنے منظوم کلام میں فرماتے ہیں:

اک نشاں ہے آنیوالا آج سے کچھ دن کے بعد
جس سے گردش کھائینگے دیہات و شہر و مرغزار
یک بیک اک زلزلہ سے سخت جنبش کھائینگے
کیا بشر اور کیا شجر اور کیا حجر اور کیا بحار
اک جھپک میں یہ زمیں ہو جائے گی زیر و زبر
نالیاں خوں کی چلیں گی جیسے آب رود بار
ہوش اڑ جائیں گے انساں کے پرندوں کے حواس
بھولیں گے نغموں کو اپنے سب کبوتر اور ہزار

خون سے مُردوں کے کوہستان کے آب رواں
سرخ ہو جائیں گے جیسے ہو شراب انجبار
مضمحل ہو جائیں گے اس خوف سے سب جن و انس
زار بھی ہو گا تو ہوگا اس گھڑی با حال زار
وحی حق کے ظاہری لفظوں میں ہے وہ زلزلہ
لیک ممکن ہے کہ ہو کچھ اور ہی قسموں کی مار
وہ تباہی آئے گی شہروں پہ اور دیہات پر
جس کی دنیا میں نہیں ہے مثل کوئی زینہار
آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

(منقول از: براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن جلد 21)

ان اشعار میں اگر چہ اس موعود عالمگیر تباہی کو زلزلے کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔مگر جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے خود اس کی تصریح فرمائی،اس سے مراد کوئی ایسی آفت بھی ہوسکتی تھی جسکی تباہ کاریاں تو زلزلے کے مشابہ ہوں مگر جو اپنی وسعت اور ہلاکت آفرینی کے اعتبار سے اس سے کوئی نسبت نہ رکھتی ہو ۔چنانچہ آپ نے اس کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

’’خدا تعالیٰ کی وحی میں زلزلہ کا بار بار لفظ ہے اور فرمایا کہ ایسا زلزلہ ہوگا جو نمونہ قیامت کا ہوگا....لیکن میں ابھی تک اس زلزلہ کے لفظ کو قطعی یقین کے ساتھ ظاہر پر جما نہیں سکا۔ممکن ہے کہ یہ معمولی زلزلہ نہ ہو بلکہ کوئی اَور شدید آفت ہو جو قیامت کا نظارہ دکھلاوے،جس کی نظیر کبھی اس زمانہ نے نہ دیکھی ہو اور جانوں اور عمارتوں پر سخت تباہی آوے۔‘‘

(براہین احمدیہ حصہ پنجم۔روحانی خزائن،جلد 21 صفحہ 151)

یہ جملہ علامتیں جنگ عظیم اوّل کے چھڑ جانے کی صورت میں لفظاً لفظاً پوری ہوتی رہیں۔یہ جنگ جو 28 جون 1914ء کو آسٹریا کے شہزادہ،آرچ ڈیوک فرانسس فرڈینڈ کے قتل کے نتیجے میں یورپ کے ایک محدود علاقے میں اچانک شروع ہوئی، بڑھتے بڑھتے عالمگیر صورت اختیار کر گئی اور تھوڑے ہی عرصے میں اس نے دنیا کے ایک بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔شہروں کے شہر اور آبادیوں کی آبادیاں ویران ہو گئیں۔گولہ بارود اور بارودی سرنگوں کے استعمال سے پہاڑ اُڑ گئے۔میدانوں میں گڑھے پڑ گئے اور جنگلات آگ سے بھڑک اٹھے۔اور اس قدر خونریزی ہوئی کہ فی الواقعہ خون کی ندیاں بہنے لگیں۔

یہ جنگ پورے 4 سال تک جاری رہی۔اور اس نے ساری دنیا کے ممالک اور ان کی حکومتوں اور ان کی معیشت کو بری طرح متاثر کیا۔اس جنگ میں ہونے والی تباہ کاریوں کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ اس میں دو طرفہ دو کروڑ پچاس لاکھ کے لگ بھگ لوگ مارے گئے۔اور ایک کروڑ یا تو قیدی بنا لئے گئے اور یا ایسے لاپتہ ہوئے کہ آج تک ان کا سراغ نہیں ملا۔اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس عالمگیر تباہی کا سب سے بڑا نشان یعنی زارِ روس کا المناک انجام سے دو چار ہونا،جس عظیم الشان رنگ میں پورا ہوا،وہ تاریخ عالم کا ایک دردناک ورق ہے۔

غرض حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کو جس زلزلہ عظیمہ کی آسمانی خبر دی گئی تھی ،وہ آپؑ کی وفات کے صرف چھ سال بعد اپنی تمام تر تفصیلات کے ساتھ پوری ہو کر آپؑ کی صداقت کا نشان بن گئی۔

آنحضرت ﷺ کی آخری زمانے کے بارے میں پیشگوئیوں میں سے ایک ’’الدّابّۃ‘‘ کا خروج تھا۔چنانچہ دابۃ کا لفظ جراثیم پر بھی اطلاق پاتا ہے اور اس سے مراد طاعون اور اس کی اقسام ہیں۔یہ پیشگوئی پہلی بار چودھویں صدی کے دوسرے دھاکے اور بیسویں صدی کے ابتداء میں پوری ہوئی۔سیدنا حضرت مسیح موعودؑ نے بھی اس تعلق سے پیشگوئی فرمائی تھی۔1320 ھجری مطابق 1903ء میں طاعون نے صوبہ پنجاب اور ہندوستان کے بعض علاقوں میں وہ تباہی مچائی کہ لوگوں کی آنکھوں کے سامنے قیامت کا نمونہ آ گیا۔ہزاروں دیہات ویران ہو گئے،سینکڑوں شہروں اور قصبوں کے محلے کے محلے خالی ہو گئے اور ایسی تباہی آئی کہ مُردوں کو دفن کرنے کے لئے کوئی آدمی نہیں ملتا تھا۔لاشیں سڑکوں اور گلیوں میں پڑی ہوئی سڑتی تھیں۔

(بحوالہ تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ:13)

آنحضرت ﷺ کی ان پیشگوئیوں کے مطابق سیدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا۔

’’یورپ اور دوسرے عیسائی ملکوں میں ایک قسم کی طاعون پھیلے گی،جو بہت

سخت ہوگی۔‘‘(تذکرہ۔ص705)

چنانچہ طاعون کی یہ قسم ایڈز(AIDS) کی شکل میں ظاہر ہوئی جو کہ بے راہ روی، فحاشی اور گناہوں کا نتیجہ ہے۔

AIDS FACT SHEET 2007.U.N.O کے مطابق 2.32 ملین انسان ایڈس کی مرض میں مبتلاء ہوئے۔ اس سال بیس لاکھ (دو ملین) انسان ایڈز کی وجہ سے موت کا شکار ہوئے۔ ماہرین کے نزدیک دن بدن یہ مرض شدت اختیار کرتی گئی۔ سیدنا حضرت مسیح موعودؑ کو اللہ تعالیٰ نے یہ بھی بشارت دی تھی: اِنِّیْ اُحَافِظُ کُلَّ مَنْ فِی الدَّارِ (کشتی نوح صفحہ 10) یعنی ہر ایک شخص جو تیرے گھر اور جماعت کے اندر ہے میں اُس کو محفوظ رکھوں گا۔ چنانچہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اعلان فرمایا تھا کہ، میری جماعت کے لوگ طاعون سے بچاؤ کا ٹیکہ نہ لگوائیں۔ انشاء اللہ وہ اِس بیماری سے محفوظ رہیں گے۔ اس وقت دنیا نے دیکھا تھا کہ جماعت احمدیہ کے علاوہ جن لوگوں نے ٹیکے لگوائے اور ہر قسم کی احتیاطی تدابیر اختیار کیں وہ کیڑے مکوڑوں اور حشرات الارض کی طرح مرتے چلے گئے۔ دوسری طرف اللہ تعالیٰ نے اپنے وعدہ کے مطابق حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی جماعت کو محفوظ رکھا۔ اور اُس وقت سینکڑوں افراد حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صداقت کا اعتراف کرتے ہوئے جماعت احمدیہ میں شامل ہوگئے۔

آنحضرت ﷺ کی ایک اور پیشگوئی جو آخری زمانہ میں بڑی شان سے پوری ہو رہی ہے اور جس نے انسان کے لئے خطرے کی گھنٹی بجادی ہے وہ ’’الدُّخَان‘‘ یعنی دھوئیں کی کثرت ہے۔ جب یہ پیشگوئی کی گئی تھی لکڑی سے جلنے والے چولہوں کے علاوہ کہیں سے بھی دھواں نہیں نکلتا تھا۔ اُس وقت مدینہ میں بیٹھے ایک انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی:

فَارْتَقِبْ يَوْمَ تَأْتِي السَّمَآءُ بِدُخَانٍ مُّبِيْنٍ ۝ يَّغْشَى النَّاسَ هٰذَا عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝

(الدُّخان: 11-12)

پس انتظار کر اس دن کا جب آسمان ایک واضح دھواں لائے گا۔ جو لوگوں کو ڈھانپ لے گا۔ یہ ایک بہت دردناک عذاب ہوگا۔

یہ پیشگوئی متعدد لحاظ سے پوئی ہوئی اور ہو رہی ہے۔ حضرت المصلح الموعودؓ نے اس سے ایٹم بم کا دھواں مُراد لیا ہے جو کہ دُنیا نے ہیروشیما جاپان کے آسمان پر 6راگست 1945 کو دیکھا جس کی وجہ سے اسّی ہزار انسان اُسی وقت موت کی نیند سو گئے۔ اور 75 ہزار زخمی ہوئے۔ جو زخموں کی تاب نہ لا سکے اور اس دنیا سے چل بسے۔

اس کے علاوہ دخان دھوئیں والی پیشگوئی ہم تیسری دنیا میں پوری ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ کارخانوں، گاڑیوں سے اتنا دھواں نکلتا ہے کہ بعض اوقات بڑے شہروں میں سانس لینا مشکل ہوجاتا ہے۔ کپڑے کالے سیاہ ہوجاتے ہیں۔ اگر یہی حالت جاری رہی تو وہ دن دُور نہیں، کہ آج جس طرح انسان پانی پینے کے لئے صاف پانی کی بوتل اُٹھائے پھرتا ہے سانس لینے کے لئے صاف ہوا کا سلینڈر اٹھائے پھرے۔

تیسری مثال اس پیشگوئی کے پورا ہونے کی یہ ہے کہ، آج دنیا میں ماحولیات کے ماہرین تیزی سے بڑھتے ہوئے درجہ حرارت کی وجہ سے خطرہ محسوس کر رہے ہیں اسے جغرافیہ کی اصطلاح میں Global Warming کا نام دیا جارہا ہے۔ ترقی یافتہ ممالک کی زبانیں اور قلمیں اعتراف کریں یا نہ کریں، لیکن ان کا ڈر اور خوف یہ اعلان کر رہا تھا کہ محمد مصطفی ﷺ نے چودہ سو سال قبل دخان کے جس خطرہ سے آگاہ کیا تھا، ہم اُس سے دوچار ہیں اور یہ عذاب الیم بن کر ہمارے سروں پر منڈلا رہا ہے۔

قرآن مجید نے اِس دخان کو عذاب الیم کہا ہے، جو کہ کسی جرم کی سزا کے طور پر ہوتا ہے۔ عصر حاضر کے انسانوں کی اکثریت کا سب سے بڑا جرم، اللہ تعالیٰ سے دُوری، گناہوں کا ارتکاب، اور مرسلِ ربانی حضرت امام مہدی علیہ السلام پر ایمان لانے سے غفلت برتنا ہے، اگر اُن کی آواز پر لبیک کہا جائے تو اس کائنات کا خالق و مالک دخان کے عذاب اور اس کے منفی، اور بد اثرات سے خود ہی محفوظ رکھے گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کو ابراہیم بھی کہا ہے جس طرح خدا تعالیٰ نے ابراہیم اوّل کے لئے آگ کو حکم دیا تھا:

يٰنَارُ كُوْنِيْ بَرْدًا وَّسَلٰمًا عَلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ ۝

(الانبیاء:70)

’’ترجمہ ہم نے کہا اے آگ! تو ٹھنڈی پڑ جا اور سلامتی بن جا ابراہیم پر۔‘‘

اُسی طرح عصرِ حاضر میں 'دخان' کو بھی بَرْدًا وَّسَلٰمًا کا حکم دے سکتا ہے۔
اس زمانے کے مثیل ابراہیم حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی اعلان فرمایا:

''مجھے آگ سے مت ڈراؤ کیونکہ آگ ہماری غلام، بلکہ غلاموں کی غلام ہے۔''

(اربعین 3، روحانی خزائن جلد 17، صفحہ 429)

حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ:

''میں آسمان سے اترا ہوں ان پاک فرشتوں کے ساتھ جو میرے دائیں بائیں تھے جن کو میرا خدا جو میرے ساتھ ہے، میرے کام کو پورا کرنے کے لئے ہر ایک مستعد دل میں داخل کرے گا بلکہ کر رہا ہے۔ اور اگر میں چپ بھی رہوں اور میری قلم لکھنے سے رکی بھی رہے، تب بھی وہ فرشتے جو میرے ساتھ اترے ہیں، اپنا کام بند نہیں کر سکتے۔ اور ان کے ہاتھ میں بڑی بڑی گرزیں ہیں جو صلیب توڑنے اور مخلوق پرستی کی ہیکل کچلنے کے لئے دی گئی ہیں.... وہ وقت دُور نہیں بلکہ بہت قریب ہے کہ جب تم فرشتوں کی فوجیں آسمان سے اُترتی اور ایشیا اور یورپ اور امریکہ کے دلوں پر نازل ہوتی دیکھوگے۔''

(اقتباس از فتح اسلام)

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے علم پا کر دنیا پر آنے والی پانچ بڑی آفتوں کی خبر دی۔ چنانچہ اس بارے میں آپ اپنے ایک الہام:

'چمک دکھلاؤں گا اپنے نشاں کی پنج بار'

کی تشریح میں فرماتے ہیں:

''اس وحی الٰہی کا یہ مطلب ہے کہ خدا فرماتا ہے کہ محض اس عاجز کی سچائی پر گواہی دینے کیلئے اور محض اس غرض سے کہ تا لوگ سمجھ لیں کہ میں اس کی طرف سے ہوں پانچ دہشتناک زلزلے ایک دوسرے کے بعد کچھ کچھ فاصلے سے آئیں گے تا وہ میری سچائی کی گواہی دیں اور ہر ایک میں اُن میں سے ایک ایسی چمک ہوگی کہ اس کے دیکھنے سے خدا یاد آجائے گا۔''

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 395)

پھر فرماتے ہیں:

''جب یہ پانچ زلزلے آچکیں گے اور جس قدر خدا نے تباہی کا ارادہ کیا ہے، وہ پورا ہو چکے گا، تب خدا کا رحم پھر جوش مارے گا اور پھر غیر معمولی اور دہشتناک زلزلوں کا ایک مدت تک خاتمہ ہو جائے گا۔''

(تجلیات الٰہیہ، روحانی خزائن، جلد 20، صفحہ 399)

ان پانچ غیر معمولی چمک رکھنے والے نشانوں سے اگرچہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے پانچ زلزلے ہی مراد لئے ہیں، تاہم جیسا کہ قبل ازیں پہلی جنگ عظیم کے ضمن میں بتایا جا چکا ہے کہ آپؑ نے زلزلہ کی تعبیر ایک بہت بڑے پیمانے پر برپا ہونے والی ایک ایسی شدید آفت سے کی، جو قیامت کا نظارہ دکھلائے گی اور جس کی نظیر پہلے اس زمانے نے کبھی نہ دیکھی ہو۔ چنانچہ وہ پیشگوئی آپؑ کی وفات کے چھ سال بعد ایک عالمگیر جنگ (جنگ عظیم اوّل) کی صورت میں پوری ہوئی۔ یک اَور، دوسری عالمگیر جنگ (1939ء تا 1945ء) کی صورت میں وقوع پذیر ہو بھی چکی ہے۔ جبکہ تیسری کے سیاہ بادل بڑے نمایاں طور پر افقِ عالم پر منڈلاتے نظر آرہے ہیں۔

اس تیسری عالمگیر جنگ کی ایک واضح علامت، جو حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پیشگوئیوں میں مذکور ہے اور جو ابھی تک اپنی پوری شرح و بسط کے ساتھ پہلی دو جنگوں میں ظاہر نہیں ہوئی، یہ ہے کہ اسکے نتیجے میں دنیا کے بعض حصوں سے انسانی اور حیوانی زندگی کے جملہ آثار مفقود ہو جائینگے۔ چنانچہ آپؑ فرماتے ہیں:

''یاد رہے کہ خدا نے مجھے عام طور پر زلزلوں کی خبر دی ہے۔ بعض ان میں قیامت کا نمونہ ہونگے اور اسقدر موت ہوگی کہ خون کی نہریں چلیں گی۔ اس موت سے پرند بھی باہر نہیں ہوں گے اور زمین پر اس قدر تباہی آئے گی کہ اس روز سے کہ انسان پیدا ہوا، ایسی تباہی کبھی نہیں آئی ہوگی اور اکثر مقامات زیر و زبر ہو جائینگے کہ گویا ان میں کبھی آبادی نہ تھی۔''

(حقیقۃ الوحی، روحانی خزائن، جلد 22 صفحہ 368)

یہ وہ بھیانک نقشہ ہے جسکی کسی قدر صورت دوسری جنگ عظیم کے دوران ہیروشیما اور ناگاساکی کے شہروں پر گرائے جانے والے جوہری بموں کی ہلاکت آفرینی سے ملتی ہے اور اگر کسی وقت تیسری عالمگیر جنگ چھڑ گئی، جسکے حتمی آثار ابھی سے نظر آرہے ہیں، تو کچھ بعید نہیں کہ جس قسم کے بم ہائیڈروجن اور نائٹروجن بموں کی شکلوں میں منصۂ شہود پر آچکے ہیں، ان کی ہلاکت خیزیوں کے نتیجے میں دنیا کے بیشتر حصوں سے زندگی کلیۃً مفقود ہو جائے۔

یہ امر خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ تیسری عالمگیر جنگ کی ایک اَور بہت بڑی علامت جو حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام نے بیان فرمائی، وہ یہ ہے کہ اس کا مرکز ملک شامؔ ہوگا جیسا کہ آپ فرماتے ہیں:

''خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ.... دنیا میں ایک حشر برپا ہوگا۔ وہ اوّل الحشر ہوگا اور تمام بادشاہ آپس میں ایک دوسرے پر چڑھائی کریں گے اور ایسا کشت و خون ہوگا کہ زمین خون سے بھر جائے گی۔ اور ہر ایک بادشاہ کی رعایا بھی آپس میں خوفناک لڑائی کرے گی۔ ایک عالمگیر تباہی آوے گی اور ان تمام واقعات کا مرکز ملک شام ہوگا۔''

(بحوالہ تذکرۃ المہدی، حصہ دوم صفحہ 3)

اب جیسا کہ دنیا جانتی ہے، پہلی دونوں جنگوں نے اگرچہ اپنی وسعت اور ہلاکت خیزی کے اعتبار سے دنیا کے اکثر ممالک کو بری طرح متاثر کیا، مگر ان میں سے کسی کا مرکز ملک شام نہ تھا۔ مگر تیسری عالمگیر جنگ کا مرکز حضرت بانیٔ سلسلہؑ کی پیشگوئی کے مطابق شامؔ کا ملک بتایا گیا ہے۔ یعنی وہ علاقہ جسے زمانۂ حاضرہ کی اصطلاح میں مڈل ایسٹ یا 'شرق اوسط' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

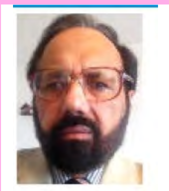
چنانچہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے تیسرے جانشین یعنی جماعت احمدیہ عالمگیر کے تیسرے امام، حضرت حافظ مرزا ناصر احمد صاحبؒ، نے آج سے تیس سال قبل لندن کے وانڈز ورتھؔ ہال میں منعقد ہونے والے ایک تاریخی جلسہ سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا تھا:

''پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک تیسری جنگ کی بھی خبر دی ہے جو پہلی دونوں جنگوں سے زیادہ تباہ کن ہوگی۔ دونوں مخالف گروہ ایسے اچانک طور پر ایک دوسرے سے ٹکرائیں گے کہ ہر شخص دم بخود رہ جائے گا۔ آسمان سے موت اور تباہی کی بارش ہوگی اور خوفناک شعلے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ نئی تہذیب کا قصرِ عظیم زمین پر آرہے گا۔ دونوں متحارب گروہ یعنی روس اور اسکے ساتھی اور امریکہ اور اسکے دوست ہر دو تباہ ہوجائیں گے، انکی طاقت ٹکڑے ٹکڑے ہوجائے گی، ان کی تہذیب وثقافت برباد اور ان کا نظام درہم برہم ہوجائے گا.... شاید آپ اسے افسانہ سمجھیں مگر جو اس تیسری عالمگیر تباہی سے بچ نکلیں گے اور زندہ رہیں گے، وہ دیکھیں گے کہ یہ خدا کی باتیں ہیں اور اس قادر کی باتیں ہمیشہ پوری ہی ہوتی ہیں، کوئی طاقت انہیں روک نہیں سکتی۔''

(''امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ''، صفحہ 9)

آخر پر فرمایا:

''پس تیسری عالمگیر تباہی کی انتہا، اسلام کے عالمگیر غلبہ اور اقتدار کی ابتدا ہوگی اور اسکے بعد بڑی سرعت کے ساتھ اسلام ساری دنیا میں پھیلنا شروع ہوگا اور لوگ بڑی تعداد میں اسلام قبول کرلیں گے۔ اور یہ جان لیں گے کہ صرف اسلام ہی ایک سچا مذہب ہے اور یہ کہ انسان کی نجات صرف حضرت محمد رسول اللہ ﷺ کے پیغام کے ذریعے حاصل ہوسکتی ہے۔''



''تجھے دل میں اتارا ہے''

منیر احمد باجوہ

ہر دردِ محبت نے ہم کو یہاں مارا ہے
دل ڈھونڈے صنم تجھکو تُو آنکھ کا تارا ہے
آئے ہیں تیرے در پر دل نے یہی چاہا تھا
یاں آ کے کہا دل نے ہاں تُو ہی ہمارا ہے
اس عشق کی بازی کا آساں نہیں سر کرنا
گہرائی سمندر کی اور دور کنارا ہے
یاں عشق کی دنیا میں ہوتا ہے سدا ایسا
''پربت ہے رواں دیکھو ٹھہرا ہوا دریا ہے''
بن تیرے جگر جانم اک پل نہ ہی چین آئے
نہیں بس میں ہمارے بھی تجھے دل میں اُتارا ہے
اس دور خرابی میں ہر سمت تباہی ہے
بپھرے ہوئے طوفاں میں اک تُو ہی کنارہ ہے
جا ڈوب اطاعت میں کیا کرتا ہے ساحل پر
دے ہاتھ میں ہاتھ اپنا تیرا اللہ سہارا ہے
محبوب کے سینے میں رکھ جاں سے عزیز اے دل
منیر کی نظروں میں وہ جگ سے پیارا ہے

❀❀❀❀

(''امن کا پیغام اور ایک حرفِ انتباہ'' صفحہ 10 فرمودہ 1967ء بمقام لندن)

تیسری عالمگیر جنگ کے بارے میں حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے چوتھے جانشین ، حضرت مرزا طاہر احمد رحمہ اللہ تعالیٰ ، نے بھی بعض تصریحات فرمائی ہیں۔ چنانچہ آپؒ نے حضرت بانیٔ سلسلہ علیہ السلام کی زلزلوں سے متعلق پیشگوئیوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''ان زلازل کو آپؑ (یعنی حضرت بانیٔ سلسلہؑ۔ ناقل) نے عالمی جنگوں سے تعبیر فرمایا۔ ان میں سے ابھی ایک تیسری جنگ بھی ہونا باقی ہے۔۔۔۔۔۔ اگرچہ دنیا کے دانشور پوری کوشش کر رہے ہیں کہ کسی طرح یہ تیسری جنگ کا زلزلہ ٹال دیں۔ مگر ناممکن ہے کہ وہ ایسا کرسکیں کیونکہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو جو فرقان عطا ہوئی، اُس فرقان میں اِن زلزلوں کی پیشگوئی بھی شامل تھی۔''

اور پھر ان زلزلوں کی نسبت حضرت بانیٔ سلسلہؑ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دی جانے والی ایک اَور الہامی خبر کہ:

'پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی۔

(مندرجہ'الوصیت': روحانی خزائن، جلد 10 صفحہ 363)

کی روشنی میں مندرجہ ذیل لطیف نکتہ بیان فرمایا:

''یہاں میں 'پھر بہار آئی...' کا مضمون آپ کو سمجھا دوں۔ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ یہاں صرف اس بہار کا ذکر ہے جو مارچ/اپریل میں ہمارے ملک میں آتی ہے۔ لیکن بعض اَور ملکوں میں وہ مئی میں بھی آتی ہے، جون میں بھی آتی ہے۔ گویا بہار کے موسم شمال اور جنوب میں بدلتے رہتے ہیں۔ اس وجہ سے میں نے غور کیا تو مجھے خیال آیا کہ بہار سے مراد قوموں کے عروج کا وقت ہے یا قوموں کا مالی نظام اور قوموں کی فتوحات (جب) ایک خاص عروج کو پہنچ جاتی ہیں، تو وہ وقت ہوتا ہے جب لازماً بحران آنا ہوتا ہے۔ اور ہمیشہ وہی بحران ہے جو جنگوں پر منتج ہوا کرتا ہے.... پس 'پھر بہار آئی خدا کی بات پھر پوری ہوئی' سے مراد یہ ہے کہ ایک ایسی بہار آنے والی ہے، آئندہ بھی آیا کرے گی کہ قومیں سمجھیں گی کہ ہم اپنی ترقی کے عروج تک جا پہنچے ہیں۔ اُس وقت خدا کی بات ضرور پوری ہوگی اور انہیں اِن زلازل کا منہ دیکھنا نصیب ہوگا۔''

اور پھر آپ نے بھی جنگ عظیم اوّل کو اِن موعودہ زلازل میں سے پہلا زلزلہ اور جنگ عظیم دوم کو دوسرا زلزلہ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

''اور اب تیسرا زلزلہ بھی ضرور آنا ہے۔۔۔ میں خیال کرتا ہوں کہ بعید نہیں کہ ہماری زندگیوں میں آئے تا کہ اس کے بعد ہونے والی فتح اسلام کو ہم اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں۔''

(خطاب برموقع جلسہ سالانہ جرمنی، 1998ء۔ بحوالہ الفضل انٹرنیشنل مورخہ 26 نومبر 1999ء)

حضرت بانیٔ سلسلہؑ نے ساری دنیا، بالخصوص امت اسلامیہ کو مخاطب کرتے ہوئے انہیں یہ خوشخبری بہم پہنچائی کہ:

''اس زمانے کا حصن حصین میں ہوں، جو مجھ میں داخل ہوتا ہے، وہ چوروں اور قزاقوں اور درندوں سے اپنی جان بچائے گا۔ مگر جو شخص میری دیواروں سے دور رہنا چاہتا ہے ہر طرف سے اس کو موت درپیش ہے۔''

(فتح اسلام۔ روحانی خزائن، جلد 3 صفحہ 34)

اس وقت بیشک دنیا میں مادہ پرستی کا زور ہے اور اسکی نظریں اسلام کی خوبیوں کی طرف نہیں اُٹھ رہیں۔ اس پر مستزاد یہ کہ مسلمانوں کی اپنی خستہ دینی اور اخلاقی حالت نے ان پر پردہ ڈالا ہوا ہے۔ کچھ دخل اُن متعصب عیسائی مؤرخین کا بھی ہے، جنہوں نے ہمیشہ اسلام کی ایک بھیانک تصویر دنیا کے سامنے رکھی۔ اب اسلام کی حقیقی اور دلکش تصویر اور اس کے طبعی حسن کو دنیا کے سامنے پیش کرنے کا وقت آ گیا ہے۔ اور یہ کام مسیح موعودؑ کے دیوانوں کے سپرد کیا گیا ہے۔ جیسا کہ حضرت بانیٔ سلسلہؑ کے دوسرے جانشین یعنی حضرت مصلح موعودؓ نے اپنے ایک معرکۃ الآرا خطاب میں جماعت احمدیہ کے سپرد کی جانے والی اس عظیم الشان ذمہ واری کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

''اب خدا تعالیٰ کی نوبت جوش میں آئی ہے...اے آسمانی بادشاہت کے موسیقارو! ایک دفعہ پھر اس نوبت کو اس زور سے بجاؤ کہ دنیا کے کان پھٹ جائیں۔ ایک دفعہ پھر اپنے دل کے خون اس قرنا میں بھر دو کہ عرش کے پائے بھی لرز جائیں اور فرشتے بھی کانپ اٹھیں تا کہ تمہاری دردناک آوازیں اور تمہارے نعرہ ہائے تکبیر اور نعرہ ہائے شہادتِ توحید کی وجہ سے خدا تعالیٰ زمین پر آ جائے اور پھر خدا تعالیٰ کی بادشاہت اس زمین پر قائم ہو جائے...محمد رسول اللہ کا تخت آج مسیح نے چھینا ہوا ہے۔ تم نے مسیح سے چھین کر پھر وہ تخت محمد رسول

اللہ کو دینا ہے اور محمد رسول اللہؐ نے وہ تخت خدا کے آگے پیش کرنا ہے اور خدا تعالیٰ کی بادشاہت دنیا میں قائم ہونی ہے۔"

(''سیر روحانی'' جلد سوم، صفحہ 285، بحوالہ تاریخ احمدیت، جلد ہشتم، صفحہ 532_2)

حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو درد بھری نصیحت کرتے ہوئے فرمایا:

''آخری پیغام میرا یہی ہے کہ وقت کے امام کے سامنے سرِ تسلیم خم کرو۔ خدا نے جس کو بھیجا ہے، اُس کو قبول کرو، وہی ہے جو تمہاری سربراہی کی اہلیت رکھتا ہے۔ اُس کے بغیر اُس سے علیحدہ ہو کر ایک ایسے جسم کی طرح ہو، جس کا سر باقی نہ رہا ہو، جس میں بظاہر جان ہو اور عضو پھڑک رہے ہوں۔ مَیں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ خواہ معاملات کتنے بگڑ چکے ہوں، اگر خدا کی قیادت کے سامنے سرِ تسلیم خم کر لو تو نہ صرف یہ کہ دنیوی لحاظ سے تم ایک عظیم طاقت کے طور پر اُبھرو گے، بلکہ تمام دنیا میں اسلام کے غلبۂ نَو کی ایسی عظیم تحریک چلے گی کہ دنیا کی کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔''

(خطبہ جمعہ فرمودہ 11 جون 1999ء)

الحمد للہ ہر سال لاکھوں اس حقیقت کو سمجھ کر جماعت احمدیہ میں داخل ہوتے چلے جارہے ہیں۔ باقی مسلمانوں کے لئے بھی دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ حضرت امام مہدی علیہ السلام کی جماعت میں شامل ہونے کی انہیں توفیق عطا فرمائے۔

آج کل دنیا میں تیسری عالمی جنگ کا خطرہ پھر بہت تیزی سے منڈلا رہا ہے۔ اس وقت کُل دنیا میں ایک اندازے کے مطابق 23000 نیوکلیئر ہتھیار موجود ہیں جن کو چند لمحات میں ہی لانچ کیا جا سکتا ہے اور یہ کُل انسانیت کو کئی کئی مرتبہ مٹانے کی طاقت رکھتے ہیں۔ اور ایسے میزائل موجود ہیں جو ہزاروں میل کی مسافت چند منٹوں میں طے کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

ولیم جے پیری سابق سیکرٹری آف ڈیفینس امریکہ نے ایک کتاب لکھی ہے My Journey at the Nuclear Brink۔ اس کتاب کا ذکر سیدنا حضور انور خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے یوکے جلسہ 2016ء کے آخری خطاب میں کیا تھا۔ اس کتاب میں درج ہے کہ رشیا تیزی سے نیوکلیئر پروگرام بنا رہا ہے اور ٹیسٹ کر رہا ہے۔ امریکہ بھی اپنے نیوکلیئر آرسنل کو جدید بنا رہا ہے۔ دوسری عالمی جنگ کے ہتھیاروں نے تو صرف شہروں کو تباہ کیا تھا لیکن آج کے نیوکلیئر بم پوری کی پوری civilization کو تباہ کر سکتے ہیں۔

سیدنا حضور انور نے اپنی کتاب Pathway to World Crises Peace میں بڑی تفصیل سے نیوکلیئر ہتھیاروں کے ذریعہ ہونے والی تباہی کا ذکر فرمایا ہے۔ حضور انور فرماتے ہیں:

''آج کے نیوکلیئر ہتھیار اتنے خطرناک ہیں کہ ان کا اثر نسلاً بعد نسلاً رہے گا۔ اور جو بچے پیدا ہوں گے وہ خطرناک جینیٹک اور فزیکل خامیوں کے ساتھ پیدا ہوں گے۔ آج جب آپ جاپان کے باشندوں سے ملاقات کریں گے۔ ان کی آنکھوں میں ایک ڈر سا اور نیوکلیئر وار سے ایک نفرت ملے گی۔ اس وقت جو بمب استعمال کئے گئے تھے وہ آج کے نیوکلیئر بمب کی طاقت کے سامنے کچھ بھی نہیں تھے۔''

یہ کہا جاتا ہے کہ جاپان میں 70 سال کے بعد بھی ہیروشیما اور ناگاساکی میں بمب گرانے کے بعد جاپان میں آج بھی جو بچے پیدا ہوتے ہیں ان میں نیوکلیئر ریڈیایشن کا اثر نظر آتا ہے۔ سیدنا حضور انور مزید فرماتے ہیں کہ:

''اس کا اثر پھلوں اور سبزیوں وغیرہ پر بھی ہوگا اور یہ سب contaminate ہو جائیں گے اور اس کی وجہ سے بیماریاں پھیلیں گی۔ اس کی وجہ سے آنے والی نسلوں کو کئی پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑے گا۔ اگر آج ان نیوکلیئر ہتھیاروں کا استعمال ہوتا ہے تو امکان ہے کہ چند ممالک مکمل طور پر برباد ہو جائیں گے۔

جو سب سے بڑا خطرہ ہے وہ یہ ہے کہ یہ نیوکلیئر ہتھیار ان لوگوں کے ہاتھ میں آجائیں جو نہ سوچتے ہیں اور نہ انہیں ان کے نقصانات کی کوئی فکر ہے۔''

میں سیدنا حضور انور فرماتے ہیں:

''حقیقت میں ہم لوگ اکنامک کرائسز سے ہی گزر رہے ہیں اور اس کا نتیجہ 1932ء کے حالات کی طرح ہی ہوگا اور عالمی جنگ کی شروعات ہوگی۔''

(الحکم مورخہ 21 دسمبر 2018ء)

سیدنا حضور انور دن رات ہمیں تیسری عالمی جنگ سے بچنے کیلئے دعاؤں کی تلقین فرماتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

”تیسری عالمی جنگ سے پہلے خوب تبلیغ کریں۔لوگوں تک پہنچیں اور انہیں جماعت کا تعارف کروائیں۔ جماعت کا تعارف امن کے نام پر، نیوکلئیر ہولوکاسٹ روکنے کے نام پر یا خدا کے وجود کے نام پر۔اگر تیسری عالمی جنگ ہوجاتی ہے اس کے بعد بہت محنت تو کرنی پڑے گی۔لیکن اگر تیسری عالمی جنگ سے پہلے جماعت کا صحیح رنگ میں تعارف کرا دیں گے۔تیسری عالمی جنگ کی وارننگ دے دیں گے۔انہیں بتائیں کہ کیونکہ لوگ خدا سے دور مذہب سے دور جا چکے ہیں۔عقل اور انصاف سے دور جا چکے ہیں اس لئے تیسری عالمی جنگ آئے گی۔پھر جب تیسری عالمی جنگ ہوگی اس کے بعد جب دوبارہ ان سے آپ رابطہ کریں گے جن کو پہلے آپ نے وارننگ دے دی تھی تیسری عالمی جنگ کی۔جب ان کو احساس ہوگا کہ ہاں اس جماعت نے پہلے سے ہی ہم کو وارننگ دے دی تھی۔“

(الحکم مورخہ 21دسمبر 2018ء)

واقفاتِ نو کلاس یو کے 17۔1۔21 میں ایک سوال کے جواب میں حضور انور نے فرمایا کہ میرا ڈر یہ ہے کہ تیسری عالمی جنگ کے بعد جب لوگ خدا کو ڈھونڈیں گے،مذہب کی طرف رجوع کریں گے کیا ہم احمدیوں کی اتنی ٹریننگ ہوگئی ہے کیا ہمارا تعلق اللہ سے قائم ہوگیا ہے کیا ہم لوگ نماز صحیح وقت میں پانچ وقت پڑھ رہے ہیں۔کیا جب لوگ تیسری عالمی جنگ کے بعد ہماری طرف رجوع کریں گے تو کیا ہم تیار ہیں انہیں اللہ سے جوڑنے کیلئے۔کیا ہمارے اعمال ایسے ہیں جوان کیلئے نمونہ بن سکیں۔کیا ہمارا دینی علم اتنا ہے کہ ہم آنے والوں کو دین کا صحیح راستہ دکھا سکیں۔یہ میرا ڈر ہے۔

خطبہ جمعہ 26/اکتوبر 2018ءفرمودہ حضرت مرزا مسرور احمد،خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز میں فرماتے ہیں:

”اب ہم دیکھتے ہیں باقاعدہ یہ اعداد وشمار ہیں کہ دنیا میں جتنے زلزلے اور طوفان اور آفات گزشتہ سو سال میں آئے ہیں پہلے نہیں آئے۔یہاں بھی طوفان آتے رہتے ہیں،بارشیں بھی ہوتی ہیں اور بے شمار ہو رہی ہیں اور ہر دفعہ یہی کہا جاتا ہے کہ پانچ سو سال کی مثال ہے،اتنے سو سال کی مثال ہے یا اتنی دہائیوں کی مثال ہے،یہ کیا ہے؟ سمجھنے کی ضرورت ہے۔یہ لوگ تو نہیں سمجھتے جو دنیا دار ہیں لیکن ہمیں سمجھنا چاہئے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اظہار ہیں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے کھل کے ان باتوں کے لئے وارننگ دی ہوئی ہے،اس لئے ہمیں اپنی اصلاح کی طرف بھی توجہ کرنی چاہئے اور دنیا کو بھی بتانا چاہئے کہ یہ آفات کوئی معمولی آفات نہیں ہیں۔ان کی پیشگوئیاں سو سال پہلے ہو چکی ہیں اور ان سے بچنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی طرف آئے۔اب بھی اگر ہوش نہ کی گئی تو پھر بچنا محال ہے۔اسی طرح انسان نے خود اپنے لئے مشکلات پیدا کر لی ہیں۔جنگیں ہیں،جنگیں سہیڑی جا رہی ہیں،ایک دوسرے پر ظلم کیا جا رہا ہے اور اس کا پھر آخری نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظلم انتہا کو پہنچ جائے گا،ہمیں تو نظر آ رہا ہے کہ انتہا ہو رہی ہے لیکن اللہ تعالیٰ بڑی ڈھیل دیتا ہے۔جب وہ ظلم اللہ تعالیٰ کے نزدیک انتہا کو پہنچ گیا تو پھر ان ظلم کرنے والی قوموں کی بھی تباہی ہے۔اور صرف وہ لوگ ہی بچ سکتے ہیں جن کے بارے میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ایک شعر میں فرمایا کہ:

آگ ہے پر آگ سے وہ سب بچائے جائیں گے
جو کہ رکھتے ہیں خدائے ذوالعجائب سے پیار

(درثمین اردو صفحہ 154)

پس اس طرف بہت توجہ کی ضرورت ہے اپنے آپ کو بچانے کے لئے بھی،دنیا کو بچانے کے لئے بھی ہمیں کوشش کی ضرورت ہے۔اور اس کے لئے اپنی پوری طاقتیں اور استعدادیں استعمال کرنی ہوں گی کہ اللہ تعالیٰ کو ہم کس طرح حاصل کریں۔“　　(خطبہ جمعہ 26/اکتوبر 2018ء)

آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ کرے کہ ہم بیعت کا حق ادا کرتے ہوئے اپنے اندر پاک تبدیلیاں پیدا کرنے والے بنیں۔دنیا میں رہتے ہوئے دین کو دنیا پر مقدم کرنے کا عہد پورا کرنے والے ہوں۔سیدنا حضور انور کے تمام ارشادات پر عمل کرنے والے ہوں اور اطاعت کا حقیقی مفہوم سمجھتے ہوئے اطاعت کے اعلیٰ معیار کو پہنچنے والے ہوں تاکہ اللہ تعالیٰ کے ان فضلوں کے وارث بنیں جن کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے فرمایا ہے۔اور دنیا اسلام کے امن بخش پیغام کو سمجھ کر جلد احمدیت یعنی حقیقی اسلام کے جھنڈے تلے آجائے تا ان ابتلاؤں اور بلاؤں سے عالم انسانیت ہمیشہ کیلئے محفوظ ہو جائے۔آمین۔

اوریا مقبول جان اور ملا عمر صاحب کا قد

ازابونائل۔5اگست202ا۔بشکریہ ہم سب

مکرم اوریا مقبول جان صاحب کی ایک ٹویٹ دیکھی۔جس میں طالبان کے بانی ملا عمر صاحب کو عمر ثالث قرار دیا ہے یعنی پہلے عمر حضرت عمر رضی اللہ عنہ خلیفہ دوئم تھے اور دوسرے عمر پہلی صدی کے مجدد حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے اور اوریا صاحب کے نزدیک ان کے ایک اور مثیل ملا عمر صاحب بانی تحریک طالبان تھے۔اور ملا عمر صاحب کی ایک تصویر بھی ٹویٹ کے ساتھ نشر کی گئی تھی۔ اور اس میں ملا عمر صاحب ایک جیپ میں بیٹھے ہوئے ہیں اور ان کا سر جیپ کی چھت سے ٹکرا رہا ہے۔اور اس ٹویٹ میں بڑے فخر سے لکھا ہوا ہے کہ ملا عمر کی یہ تصویر انجانے میں لی گئی تھی اور وہ اتنے دراز قد تھے کہ ان کا سر جیپ سے ٹکراتا تھا۔

اس پہلے بھی ملا عمر صاحب کے متعلق انٹرویو دیتے ہوئے اوریا مقبول جان صاحب نے فرمایا تھا کہ میں نے کسی شخص کے دل میں اپنی قوم کے لئے اتنا درد نہیں دیکھا جتنا ملا عمر صاحب کے دل میں اپنی قوم کے لئے تھا۔کہ یہ لوگ آپس میں لڑ کر برباد ہو رہے ہیں۔اور پھر ان کے کچھ خوابوں کا ذکر کیا جن میں ملا عمر صاحب کو ہدایات دی گئی تھیں۔اور پھر قندھار پر طالبان کے قبضے کا جذباتی ذکر کیا گیا۔میری حقیر رائے میں اس بات کی ضرورت ہے کہ ہم خوابوں اور مبالغوں کی دنیا سے نکل کر حقائق کی دنیا میں قدم رکھیں۔

افغانستان کے مستقبل کے بارے میں تو افغانستان کے باشندے ہی بہتر فیصلہ کر سکتے ہیں۔لیکن پاکستان کے مستقبل کا فیصلہ پاکستانیوں نے کرنا ہے۔ اور ہمارا پہلا فرض یہ ہے کہ یہ جائزہ لیں کہ اگر افغانستان پر طالبان کی گرفت مضبوط ہو گئی تو اس کے پاکستان پر کیا اثرات مرتب ہوں گے؟ اس سوال کا جواب ڈھونڈنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ یہ جائزہ لیں کہ پہلی مرتبہ جب طالبان افغانستان پر قابض ہوئے تھے اور ان کی برادر تنظیم تحریک طالبان پاکستان پاکستان میں سرگرم تھی تو اس کے ہمارے ملک پر کیا اثرات مرتب ہوئے تھے؟

میرے خیال میں اس مسئلہ پر زیادہ سوچ بچار کی ضرورت نہیں ہے۔جب اس خطہ میں طالبان نے اپنا اثر و رسوخ بڑھایا تھا تو اس کے پاکستان پر تباہ کن اثرات مرتب ہوئے تھے۔اس بحث میں الجھے بغیر کہ ملا عمر صاحب کے دل میں اپنی قوم کا درد تھا کہ نہیں یا یہ کہ ان کا قد سات فٹ تھا یا پانچ فٹ سے بھی کم تھا، ہمارے دلوں میں اپنی قوم اور اپنے ملک کا درد ضرور موجود ہے۔کیا ہم میں سے کوئی یہ پسند کرے گا کہ پہلے کی طرح ستر ہزار پاکستانیوں کا خون بے دردی سے بہایا جائے۔

اگر اوریا مقبول جان صاحب ملا عمر صاحب کی دراز قدی کی داد دینا چاہتے ہیں تو یہ ان کا مسئلہ ہے لیکن ہم یہ بات فراموش نہیں کر سکتے کہ 2011 میں نیوی کی تنصیبات پر طالبان نے حملہ کیا تھا، 2014 میں کراچی ائرپورٹ پر طالبان نے حملہ کیا تھا اور آرمی پبلک سکول پشاور کے معصوم بچوں کا خون بہانے کا گھناؤنا کارنامہ بھی طالبان نے سرانجام دیا تھا۔اور اسی تنظیم نے دھماکوں پر دھماکے کر کے پاکستان کا امن تباہ کر دیا تھا۔

میں اس بات پر کوئی تبصرہ نہیں کرنا چاہتا کہ ملا عمر صاحب کو کیا خواب آئے تھے لیکن میرے نزدیک اہم بات یہ ہے کہ ہماری قوم نے جاگتی آنکھوں سے کیا خوفناک مناظر دیکھے تھے۔ ہم یہ حقیقت فراموش نہیں کر سکتے کہ 2001 میں جو شخص طالبان کی طرف سے امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے لڑنے کے لئے افغانستان گیا، وہ امریکی فوجوں کا راستہ تو نہیں روک سکا اور جب وہ پاکستان میں داخل ہوا تو اسے گرفتار بھی کیا گیا لیکن اسی شخص یعنی صوفی محمد صاحب نے تحریک نفاذ شریعت بنا کر امریکہ کا غصہ پاکستان پر نکالا اور تحریک نفاذ شریعت بنا کر سوات، بنیر، دیر مالاکنڈ میں پاکستان کی حکومت کی عملداری کو چیلنج کر کے ریاست کے اندر ریاست قائم کر دی۔اور جب طالبان سوات کے مختلف مقامات پر قبضہ کر رہے تھے تو پاکستان کی فوج کے دستوں نے بغیر کسی مزاحمت کے کئی مقامات ان کے حوالے کر دیے۔ہم یہ تاریخی حقائق

کس طرح فراموش کر دیں؟

یہ بحث نہیں کہ طالبان نے قندھار میں دودھ شہد کی نہریں جاری کی تھیں کہ نہیں، غور طلب بات یہ ہے کہ طالبان پولیو کے خلاف مہم کو ایک مغربی سازش قرار دے کر اس کو روکنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگاتے رہے ہیں۔ دسمبر 2019 میں تحریک طالبان پاکستان کے دہشت گردوں نے دو پولیس افسران کو اس پاداش میں شہید کر دیا کیونکہ وہ پولیو مہم چلانے والے عملہ کی حفاظت کر رہے تھے۔ اپریل 2019 میں بنوں، بنیر اور کوئٹہ میں ان حملوں کی وجہ سے پولیو مہم کو روکنا پڑا اور نتیجہ پاکستان اب تک بھگت رہا ہے۔

ضرب عضب کے آپریشن سے شکست کھا کر تحریک طالبان پاکستان نے کچھ عرصہ خاموشی میں گزارا ہے۔ اور اب کئی بزرجمہر یہ پیشگوئیاں کر رہے ہیں کہ طالبان کی اصلاح ہو چکی ہے اور اب یہ وہ طالبان وہ طالبان نہیں جو کہ کسی زمانے میں ہوا کرتے تھے۔ گویا ایک اور ہنی مون شروع ہو رہا ہے۔ اگر طالبان اتنے ہی تبدیل ہو چکے ہیں تو پولیو مہم کی مخالفت ترک کیوں نہیں کر دیتے۔ اگست 2019 میں ہی یہ خبریں منظر عام آئی تھیں کہ شمالی وزیرستان اور میراں شاہ میں طالبان نے لوگوں کو موسیقی سننے اور عورتوں کو گھر سے باہر نکلنے سے منع کرنا شروع کر دیا ہے۔ اور ان علاقوں کے قریب وانا اور جنوبی وزیرستان میں طالبان نے پمفلٹ شائع کر کے پولیس کو متنبہ کیا ہے کہ وہ یہ علاقہ چھوڑ دیں۔ اس شکست کے بعد وقتی طور پر طالبان اس قابل ہی نہیں رہے تھے کہ وہ حسب سابق اپنی سرگرمیاں جاری رکھ سکیں۔ ان کی کمزوری کو ان کی اصلاح سمجھنا ایک سنگین غلطی ہو گی۔

ابھی طالبان افغانستان پر طالبان کا قبضہ نہیں ہوا لیکن گزشتہ دو اڑھائی سال سے پاکستان میں طالبان کی دہشت گردی میں اضافہ ہو رہا ہے۔ ایک ادارے کے مطابق 2019 میں خیبر پختونخوا میں تحریک طالبان نے 12 حملے کیے جبکہ 2020 میں اسی صوبے میں ان حملوں کی تعداد بڑھ کر 28 ہو گئی۔ لیکن دوسری طرف اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق صرف 2020 کے آخری چھ ماہ میں طالبان نے افغانستان سے پاکستان کے اندر سو سے زائد وارداتیں کیں۔

اس سال کے کے دوران تحریک طالبان کی سرگرمیوں میں تشویشناک اضافہ ہوا ہے۔ اس سال کے صرف پہلے دو ماہ کے دوران تحریک طالبان پاکستان نے 32 وارداتوں کی ذمہ داری قبول کی ہے۔ اور اپریل کے مہینے میں طالبان نے کوئٹہ کے ایک ہوٹل پر حملے کی ذمہ داری بھی قبول کی ہے۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ یہ حقائق نظر انداز نہیں کیے جا سکتے۔ اور نہ ہی یہ ممکن ہے کہ ہم ملا عمر صاحب کا قد ناپتے رہ جائیں اور طالبان پہلے کی طرح پاکستان میں خون کی ہولی کھیلنے کا محبوب مشغلہ جاری رکھیں۔

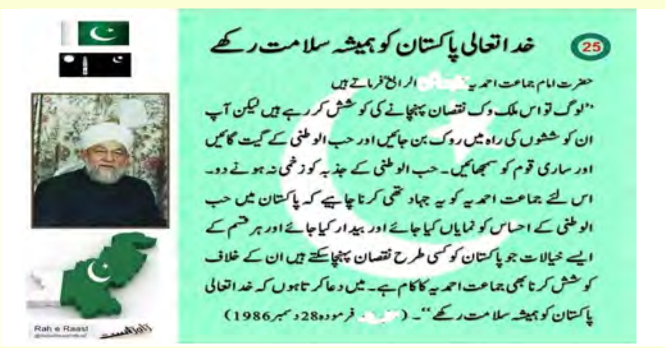
آج ٹی وی پر دیکھا کہ وزیر اعظم صاحب سندھ کے حالات پر بہت فکر مند ہیں اور میٹنگ کی صدارت کر رہے ہیں کہ سندھ کے حالات کس طرح بہتر کیے جائیں۔ بہتر ہو گا اگر وہ طالبان کی طرف سے درپیش ممکنہ خطرات پر بھی مشاورت کا سلسلہ شروع کریں تا کہ پاکستان میں یہ بھیانک تاریخ نہ دہرائی جائے۔ [تفاصیل کے لئے ملاحظہ فرمائیں

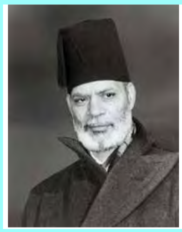
The Evolution and Potential Resurgence of the Tehrik-i-Taliban Pakistan

By Amira Jadoon, Special report United States Institute of peace no 494, May 202ı]

(Abs.:Chaudhry Columbus Khan Adv. 004915703040898)







کیا سر ظفر اللہ خان کی سازش یا نالائقی کے سبب گورداسپور بھارت کو ملا؟

ابو نائل

تقسیم ہند کی پوری داستان سیاسی معاملات میں غیر واضح حکمت عملی اور عوام کے جذبات سے کھلواڑ کی کہانی ہے اور اس میں کانگرس یا مسلم لیگ کی تخصیص نہیں کی جا سکتی۔ پنڈت نہرو نے ایک غیر ذمہ دارانہ پریس کانفرنس سے کیبنٹ مشن پلان کا تیا پانچا کر دیا۔ دوسری طرف مسلم لیگ کی راست اقدام کی سیاست برصغیر کے طول و عرض میں فرقہ وارانہ فسادات پر منتج ہوئی۔ روزنامہ انقلاب کے مدیر مولانا غلام رسول مہر نے تقسیم پنجاب کے ضمن میں عوام کی توقعات کو غیر حقیقت پسندانہ سطح تک بڑھانے کے بارے میں لکھا تھا۔

"مسلم لیگ کے لیڈروں خصوصاً پنجابی لیڈروں نے جو بیانات پے در پے دیے یعنی یہ کہ پاکستانی پنجاب کی حدیں ستلج سے بھی آگے نکل جائیں گی۔ یہ بیانات یا تو پرلے درجے کی نالائقی اور سیاست کی نافہمی کی دلیل تھی یا سمجھنا چاہیے کہ دیانت کیشی کے خلاف تھے۔ ان کی وجہ سے سادہ لوح عوام غلط فہمیوں میں مبتلا ہوئے۔ خود میرے جالندھری عزیز مدت تک کہتے رہے کہ ہم پاکستان میں آئیں گے۔ حالانکہ میں نے نقشہ بنا کر 'انقلاب' میں چھاپ دیا تھا اور صاف لکھ دیا تھا کہ گورداسپور کے بچنے کا بھی بظاہر کوئی امکان نہیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ ہنگامہ کشمکش کی سرگرمیوں میں جذبات مشتعل ہو جاتے ہیں۔ عقل و فہم سے کم تر کام لیا جاتا ہے۔ لیکن سیاسی فیصلوں میں کاروبار کی باگ ڈور جذبات کے حوالے نہیں کی جا سکتی۔ ہمارے ہاں موازنہ نفع و ضرر کا پہلو برابر کمزور رہا۔ اس کا سبب ناواقفیت بھی ہو سکتا ہے۔ بے حسی اور سہل انگاری بھی"۔

اسی رویے اور دانستہ ابہام کے بارے میں عاشق حسین بٹالوی اپنی گراں قدر تصنیف 'ہماری قومی جدوجہد' میں لکھتے ہیں۔

سن" 1942 کے نومبر میں ملک برکت علی نے قائداعظم کو لکھا کہ اگر واقعی مسلم لیگ کی قرارداد لاہور کے مطابق ہندوستان کی تقسیم ہمارے پیش نظر ہے تو ہمیں چاہیے کہ ابھی سے ایک کمیٹی بنا لیں جس میں بعض مسلم لیگی لیڈروں کے علاوہ چند جغرافیہ دان، مورخ، قانون دان، ماہر اقتصادیات، زبان دان، انجینئر، ریٹائرڈ مسلمان فوجی افسر وغیرہ شامل ہوں تا کہ ہندوستان کا ہر پہلو سامنے رکھ کر غور کیا جائے کہ تقسیم کی نوبت آئی تو حد بندی کی لائن کہاں پڑنی چاہیے۔

ملک صاحب کا یہ خط میں نے پڑھا ضرور تھا لیکن کچھ معلوم نہیں قائداعظم نے اس کا جواب کیوں نہ دیا تھا۔ یہ احساس مجھے اب تک پریشان کر رہا ہے کہ ہم نے سات سال میں تقسیم ہند کا کوئی نقشہ، کوئی فارمولا "بلیو پرنٹ" تیار نہ کیا۔ سات سال مسلسل نعروں، تقریروں اور بیان بازیوں میں صرف کر دیے۔ بالآخر جب قرارداد لاہور کو عملی جامہ پہنانے کا وقت آیا تو چودھری ظفر اللہ خاں کو صرف تین دن کی مہلت دی گئی کہ اس قلیل عرصے میں تن تنہا بیٹھ کر کیس بھی تیار کریں اور گزشتہ ایک سو سال کا تاریخی مواد بھی فراہم کریں"۔

سر ظفر اللہ خان باؤنڈری کمیشن کے سامنے مسلم لیگ کے وکیل کے طور پر پیش ہوئے تھے۔ مسلم لیگ کی صفوں میں تقسیم کے بارے میں ابہام نیز بدانتظامی کے بارے میں ان کے مشاہدات ان کی خودنوشت سوانح 'تحدیث نعمت' میں شامل ہیں۔

"میں اپنے اندازے سے ایک دن پہلے لاہور پہنچ گیا۔ نواب صاحب ممدوٹ سے معلوم ہوا کہ ریڈکلف لاہور پہنچ چکے ہیں اور دوسری صبح گیارہ بجے فریقین کے وکلا کو طلب فرمایا ہے۔ نواب صاحب نے فرمایا کہ کل ڈھائی بجے بعد دوپہر میرے مکان پر تمہاری ملاقات ہمارے وکلا کے ساتھ ہوگی۔۔۔۔ دوسرے دن منگل کی صبح گیارہ بجے ہم سر سیرل ریڈکلف کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ کمیشن کے اراکین جسٹس دین محمد، جسٹس محمد منیر، جسٹس مہر چند مہاجن اور جسٹس تیجا سنگھ موجود تھے۔

سر سیرل نے کمیشن کا پروگرام بتاتے ہوئے حکم دیا کہ آئندہ جمعہ کی دوپہر

تک فریقین اپنے بیانات داخل کریں۔۔۔منگل کی دوپہر ہو چکی تھی اور تحریری بیانات جمعہ کی دوپہر تک داخل کیے جانا تھے۔اس وقت تک مجھے اتنا بھی معلوم نہ تھا کہ میرے ساتھ کون وکلا صاحبان کام کریں گے اور انہوں نے تحریری بیان یا اس کے لیے ضروری مواد تیار کر لیا ہے یا نہیں؟ مجھے اس وقت تک یہ بھی نہیں بتلایا گیا تھا کہ ہماری طرف سے کمیشن کے روبرو کیا ادعا پیش کیا جانا تھا۔ میں بے تابی سے وکلا کے ساتھ ڈھائی بجے ہونے والی میٹنگ کا منتظر تھا کہ ان سب امور کے متعلق تفاصیل معلوم کروں۔۔۔(ممدوٹ ولا میں) بہت سے وکلا اصحاب موجود تھے۔

مجھے کسی قدر حیرت ہوئی کہ اتنے قانون دان اصحاب کو کیوں جمع کیا گیا ہے۔میں نے وکلا صاحبان سے دریافت کیا کہ آپ میں سے کون کون صاحب اس کیس میں میرے رفیق کار ہیں؟اس پر ڈاکٹر خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا کس کیس میں؟ میں نے کہا 'اسی حد بندی کے کیس میں جس کے لیے میں حاضر ہوا ہوں'۔خلیفہ شجاع الدین صاحب نے فرمایا ہمیں تو کسی کیس کا علم نہیں۔ہم سے تو صرف یہ کہا گیا تھا کہ تم کیس کی پیروی کے لیے آئے ہو اور اس کمیشن کے روبرو مسلم لیگ کا کیس تم پیش کرو گے۔میں نے نواب صاحب کی طرف استفساراً دیکھا تو وہ صرف مسکرا دیے۔میں نہایت سراسیمگی کی حالت میں اٹھ کھڑا ہوا۔وکلا صاحبان سے معذرت خواہ ہوا کہ وقت بہت کم ہے اور مجھے کیس کی تیاری کرنی ہے۔اس لیے رخصت چاہتا ہوں۔

اگر قائداعظم لاہور میں تشریف فرما ہوتے تو میں ان کی خدمت میں حاضر ہو کر ہدایات طلب کرتا لیکن وہ دلی میں تھے۔ٹیلی فون پر بات ہو سکتی تھی لیکن ٹیلی فون پر ایسی ہدایات حاصل کرنا غیر مناسب تھا۔ساتھ ہی مجھے یہ بھی احساس تھا کہ کیس کے متعلق جو تیاری ہونا تھی وہ تو مسلم لیگ لاہور کی قیادت کے ذمہ تھی۔۔۔خواجہ عبدالرحیم (کمشنر راولپنڈی) تشریف لائے۔خواجہ صاحب نے فرمایا میں کچھ کاغذات لایا ہوں میں نے اپنے طور پر سرکاری ریکارڈ سے پنجاب کے دیہات،تھانہ جات،تحصیلات اور اضلاع کی فرقہ وارانہ آبادی کے اعداد و شمار جمع کرائے ہیں۔یہ سارے صوبے کی آبادی کے نقشہ جات ہیں۔ممکن ہے تمہیں کیس کی تیاری میں ان سے کچھ مدد مل سکے۔اس کے علاوہ کیس کے سلسلہ میں اگر تمہیں کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو میں حاضر ہوں۔میں نے خواجہ صاحب کا تہہ دل سے شکریہ ادا کیا۔

خواجہ صاحب کے رخصت ہونے کے بعد چار وکلا صاحبان تشریف لے آئے۔صاحبزادہ نوازش علی اور شیخ نثار احمد منٹگمری سے،سید محمد شاہ پاکپتن سے اور چودھری علی اکبر ہوشیار پور سے۔ہم نے پہلا کام یہ کیا کہ طریقہ تقسیم کے متعلق سرکاری بیان کا مطالعہ کیا اور اس کے تجزیہ سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ "ملحقہ اکثریت کے علاقوں" کی تشخیص کے لیے یونٹ کا تجویز کرنا لازم ہو گا۔ گاؤں تو عملاً یونٹ نہیں بن سکتا تھا کیونکہ بعض علاقوں میں اگر ایک گاؤں میں مسلم اکثریت تھی تو ساتھ کے گاؤں میں غیر مسلم اکثریت تھی لہٰذا گاؤں کو یونٹ قرار دے کر کوئی معقول حد بندی تجویز نہیں ہو سکتی تھی۔تھانہ کو اگر یونٹ تجویز کیا جاتا تو اس صورت میں بھی اکثر جگہ وہی مشکل درپیش تھی۔یونٹ مقرر کرنے کے لیے انتخاب دراصل تحصیل اور ضلع کے درمیان تھا گو ہم نے یہ بھی طے کیا کہ بحث کے دوران میں ہماری طرف سے کمشنری اور دوآبوں کو یونٹ مقرر کرنے کی طرف بھی اشارہ کر دیا جائے۔

ان دنوں صوبے بھر کے اخبارات میں ملحقہ اکثریت کے علاقوں (Principle of Continuity) پر بحث ہو رہی تھی۔مسلمانوں کی طرف سے لدھیانہ تک کا علاقہ مسلم اکثریت کا علاقہ بتایا جاتا تھا اور غیر مسلموں کی طرف سے کہا جا رہا تھا کہ جہلم تک کا علاقہ غیر مسلم اکثریت کا علاقہ ہے۔ عارضی انتظامی تقسیم میں راولپنڈی،ملتان اور لاہور ڈویژن کے جملہ اضلاع ماسوائے کانگڑہ مغربی پنجاب میں شامل کیے گئے تھے۔اگر ہماری طرف سے ضلع کو یونٹ قرار دیے جانے کا مطالبہ کیا جاتا تو اضلاع میں سے امرتسر کو ترک کرنا پڑتا۔

اس خدشے کا اظہار بھی کیا گیا کہ اگر ہم نے ضلع کو یونٹ قرار دیے جانے کا مطالبہ کیا تو اس سے یہ نتیجہ اخذ کیا جائے گا کہ ہم انتظامی تقسیم میں جو علاقہ مغربی پاکستان میں شامل کیا گیا ہے اس سے بھی کم علاقہ لینے پر رضامند ہیں اور اس کے نتیجے میں ممکن ہے ہمارے علاقے کو اور بھی کم کر دیا جائے۔تحصیل کو یونٹ قرار دینے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا تھا کہ ضلع فیروزپور کی دو تحصیلیں فیروزپور اور

زیرہ اور ضلع جالندھر کی دو تحصیلیں نواں شہر اور جالندھر مسلم اکثریت کے علاقے تھے۔ ان کے ساتھ مشرق کی طرف ملحقہ تحصیل دسوہہ ضلع ہوشیار پور میں تھی۔ اس تحصیل میں نہ تو مسلمانوں کی اکثریت تھی نہ ہندوؤں اور سکھوں کی۔ عیسائی آبادی جس فریق کے ساتھ شامل کی جاتی اس فریق کی اکثریت ہو جاتی۔ اس تحصیل کے عیسائیوں کی طرف سے سر سیرل ریڈ کلف کی خدمت میں محضر نامہ ارسال کیا گیا تھا کہ ہمیں مسلمانوں کے ساتھ شمار کیا جائے لہٰذا تحصیل کو یونٹ قرار دیے جانے سے فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور عیسائیوں کے شامل ہونے سے دسوہہ پانچوں تحصیلیں مسلم اکثریت کے علاقے شمار ہوتیں۔

ریاست کپورتھلہ میں بھی مسلمانوں کی اکثریت تھی وہ بھی ان تحصیلوں سے ملحق علاقہ تھا۔ ضلع امرتسر میں اجنالہ تحصیل میں مسلمانوں کی کثرت تھی اور امرتسر اور ترن تارن میں غیر مسلموں کی لیکن اگر فیروز پور، زیرہ، نواں شہر، جالندھر اور کپورتھلہ پاکستان میں شامل کیے جاتے تو امرتسر اور ترن تارن غیر مسلم اکثریت کے ملحق علاقے نہ رہتے کیونکہ وہ چاروں سے مسلم اکثریت کے علاقوں میں گھرے ہوئے تھے۔ ضلع گورداسپور میں بٹالہ، گورداسپور اور شکر گڑھ کی تحصیلوں میں مسلمانوں کی اکثریت تھی اور تحصیل پٹھان کوٹ میں غیر مسلموں کی۔ یہ تحصیل کانگڑہ اور ضلع ہوشیار پور سے ملحق بھی تھی جو غیر مسلم اکثریت کے اضلاع تھے۔

پورے غور و خوض کے بعد ہم سب کا میلان اسی طرف ہوا کہ تحصیل کو یونٹ قرار دیے جانے پر زور دیا جائے۔ لیکن اس بات کا فیصلہ ہم اپنے میلان کی بنا پر نہ کر سکتے تھے۔ ہم مسلم لیگ کی طرف سے وکیل کے طور پر مسلم لیگ کا کیس تیار کر رہے تھے۔ لیگ کی طرف سے کیا کیس پیش کیا جائے اس کا فیصلہ کرنا مسلم لیگ کے اختیار میں تھا۔ پنجاب میں مسلم لیگ کے صدر نواب صاحب ممدوٹ تھے ان سے استصواب لاحاصل تھا۔ وہ اپنی روایتی تواضع اور انکساری کی وجہ سے خود کوئی فیصلہ فرماتے نہیں تھے۔ (زیادہ صحیح تو یہ ہے کہ فیصلہ سازی کی اہلیت نہیں رکھتے تھے۔۔۔و۔ مسعود)۔

میاں ممتاز محمد خان دولتانہ کی خدمت میں میں نے گزارش کی کہ تحریری بیان تیار کرنے کے لیے اس امر کا فیصلہ ضروری ہے کہ "ملحقہ اکثریت کے علاقوں" کی تشخیص کے لیے ہماری طرف سے کونسا یونٹ اختیار کرنے پر زور دیا جائے۔ انہوں نے فرمایا اس بات کو تم سے بہتر کون سمجھ سکتا ہے؟ جو تجویز تم کرو گے، وہی بہتر ہو گی۔ میں نے کہا یہ فیصلہ مسلم لیگ کی طرف سے ہونا چاہیے۔ میں تو ایک فرد واحد ہوں اور میری حیثیت بھی وکیل کی ہے۔ مجھے جو ہدایات مسلم لیگ کی طرف سے دی جائیں مجھے ان کی پابندی کرنی ہو گی۔ میاں صاحب نے میری رائے دریافت کی۔ میں نے مختصر طور پر اپنا اور اپنے رفقائے کار کا رجحان بیان کر دیا۔ میاں صاحب نے فرمایا تو بس یہی ٹھیک ہے۔ اس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے"۔

اس موقع پر یہ وضاحت ضروری ہے کہ قیام پاکستان کے بعد موثر باماضی بصیرت کی روایت کے عین مطابق ظفراللہ خان پر طرح طرح کے الزامات لگائے گئے کہ ان کی نااہلی اور بدنیتی کے باعث بہت سے علاقے پاکستان کے ہاتھ سے نکل گئے۔ الزام تراشی کی اس مہم میں مجلس احرار کے شعلہ بیاں مقررین پیش پیش تھے جو سرے سے تقسیم ہند کی مخالف جماعت تھی۔ 1953ء کے فسادات کی تحقیقات کے دوران جب یہ قضیہ اٹھایا گیا تو جسٹس منیر نے واضح طور پر کہا کہ وہ خود باؤنڈری کمیشن کے رکن تھے اور ظفراللہ خان نے پوری اہلیت اور دیانتداری سے مسلمانوں کا مقدمہ کمیشن کے سامنے پیش کیا۔ جسٹس منیر کی یہ رائے انکوائری کمیٹی کی رپورٹ میں شامل ہے۔

(یہ مضمون خلاصہ ہے اصل تحریر، تحدیث نعمت از محترم چوہدری ظفراللہ خاں صاحب کی خاکسار سے طلب کی جا سکتی ہے۔ چوہدری کولمبس خاں)

(بشکریہ ہم سب)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁





پھولوں کو جو سینے کا لہو دے کے گیا ہے

(مبارک صدیقی۔لندن)

پھولوں کو جو سینے کا لہو دے کے گیا ہے
دنیا کے مناظر سے بظاہر وہ جدا ہے
وہ شخص تو دھڑکن میں دعاؤں میں بسا ہے
ہم اہل ِ چمن اُس کو سدا یاد کریں گے
پھولوں کو جو سینے کا لہو دے کے گیا ہے
اب یونہی معطر نہیں نمناک سا موسم
مِٹی میں گلابوں سا کوئی سویا ہوا ہے
پیکر تھا محبت کا اطاعت کا دعا کا
اُس کو یہ خبر تھی کہ یہی رسمِ وفا ہے
اب شام ہے، تنہائی ہے، برسات ، مبارک
رنجیدہ ہے نم دیدہ ہے اور محوِ دعا ہے



ایک طالع مند۔طالع کی یاد میں

(پروفیسرعبدالصمدقریشی)

اپنے کردار میں اک کوہ گراں ہوتے ہیں
ہر زمانے میں وہ عظمت کا نشاں ہوتے ہیں
وہ جو کٹ جاتے ہیں پیمان وفا کی خاطر
ایسے انسان ہی توقیر جہاں ہوتے ہیں
ان کے اخلاص سے ہر دور مہک اٹھتا ہے
یہ تو ہر رت میں بہاروں کا سماں ہوتے ہیں
اپنا خوں دے کے جلاتے ہیں محبت کے چراغ
ہاں یہی لوگ اجالوں کا جہاں ہوتے ہیں
یہ کہ ہر آن چمکتے ہیں ستاروں کی طرح
ان کے اوصاف ہزاروں میں بیاں ہوتے ہیں



عزیزم سید طالع احمد کی یاد میں

آفتاب احمد اختر

اے نور نظر بخت جگر، ناز وں کے پالے
تو جس کی امانت تھی اب اس کے حوالے
اس قادر مطلق کے ہیں دستور نرالے
چاہے جسے۔ اپنا وہ محبوب بنالے
کہتا تھا لوٹ آ ؤ نگا میں شام سے پہلے
کیا ایسے ہوا کرتے ہیں گھر لوٹنے والے
کس دلی میں کھوئے ہو۔ نہ کوئی خبر ہے
تھک ہار کے بیٹھے ہیں کبھی ڈھونڈنے والے
جاتے ہو مری جان ۔ خداحافظ و ناصر
ہم اتنا ہی کہتے ہیں۔ جا رب کے حوالے
اس ما حرم میں ہوئی تیری شہادت
میں گئے تھے یا دتیرے چاہنے والے



سید طالع احمد شہید

خواجہ عبدالمومن

اے شہید دین احمد تجھ پہ ہوں لاکھوں سلام
پیارے طالع یاد رکھیں گے تمہیں ہم سب مدام
ارض غانا تیرے خوں سے جگمگائے گی سدا
تیرا خوں ضائع نہ ہو گا اے مسیحا کے غلام

قادیانی افسروں سے پاکستان کو بچاؤ

ابو نائل



آج کل ہمیں ایک کے بعد دوسری تشویشناک خبر سننے کو مل رہی ہے۔صاحبان اقتدار شاید سوئے ہوئے ہیں کہ انہیں ابھی تک یہی علم نہیں ہوا کہ ملک میں کیا طوفان برپا کیا جارہا ہے۔اس ملک کے بے خبر عوام کے ساتھ کیا کیا دھوکہ ہورہا ہے۔گزشتہ چند روز کے دوران ایسی ہی کچھ خبریں سننے کو ملیں کہ عقل چکرا گئی۔مثال کے طور پر اسلامی جمہوریہ پاکستان میں دن دیہاڑے ایک احمدی کو چیف افسر تحصیل کونسل راولپنڈی مقرر کردیا گیا۔اور نہ صرف یہ کہ اس افسر کو مقرر کردیا گیا بلکہ ظلم پر ظلم یہ کہ اسے یہ ہدایت بھی دے دی گئی کہ وہ اپنے کام کا چارج لے لے۔

علاقے کے علما تو جانتے تھے کہ آئین پاکستان میں احمدیوں کو غیر مسلم قرار دیا گیا ہے۔چنانچہ ان کے وفود اعلیٰ حکام سے ملے اور اس سانحے کی اطلاع کی۔اور شاید اس خیال سے کہ حکام اس مسئلہ کو فراموش نہ کردیں شہر میں ایکشن کمیٹی تحفظ ختم نبوت کی طرف سے کچھ پوسٹر بھی لگا دیے گئے کہ اس قادیانی کو فوری طور پر برطرف کردیا جائے ورنہ 27 اگست کو کچہری چوک میں دھرنا دے دیا جائے گا۔علما کی یہ بیدار مغزی کام آئی اور اس افسر کو سیکریٹریٹ لاہور بھجوا کر پاکستان کو ایک اور دھرنے سے بچا لیا گیا۔لیکن حکومت نے کچھ سبق حاصل نہیں کیا۔یہ زخم ابھی تازہ تھا کہ ایک اور مسئلہ کھڑا ہوگیا۔چکوال میں ایک احمدی ڈاکٹر کو محکمہ صحت کا سی ای او مقرر کردیا گیا۔اور یہ تقرری بھی علی الاعلان کی گئی یعنی رات کی تاریکی کا انتظار بھی نہیں کیا گیا۔اس دیدہ دلیری پر خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ چکوال نے ایک تحریری انتباہ جاری کیا کہ "ابھی تک تو ضلع میں مثالی دینی ہم آہنگی موجود ہے لیکن اگر اس تقرری کو واپس نہ لیا گیا تو یہ خوشگوار ماحول متاثر ہوجائے گا"۔

اس عہدے پر احمدی افسر کی تقرری نا قابل برداشت ہے اس لئے اس احمدی ڈاکٹر کی تقرری کو فوری طور پر واپس لیا جائے اور اس کی جگہ ایسے ڈاکٹر کو مقرر کیا جائے جو آئین پاکستان اور ملک کے ساتھ مخلص ہو۔گویا پاکستان میں دینی ہم آہنگی اسی وقت قائم رہ سکتی ہے جب کہ صرف کسی مخصوص مسلک سے وابستہ افراد کو ایسے عہدوں پر مقرر کیا جائے۔اور ملک سے وفاداری پر صرف مخصوص مسلک کی اجارہ داری ہے۔بہر حال خانقاہ حبیبیہ نقشبندیہ چکوالیہ کی بیدار مغزی رنگ لائی اور 31 اگست کو حکومت پنجاب کے متعلقہ شعبہ نے یہ تقرری واپس لے لی۔اور اس طرح اس عہدے پر ایسے شخص کو تقرر کرنے کا راستہ صاف ہوگیا جس سے آئین پاکستان کو کوئی خطرہ لاحق نہ ہو۔

معلوم ہوتا ہے کہ حکومت پنجاب نے تہیہ کیا ہوا کہ وہ یہ کہتی رہے گی کہ "آ بیل مجھے مار بلکہ بار بار مار"۔چنانچہ ایک اور احمدی افسر کو ڈپٹی ڈائریکٹر لوکل گورنمنٹ اینڈ کمیونٹی ڈویلپمنٹ مقرر کردیا۔چنانچہ بیل نے پھر حکومت کو سینگوں پر اٹھا لیا۔چنانچہ انٹرنیشنل ختم نبوت راولپنڈی ڈویژن نے ایک بیان جاری کیا کہ یہ تعیناتی اہل اسلام کے جذبات مجروح کرنے کی کوشش ہے یا ان کے ایمان کا امتحان لیا جارہا ہے۔یا یہ افسران خود کو تماشا بنانا چاہتے ہیں۔اور ساتھ یہ اشارہ دے دیا کہ اگر یہ مطالبہ تسلیم نہ کیا گیا تو حالات گمبھیر ہوجائیں گے۔چنانچہ دو ستمبر کو یہ تقرری واپس لے کر اس مطالبے کے آگے سر تسلیم خم کردیا گیا اور اہل اٹک کا یہ ایمانی امتحان اختتام پذیر ہوا۔

یہ واقعات صرف گزشتہ تین ہفتے کے دوران ہوئے ہیں۔جن کے نتیجہ میں کبھی دھرنے کی دھمکی موصول ہوتی ہے اور کبھی ایمان کا امتحان شروع ہوجاتا ہے اور کبھی آئین خطرے میں پڑتا ہے اور کبھی امن عامہ درہم برہم ہوتا ہے اور کبھی پاکستان سے وفاداریاں مشکوک ہوجاتی ہیں۔مناسب ہوگا کہ یہ جائزہ لیا

جائے کہ پاکستان کا دستور اس بارے میں کیا اعلان کرتا ہے؟

آئین پاکستان کی شق 27 یہ اعلان کرتی ہے:

"کسی شہری کے ساتھ جو باعتبار دیگر پاکستان کی ملازمت میں تقرر کا اہل ہو، کسی ایسے تقرر کے سلسلہ میں محض نسل، مذہب، ذات، جنس سکونت یا مقام پیدائش کی بنیاد پر امتیاز روا نہیں رکھا جائے گا"۔

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر پاکستان میں کسی ملازمت کے عہدے پر کسی شخص کی تقرری کی اس بنیاد پر مخالفت کی جا رہی ہے کہ اس کا تعلق کسی مخصوص مسلک یا عقیدہ سے ہے تو یہ مخالفت یا ایسے شخص کی تبدیلی یا برطرفی کا مطالبہ آئین کی خلاف ورزی ہے۔ اور اگر ایسے مطالبات کے آگے سر تسلیم خم کر کے حکومت ایسے مطالبات تسلیم کرتی ہے تو یہ فعل آئین کی خلاف ورزی ہے۔ اور آئین کے اس حصہ کی خلاف ورزی جس کا تعلق بنیادی حقوق سے ہے۔ یعنی جن حقوق کو پارلیمنٹ بھی منسوخ یا کم نہیں کر سکتی۔

کیا یہ ایک معمولی بات ہے کہ کسی ایک عقیدہ سے وابستہ افراد کی تقرریوں کو اس بات پر منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا جائے۔ ایک ناواقف یہ خیال کرے گا کہ چند لوگوں کی ملازمتیں خطرے میں پڑیں۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟

بات یہاں تک محدود نہیں رہتی بلکہ یہ عمل اور آگے بڑھتا ہے۔ اس کے بعد کسی بھی عہدیدار پر خواہ وہ وزیر یا وزیر اعظم ہی کیوں نہ ہو یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ یہ شخص قادیانی یا قادیانی نواز ہے۔ ذرا تصور کریں کہ یہی الزام خواجہ ناظم الدین صاحب پر لگایا گیا، یہی الزام ذوالفقار علی بھٹو صاحب پر لگایا گیا اور تو اور یہ الزام جنرل ضیا الحق صاحب پر بھی لگایا گیا۔ احمدیوں کے خلاف فسادات کے دوران یہ اعلانات کیے گئے کہ اکثر سینئر جرنیل قادیانی ہیں۔ پاکستان سے ان کو بچایا جائے۔

وقتی طور پر بزدلی دکھا کر چند افسران کو تبدیل کر دیا جاتا ہے لیکن پھر ایک تنگ نظر طبقہ کے ہاتھ میں بلیک میلنگ کا ایسا ہتھیار آ جاتا ہے کہ جس کو استعمال کر کے یہ طبقہ اپنے کاروبار کو وسیع سے وسیع تر کرتا جاتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جنرل ضیا صاحب نے احمدیوں کے خلاف انتہائی اقدامات کئے تھے۔ لیکن اس کے باوجود یہ ہتھیار ان کے خلاف بھی استعمال کیا گیا۔ اس طبقہ نے صدر



جنرل ضیا صاحب پر بھی قادیانی ہونے کا الزام لگایا اور جنرل صاحب کو جلسوں میں تردید کرنی پڑی کہ وہ قادیانی نہیں ہیں۔

اور جب ایک اجتماع کے سامنے جس میں علما کی بڑی تعداد شامل تھی جنرل ضیا صاحب نے یہ تردید کی تو بڑی دیر تک تالیاں بجتی رہیں۔ اس پر جنرل صاحب نے کہ مجھے معلوم نہیں تھا کہ بات یہاں تک بڑھ چکی ہے اور مجھے آپ کی تالیوں سے اندازہ ہوا ہے کہ یہاں اس چیز کو بڑی ہوا دی گئی ہے۔ اور اس کے ساتھ کچھ جرائد یہ لکھ رہے تھے کہ ملک بھر میں یہ تاثر موجود ہے کہ حکومت قادیانیوں کے لئے نرم گوشہ رکھتی ہے۔ اس کا مقصد یہی تھا کہ یہ مجرب نسخہ استعمال کر کے اپنے مقاصد حاصل کیے جائیں اور حکومت کو اس دباؤ میں رکھا جائے کہ اگر تم نے ہماری فرمائشوں کو پورا نہ کیا تمہیں قادیانی یا قادیانی نواز قرار دینے کے لئے صرف پانچ منٹ درکار ہوں گے اور اس کے بعد تم کئی مہینوں تک صفائیاں دیتے رہو گے۔

(بحوالہ 07/09/2021 ابو نائل بشکریہ ہم سب)



وہ جس کی بات کی رکھتا ہے لاج ربِ کریم

قریشی داؤد احمد ساجد مُربی سلسلہ احمدیہ گلاسگو۔اسکاٹ لینڈ

خاکسار کو ایک عرصہ سے پتہ میں پتھری کی وجہ سے کافی تکلیف تھی جس کی وجہ سے بعض اوقات معدہ میں شدید درد ہوتا تھا پہلے تو ڈاکٹر حضرات السر سمجھتے رہے۔لیکن پتہ میں پتھری کا علم ہونے کے بعد بھی آپریشن کی دو تین دفعہ تاریخ ملنے کے باوجود بعض وجوہات کی بنا پر آپریشن نہ ہوسکا۔اِس دوران خاکسار کو انفیکشن کے باعث کئی کئی دن ہسپتال میں داخل بھی رہنا پڑا 10 مئی 2011ء کو خاکسار نے حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے مُلاقات کی اور حضور ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز سے عرض کیا کہ حضور اس بیماری کی وجہ سے شدید تکلیف ہوتی ہے۔حضور ایدہُ اللہ تعالیٰ بنصرہ نے فرمایا" مجھے علم ہے"

پھر چند لمحوں کے توقف کے بعد فرمایا "ہسپتال والوں سے بات کریں اگر پندرہ دن میں اپریشن کر دیں تو ٹھیک ہے ورنہ پرائیویٹ آپریشن کروالیں اور ڈاکٹر شبیر بھٹی صاحب سے بھی بات کرلیں "

جن احباب کو یورپین ممالک کے نیشنل ہیلتھ سروس کے بارے میں علم ہے وہ جانتے ہیں کہ اِن ممالک میں تو بعض اوقات اپنے ذاتی مُعالج سے ملنے کے لئے بھی کئی دفعہ دو دو ہفتے لگ جاتے ہیں نیز آپ کو ہسپتال والوں یا سرجن کے پاس بھی آپ کا ذاتی مُعالج ہی بھجواتا ہے جو کہ لمبا Procedure ہے۔

حضور ایدہُ للہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے اِرشاد کی تکمیل میں خاکسار نے ڈاکٹر شبّیر بھٹی صاحب سے بھی بات کی اُنھوں نے کہا ٹھیک ہے۔

اگلے روز خاکسار لندن سے گلاسکو واپس آیا تو کچھ سمجھ نہیں آتا تھا کہ ذاتی مُعالج یا ہسپتال والوں سے بات کیسے کی جائے۔اِسی کشمکش میں 12 مئی 2011ء کو معدے میں شدید درد شروع ہو گیا جس کے باعث خاکسار کو ہسپتال میں داخل ہونا پڑا۔ہسپتال میں پہلے چند روز تو اِنفیکشن کے باعث کافی تکلیف رہی، ایک دن صبح ڈاکٹر صاحب اپنی ٹیم کے ہمراہ راؤنڈ پر آئے تو خاکسار نے ڈاکٹر صاحب سے کہا کیا آپ آپریشن نہیں کر سکتے کیونکہ مجھے یہ تکلیف بہت عرصہ سے ہے اور کئی دفعہ آپریشن مُلتوی بھی ہو چُکا ہے۔وہ ایک Russian ڈاکٹر صاحب تھے۔کہنے لگے ابھی اِنفیکشن بہت زیادہ ہے اس کو ٹھیک ہونے میں دو تین ہفتے لگ سکتے ہیں اس کے بعد کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد خاکسار نے ڈاکٹر صاحب سے پوچھا کہ کیا میں پرائیویٹ آپریشن کرواسکتا ہوں؟ اس پر وہ کہنے لگے کہ آپ پرائیویٹ آپریشن کیوں کروانا چاہتے ہیں؟

میں نے اُن سے کہا کہ مجھے یہ تکلیف کافی عرصہ سے ہے اور اس کی وجہ سے مجھے شدید درد اور پریشانی ہوتی ہے۔اس پر وہ کہنے لگے کہ میں تو پرائیویٹ آپریشن نہیں کرتا اور نہ ہی کسی کو جانتا ہوں جو پرائیویٹ آپریشن کرتا ہو۔

اگلے روز وہ ڈاکٹر صاحب صُبح راؤنڈ پر آئے اور نارمل چیک اَپ کے بعد چلے گئے، اُدھر خاکسار کے ذِہن میں مُسلسل حضور ایدہُ للہ تعالیٰ بنصرہ العزیز کے الفاظ گردش کرتے تھے لیکن دُعا کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہیں تھا، اُسی روز دوپہر کے بعد اچانک وہ ڈاکٹر صاحب وارڈ میں آئے اور میرے ساتھ مصافحہ کیا اور کہنے لگے کہ میں نے آپ کے اسکین کا انتظام کیا ہے اور ابھی اسکین کے بعد بیہوش کرنے والی ٹیم کا آدمی آپ کو بریف کرے گا کیونکہ میں نے آج آپ کے آپریشن کا فیصلہ کیا ہے۔کچھ دیر کے بعد پورٹر آ گیا اور مجھے اسکین کے لئے لے گیا لیکن اُس وقت خاکسار کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب خاکسار نے دیکھا کہ اسکین کے شُعبہ کی طرف جانے والے راستہ پر اسکین کے شُعبہ سے پہلے ڈاکٹر صاحب خود کھڑے تھے اُنھوں نے پورٹر سے وہیل چیئر لے لی اور خود مجھے اسکین والے کمرہ میں لیکر گئے نیز وہیں بیٹھ کر اسکین دیکھا۔اس کے بعد خاکسار بیہوش کرنے والی ٹیم کے آدمی کے آنے کا انتظار کرنے لگا، لیکن کوئی نہ آیا جس وجہ سے فطرتی طور پر کچھ پریشانی ہوئی، ابھی خاکسار اِسی

اُدھیڑ بُن میں تھا کہ رات کے گیارہ بجے کے قریب ڈاکٹر صاحب آ گئے اور معذرت کرنے لگے اور کہا کہ ایک ایمرجنسی کی وجہ سے ہم کافی لیٹ ہو گئے تھے اور بیہوش کرنے والی ٹیم بھی کافی تھکی ہوئی تھی اس لئے میں کوئی رِسک نہیں لینا چاہتا تھا، لیکن کل صُبح سب سے پہلے آپ کا آپریشن ہو گا۔

چنانچہ اگلے روز خاکسار کا آپریشن ہو گیا، الحمدُ للہ علیٰ ذالك.

آپریشن کے بعد وہ ڈاکٹر صاحب روزانہ دو دفعہ راؤنڈ پر آتے تھے، ایک اھم بات جو میں نے نوٹ کی وہ یہ تھی کہ اُس وارڈ میں ہم سات یا آٹھ مریض تھے لیکن ڈاکٹر صاحب جب بھی آتے تو صرف مجھ سے مُصافحہ کرتے تھے۔

اِسی دوران خاکسار نے مندرجہ ذیل اَشعار جو آخر پر ہیں، بھی لکھے۔

25 مئی کو خاکسار کا ایک اور اسکین ہوا تا کہ پتہ چل سکے کہ پِتے سے معدہ میں آنے والی شریان میں کوئی روک تو نہیں۔

26 مئی کو ڈاکٹر صاحب نے خاکسار کو گھر جانے کی اجازت دے دی لیکن دوپہر کو ڈیوٹی پر موجود ایک نوجوان انڈین ڈاکٹر آیا اور کہنے لگا کہ بڑا ڈاکٹر صاحب نے آپ کو گھر جانے کی اجازت تو دے دی تھی لیکن اسکین کا رزلٹ ابھی نہیں آیا اس لئے ہوسکتا ہے کہ آج رات آپ کو اِدھر ہی روکنا پڑے۔

خاکسار کے ذہن میں خیال آیا کہ حضور ایدہُ اللہ تعالیٰ نے پندرہ دن فرمایا تھا اور ہسپتال آئے ہوئے آج مجھے پندرواں روز ہے اور یہ نظم بھی مکمل ہو گئی ہے لیکن ڈاکٹر مجھے کہہ رہا ہے کہ شائد آج رات آپ کو اِدھر ہی روکنا پڑے۔

خاکسار کو اُس ذات کی قَسم جس کے قبضۂ قُدرت میں میری جان ہے، یہ خیال گُزرے ابھی نصف گھنٹہ بھی نہ گُزرا ہو گا کہ وہی انڈین ڈاکٹر آ کر مجھے کہنے لگا کہ اگر آج اسکین کا رزلٹ آ بھی گیا تو ہم نے کُچھ بھی نہیں کرنا، اس لیے آپ گھر جاسکتے ہیں۔ میں آپ کو فون کر کے سکین کے بارہ میں بتا دوں گا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد اُس نے فون کر کے بتایا کہ آپ کے اسکین کا رزلٹ کلئیر آیا ہے۔

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ کی مدح میں

ڈاکٹر طارق انور باجوہ

ہیولہ نُور کا مٹی کے گھر میں رہتا ہے
میرے خیال میں قلب و نظر میں رہتا ہے
میں اُس کو دیکھ کر یوں سوچنے لگوں جیسے
خُدا خود ہو کے مُجسّم، بشر میں رہتا ہے
وہ بولتا ہے تو ٹھہرا ہُوا سمندر ہے
نگاہ دُور ہیں، گویا سفر میں رہتا ہے
شہر کے لوگ اگرچہ نہ اُسکو پہچانیں
تذکرہ اُس کا تو اَب بحر و بر میں رہتا ہے
میں اُسکی خاکِ پا کو چھو سکوں کبھی شائد
مُقابلہ یہی شمس و قمر میں رہتا ہے
حَسین اُس سا نہیں دھر کے حسینوں میں
مدارِ بحث وہ لعل و گوھر میں رہتا ہے
وہ جس کی خُوشبُو سے مہکے ہے گُلشنِ احمد
نہاں ہر پھول میں برگ و ثمر میں رہتا ہے
ہزار بار بھی دیکھوں اُسے تو جی نہ بھرے
دھیان میرا اُسی راہ گزر میں رہتا ہے
وہ جس کی بات کی رکھتا ہے لاج ربِّ کریم
حِصار میرا وہ زیر و زبر میں رہتا ہے
ہے اُن کے واسطے وہ حضرتِ خضر کی طرح
نصیب جن کا کہ مدّوجزر میں رہتا ہے
جلا کے دیپ میرے دِل میں اپنی یادوں کے
قریب یوں میرے شام و سحر میں رہتا ہے
اُٹھیں جو ہاتھ تو مانگوں دُعا اُسی کے لئے
وہ میری سوچ میں اور چشمِ تَر میں رہتا ہے
دُعا سے اُس کی ملے ہے مجھے شِفاء سَاجد
مسیحا بن کے وہ میری فِکر میں رہتا ہے
جو پوچھو نام اُس کا وہ ہے"حضرتِ مسرور"
اِسی وطن میں، دِلوں کے نگر میں رہتا ہے

شاہ جہاں اپنا



(منیر باجوہ)

کہاں توفیق تھی ہم کو کہاں وہم و گماں اپنا
کرم مولا کا ہوگا اور پھیلے گا جہاں اپنا
وہ لشکر اپنے فضلوں کے اُتارے گا زمیں پر خود
رہے گا ہر قدم پر ساتھ مالک دو جہاں اپنا
بہت اعجاز دنیا میں دکھائے جائیں گے ہم کو
نئی پھر یہ زمیں ہوگی نیا پھر آسماں اپنا
سچائی کُھل کے دیکھے گا زمانہ اپنی آنکھوں سے
نرالا نظر آئے گا جہاں میں شاہ جہاں اپنا
زمانہ لاکھ ظالم ہو نہیں پرواہ مجھے اسکی
میرا مولا میرا والی وہی ہے مہرباں اپنا
خدا ہے آج جسکے ساتھ اس دور خرابی میں
وہی پیارا تو ہے جگ میں سالار کارواں اپنا
فضا ہے گونجتی بلبل ترے دلدوز نغموں سے
اجاڑے گا تُو اے صیاد کب تک آشیاں اپنا
ہمیشہ نامرادی میں جلا ہے تُو ہی اے حاسد
پھلوں سے لد گیا دیکھو کہاں تک گلستاں اپنا
ہمیشہ باغ کو سیراب کرتا ہے وہ اشکوں سے
اُسی کے در پہ جُھکتا ہے سدا سے باغباں اپنا
خدا کے حکم سے منیر پہنچائے گا منزل پر
بہت ہی کامراں پایا فلک نے سارباں اپنا

سیّد طالع احمد شہید



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

صالح ، وہ خاندان کا فرزندِ ارجمند
طالع وہ جان دے کے ہوا ، جس کا سر بلند
حق وقف کا ادا کیا ہے اس نے اس طرح
ہر لحظہ فرضِ منصبی پہ تھا وہ کار بند
وہ با وقار ، خوبرو ، کم گو تھا ، نیک بخت
میدان میں عمل کے نمایاں تھا ، فتح مند
تھا وقفِ نو ، تو تربیت بچپن سے وہ ملی
پہنچا نہ پایا اس کو کچھ معاشرہ ، گزند
طالع خدا کی راہ میں جو جان دے گیا
خوش باغباں ہوا کہ شجر کا ثمر ہے قند
گلشن کو رنگ دے کے حسیں اور کر گیا
ہے داستاں وفا کی ہوئی خوں سے قلم بند
جلدی میں تھا وہ کام بہت سر پہ تھے ابھی
تھا وقت کم تو اس کے لئے تھا وہ فکر مند
اس نے لکھا ، "ہے مجھ کو خلیفہ سے اپنے پیار
لیکن یہ راز ہے ، نہیں وہ اِس سے بہرہ مند"
حاضر ہوا ہے اپنے وہ پیارے کے روبرو
اس کی رضا کا پا گیا وہ تاج ، دل پسند
ہم پیچھے رہ گئے ہیں وہ پہلوں سے جا ملا
سیدھا بہشت میں گیا ایسی بھری زقند
کرتے ہیں رشک اس پہ فرشتے لئے سلام
گو آنکھ اشکبار ہے ، دل غم سے درد مند
طارق بلایا جس نے وہی ہے عزیز تر
سب کی طرح خدا کو بھی شاید تھا وہ پسند



حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا تعلیمی منصوبہ

پہلی احمدی خاتون سائنس دان ڈاکٹر منصورہ شمیم صاحبہ

(جو سرن جنیوا میں ہگز پارٹیکل کی دریافت کے میگا بلین ڈالر پراجیکٹ کی عالمی سطح کے سائنس دانوں کی ٹیم میں شامل ہوئیں)

(انجینئر محمود مجیب اصغر)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کا تعلیمی منصوبہ

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی عظیم پیشگوئی" میرے فرقہ کے لوگ اس قدر علم اور معرفت میں کمال حاصل کریں گے کہ اپنی سچائی کے نور اور اپنے دلائل اور نشانوں کے رو سے سب کا منہ بند کر دیں گے" کے پہلے مظہر خلافت ثالثہ میں نوبیل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب قرار پائے

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث نے 1979ء میں خواہش فرمائی کہ اگلی صدی میں کثیر تعداد میں احمدی سائنس دان عالمی سطح پر ابھرنے چاہیں اس کے حصول لے لئے آپ نے تعلیمی منصوبہ جاری فرمایا

آ یک موقعہ پر فرمایا" حضرت مہدی علیہ السلام اس لئے بھیجے گئے تھے کہ تمام مذاہب عاجز آ کر اسلام کے آگے ہتھیار ڈال دیں اور اسلام تمام بنی نوع انسان کے دل جیت کر روئے زمین پر غالب آئے

ہم اس عظیم مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہم دشمنان اسلام کو علمی میدان میں شکست نہ دیں پس علمی میدان میں سبقت لے جانے کی کوشش کرو علم اور معرفت میں ایسا کمال حاصل کرو کہ کوئی اس میدان میں تمہارا مقابلہ نہ کر سکے خدائی منصوبہ کی رو سے تم نوع انسانی کے مستقبل کے استاد ہو اپنی اس حیثیت کو ہمیشہ پیش نظر رکھو اور جس حد تک خدا چاہتا ہے کہ ہم علم حاصل کریں تم اس حد تک علم حاصل کر کے اس منشاء کو پورا کرنے والے بنو۔"

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 397)

چنانچہ اس کے بعد کئی ہونہار لڑکے اور لڑکیاں علم کے میدان میں نمایاں پوزیشن حاصل کر کے لائم لائٹ میں آ رہے ہیں اور خلیفہ وقت سے جلسہ سالانہ پر میڈل اور انعامات حاصل کر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر حکمت طریقوں سے مسیح موعود کی پیشگوئی کو پورا کر رہا ہے اور خلیفہ ثالث کے تعلیمی منصوبہ کو کامیابی سے ہمکنار کر رہا ہے

احمدی خاتون سائنس دان ڈاکٹر منصورہ شمیم صاحبہ

اس مضمون میں ایک احمدی بچی منصورہ شمیم کا ذکر کرنا مقصود ہے جس نے بچپن میں پہلے احمدی نوبیل انعام یافتہ سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام صاحب کے بارے میں شارٹ سٹوری بک "پہلا احمدی مسلمان سائنس دان" پڑھ کر سائنس دان بننے کا ارادہ کیا اور ان کے نقش قدم پر چل کر اور خلیفہ وقت کی قوت قدسیہ اور دعاؤں سے فیض یاب ہو کر سائنس دان بن گئیں اور سویٹزرلینڈ میں زیر زمین 27 کلومیٹر میں پھیلی ہوئی سرن لیبارٹی (جنیوا) میں Large Hydron Collider کے ملٹی بلین ڈالر کی لاگت کے تجربہ کرنے والے سائنس دانوں کی ٹیم میں شامل ہوئیں جنہوں نے 4 جولائی 2012ء کو ہگز پارٹیکل کی شناخت کر کے سائنس کی دنیا میں تہلکہ مچا دیا اس سے ڈاکٹر سلام کی تھیوری کی بھی عملی تصدیق ہوگئی

کسی کا قول ہے

History books often devote most of their space to a discussion of political events. Scientific advancements have done far more to shape the world.

نہایت بچپن کی عمر میں سائنس دان بننے کا گول مقرر کرنا اور سائنس کی ترقی میں کردار ادا کرنا منصورہ کا قابل رشک کارنامہ ہے اور آپ یقیناً ان احمدی سائنس دانوں میں سے ہیں جو خلیفۃ المسیح الثالث کے تعلیمی منصوبہ کا عظیم ثمرہ ہیں

ہگز پارٹیکل (Higgs Particle) کی اہمیت

یہ وہی پارٹیکل ہے جو ڈاکٹر عبدالسلام نے اپنی الیکٹرو ویک تھیوری میں قیاس کیا تھا اور جو سٹینڈرڈ ماڈل کا اہم حصہ ہے

Standard Model reflects the basic architecture of the universe.

ڈاکٹر پرویز ھود بھائی لکھتے ہیں

Steven Weinberg and Abdus Salam realized that if Higgs particle of the right kind actually existed then every thing about particles like the electron and quark could be understood within overarching theory.

This Theory is called the Glashow-Salam-Weinberg Model or Standard Model of Particle Physics.

ڈاکٹر منصورہ شمیم وضاحت کرتی ہیں

On 4 July 2012, the ATLAS and CMS callaborations announced the observation of a particle consistent with the long-sought Higgs Boson. The analyses performed since then by the two collaborators have confirmed that the particle discovered has characteristics of Boson described by the theory.

احمدی خاتون سائنس دان ڈاکٹر منصورہ شمیم کے مختصر حالات زندگی

پروفیشنل کیریئر کے حساب سے میں انجینئرنگ کی کنسٹرکشن انڈسٹری سے وابستہ رہنے کی وجہ سے ساری عمر رولنگ سٹون بنا رہا ہوں۔ 1974ء میں ایک واپڈا کنسلٹنٹ فرم (انجینئرز انٹرنیشنل) کو میں نے بطور انجینئر گریڈ 1 جائن کیا انہیں واپڈا سے منگلا ڈیم 220 کے وی ٹرانشمشن ایکسٹنشن پراجیکٹ ملا تھا نومبر 1974ء میں میرا تعارف واپڈا آفس لالہ موسیٰ میں ایک احمدی انجینئر شمیم احمد سنوری صاحب سے ہوا کئی سالوں کے بعد 1999ء میں دوبارہ ملاقات اتفاقاً ان سے ٹاؤن شپ لاہور کے ایک نماز سنٹر میں ہوئی اور ہم نے چند لمحوں میں ایک دوسرے کو پہچان لیا

انہوں نے بتایا کہ ان کی ایک بیٹی کو نوبیل انعام یافتہ احمدی سائنس دان ڈاکٹر عبدالسلام کے قائم کردہ ICTP ٹریسٹے اٹلی میں داخلہ مل گیا ہے اس پر وہ بہت خوش تھے۔ چند سال بعد جب ہگز پاٹیکل کی دریافت کے لئے جنیوا سویٹزرلینڈ کی سرن CERN لیبارٹری میں ملٹی بلین ڈالر کی لاگت کے پراجیکٹ کی خبریں چھپنے لگیں تو ایک نام (احمدی) لیڈی سائنس دان منصورہ شمیم کا لائم لائٹ میں آیا یہ وہی ہونہار بچی تھی جن کا ذکر ان کے والد شمیم احمد سنوری صاحب نے کیا تھا اس کے بعد ان کے بیشتر انٹرویو اور بعض لیکچر شائع ہوتے رہے حال ہی میں میرا ان سے رابطہ ہوا اور انہوں نے اپنے خاندانی پس منظر، تعلیم اور سائنس کی دنیا میں آنے کی بعض تفاصیل بھیجی ہیں جن کا خلاصہ پیش کرنا مقصود ہے

ابتدائی حالات اور تعلیمی جدوجہد

ہونہار احمدی بچی منصورہ شمیم علی پور ضلع مظفر گڑھ میں سنوری فیملی میں پیدا ہوئیں۔ 1967ء سے میرا تعارف علی پور سے ہے اور میں اکثر احمدی گھرانوں کو پہچانتا ہوں کیونکہ میرے کیریئر کا پہلا پراجیکٹ ایک یوگوسلاوین فرم (انرگوانوسٹ) کے ساتھ مظفر گڑھ سے علی پور کے آگے خیر پور تک پھیلا ہوا تھا سکارپ 3 ٹیوب ویل الیکٹری فیکیشن پراجیکٹ علی پور یونٹ لگتا ہے جو برکت نامور صحابی حضرت عبداللہ سنوری صاحب نے حضرت مسیح موعود سے حاصل کی اس کا فیض اگلی نسلوں میں جاری ہے ڈاکٹر منصورہ نے ابتدائی تعلیم لالہ موسیٰ میں حاصل کی جہاں ان کے والد کی ملازمت تھی۔

ان کی فیملی 1991ء میں لاہور شفٹ ہوگئی جہاں 1995ء میں انہوں نے لاہور کالج فار ویمن سے رول آف آنر کے ساتھ بی ایس سی کی ڈگری لی۔

1998ء میں انہوں نے پنجاب یونیورسٹی لاہور سے ایم ایس سی فزکس میں کی (پارٹ I میں اول پوزیشن لی اور پارٹ II میں دوم)

حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے تعلیمی منصوبہ کے تحت گولڈ میڈل

ایم ایس سی میں اعلیٰ پوزیشن کی بنیاد پر حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے جاری کردہ تعلیمی منصوبہ کے تحت منصورہ کو پہلے ناظر صاحب تعلیم کی طرف سے گولڈ

میڈل اور پھر 2009ء کے جلسہ سالانہ پر حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے گولڈ میڈل، اپنے دستخطوں سے سرٹیفکیٹ اور قرآن مجید انعام دیا

ہائر ایجوکیشن

ڈاکٹر منصورہ لکھتی ہیں

On my journey, I have been blessed with many opportunities and guidance and prayers.

عبدالسلام ICTP ٹریسٹے اٹلی

ہائر ایجوکیشن کے لئے ڈاکٹر منصورہ شمیم نے عبدالسلام ICTP ٹرسٹے اٹلی کا انتخاب کیا جہاں وظیفہ حاصل کر کے انہوں نے 1999 2000 میں تھیوریٹیکل ہائی انرجی فزکس میں پوسٹ گریجوایٹ ڈپلومہ کیا

حضرت مصلح موعود خلیفۃ المسیح ثانی رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا

"پس ہمارے نوجوانوں کو زندگیاں سدھارنے کی کوشش کرنی چاہیئے اور اپنی نگاہوں کو اونچا کرنا چاہیئے کہ میں نے فلاں فن میں چوٹی کا آدمی بننا ہے یا اس کی کوشش میں فنا ہو جانا ہے دنیا میں اعداد و شمار کا مقابلہ ذہانت ہی کر سکتی ہے"

منصورہ کا عزم بھی ایسا ہی تھا جیسا کہ وہ کہتی ہیں:

Once I started Physics and went to ICPT, I realized that there was no point in stopping at that stage. I decided to continue working smart and move forward. واپس پاکستان آ کر کچھ عرصہ انہوں نے جز وقتی لیکچرار کے طور پر پنجاب یونیورسٹی کے فزکس ڈیپارٹمنٹ میں اور موحولیات انسٹی ٹیوٹ میں پڑھایا اور پھر مزید تعلیم کے لئے امریکہ چلی گئیں

Kinsas State University Manhattan KS

یہاں سے منصورہ نے 2003 _ 2001 میں ایم ایس سی (فزکس) کی

اور پھر 2003ء _ مئی 2008ء میں اسی یونیورسٹی سے پی ایچ ڈی کی

Work Experience



نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر طارق انور باجوہ ۔ لندن

محمدؐ بادشاہِ دوسرا ہے
محمدؐ جو ہمارا رہنما ہے
محمدؐ جو حبیبِ کبریا ہے
دو عالم کے لئے رحمت بنا ہے
خطاب اس کو دیا صادق سبھی نے
امیں کا بھی لقب اس کو ملا ہے
ہوئی ہے دُور ظلمت اس کے دم سے
اُجالا ہر طرف اس سے ہوا ہے

❁❁❁❁



منظر بھوپالی

طاقتیں تمہاری ہیں اور خدا ہمارا ہے
عکس پر نہ اِتراؤ، آئینہ ہمارا ہے
آپ کی غلامی کا، بوجھ ہم نہ ڈھوئیں گے
آبرو سے مرنے کا، فیصلہ ہمارا ہے
عمر بھر تو کوئی بھی، جنگ لڑ نہیں سکتا
تم بھی ٹوٹ جاؤ گے، تجربہ ہمارا ہے
اپنی رہنمائی پر، اب غرور مت کرنا
آپ سے بہت آگے، نقشِ پا ہمارا ہے
غیرتِ جہاد اپنی، زخم کھا کے جاگے گی
پہلا وار تم کر لو، دوسرا ہمارا ہے

❁❁❁❁

اگست 2001ء سے مئی 2002ء تک

Graduate Teaching Assistant Kansas State Univ Manhattan KS

Engineering Physics Under Graduate Lab Instructor.

مئی 2002ء سے مئی 2008ء تک

Graduate Research Assistant Kansas State Univ Manhattan KS

جولائی 2008ء سے جون 2014ء

Research Asstt Univ of Oregon, Eugene OR USA

Member of the ATLAS collaboration worked on trigger studies for LHC Run II and ATLAS upgrade during LS2 (Feb _ Jun, 2014)

تعلیمی ماحصل

انسان علم اس لئے حاصل کرتا ہے کہ خود اس سے فائدہ اٹھائے اور دوسروں کو فائدہ پہنچائے ڈاکٹر منصورہ لکھتی ہیں کہ انہوں نے امریکہ کے کئی اہم مقامات پر 19 کانفرنسوں اور ورکشاپس میں حصہ لیا اور اعلیٰ سطح کے ٹیکنیکل پیپر پڑھے دورحاضر کے بڑے بڑے سائنسدانوں سے استفادہ کیا جیسے

Matrinos J. G. Veltman,Eric Cornell ,Frank Wilczek
Nobel Prize Winner Carlo Rubia and Jack
Steinberger ,Peter Higgs

پبلیکیشنز

ڈاکٹر منصورہ کے مشہور مضامین اور ریسرچ پیپر درج ذیل ہیں

Dr Salam and the existence of our , Higgs,CERN .universe

Search for Quantum Black Hole Production in High Invariant Mass Lepton

The ATLAS Detection

Search for Scalar Top Quark in Jets and :Thesis Missing Transverse Energy with D0 Detector at Fermilab Tevatrom Collider 2008,Defended on May 6

Prof Tim Bolton:Adviser

ان کا مشہور لیکچر

How I became a Scientist

(Germany,Bensheim)

سب سے بڑی نعمت جماعت احمدیہ کے ذہین اور جینئس بچے

میں اس مضمون کو حضرت خلیفۃ المسیح الثالث کے الفاظ پر ختم کرتا ہوں فرمایا: ’’ہم پر خدا تعالیٰ کا بڑا فضل ہے کہ وہ جماعت کو ذہین بچے عطا کر رہا ہے سب سے بڑی نعمت جس سے وہ اپنے بندے کو نوازتا ہے یہی ہوتی ہے کہ اس کے ہاں ذہین بچہ پیدا ہو جائے ہم نے ہر بچہ کو شروع ہی سے سنبھالنا ہے اور درجہ بدرجہ اس کی تعلیمی ترقی کا ریکارڈ رکھنا ہے تاکہ کوئی ایک اعلیٰ ذہن بھی ضائع نہ ہونے پائے خاص طور پر جو غیر معمولی طور پر ذہین اور جینیئس ہوں ان کی تعلیمی ترقی کی نگہداشت کرنا اور انہیں ضائع ہونے سے بچانا جماعت کی ذمہ داری ہے اور اس ذمہ داری کو ادا کرنے کے لئے ہی یہ تعلیمی منصوبہ جاری کیا گیا ہے اور اس میں انعامی وظائف اور طلائی تمغے دیئے جانے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔‘‘ (دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 298)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تحصیل علم پر بہت زور دیا ہے

’’اللہ تعالیٰ کے اس عطیہ کی قدر کریں اور ان کی قدر یہی ہے کہ اپنے بچوں کو اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم دلوائیں حصول علم کے لئے اگر ممکن ہو تو انہیں یورپ اور امریکہ بھیجیں اور اگر کسی علم کی تحصیل کے لئے ضروری ہو تو روس بھی بھیجیں

میں نے سائنسی ترقی کے موجودہ دور کے پیش نظر روس کو بھی خاص طور پر شامل کیا ہے اس لئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ اگر تمہیں علم حاصل کرنے کے لئے چین جانا پڑے تو ضرور جاؤ اس لئے علم جہاں سے بھی ملے وہاں جانا ضروری ہے اور آنحضرت اللہ علیہ وسلم نے تو ہر حصہ عمر میں تحصیل علم پر بہت زور دیا ہے ہر بچے اور ہر بڑے حتیٰ کہ بوڑھوں تک کا یہ فرض ہے کہ وہ علم حاصل کریں۔‘‘

(دورہ مغرب 1400ھ صفحہ 374،375)



دفاع پاکستان میں جماعت احمدیہ کا کردار

شہزادہ قمر الدین مبشر۔ گلاسگو



قوم کے محافظ خواہ کسی مذہب یا فرقے یا مسلک سے تعلق رکھتے ہوں ملک کے سب شہریوں کیلئے یکساں طور پر تعظیم و تکریم کے مستحق ہیں۔ اگر احسان تکریم اور تعظیم کے جذبات پیدا کرتا ہے تو اس سے بڑھ کر اور کیا احسان ہوگا کہ کوئی اپنی جان ہتھیلی پر رکھ کر اس عہد کو پابندی سے نبھائے کہ وہ اپنے ہموطنوں کے جان و مال اور عزت کی حفاظت کرے گا۔ ہر فوجی کے لئے جو ملک کی حفاظت کرتا ہے ہمارے دل محبت کے جذبات سے لبریز ہیں۔ لیفٹیننٹ کرنل (ریٹائرڈ) غلام دستگیر صاحب پشاور نے ”آپریشن جبرالٹر“ حالات و واقعات کی روشنی میں کے عنوان سے ایک مضمون سپرد قلم کیا ہے اس کے بعض حصے جو خاص طور پر ایک فوجی جنرل اختر حسین ملک کے متعلق ہیں وہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں۔ (شہزادہ مبشر)

جہاں تک جنرل اختر حسین ملک (مرحوم) کا تعلق ہے وہ ایک نہایت مخلص، حب الوطن، قابل اور حقیقت پسند شخصیت تھے۔ میں انہیں نہ صرف اپنے ایک سینئر افسر کی حیثیت سے جانتا تھا۔ میں نے ان کے تحت 13 آزاد کشمیر بٹالین کمانڈ کرتا تھا۔ وہ جونیئر افسروں میں زیادہ ہر دلعزیز تھے مگر ان کے سینئر افسران کی قابلیت کی وجہ سے ہمیشہ حسد کرتے تھے وہ ہر مسئلے کو عملی نقطہ سے دیکھتے تھے۔ جونہی انہوں نے 12 دویژن، مری کی کمانڈ 1963ء میں سنبھالی وہ کھلم کھلا کہتے تھے میں ان جرنیلوں میں سے نہیں جو 2-3 سال کیلئے بطور ڈویژن کمانڈر مری کی خوشگوار پہاڑیوں میں آرام سے وقت گذار گئے بلکہ میں مسئلہ کشمیر کو یو این کے کولڈ سٹوریج سے نکال کر رہوں گا۔ ان کا موقف یہ تھا کہ جب تک مسئلہ کشمیر زندہ ہے ہندوستان کے ساتھ ”عدم جارحیت“ کے معاہدے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ وہ عموماً یہ کہتے تھے کہ کشمیر کا حل ہمیں خود تلاش کرنا پڑے گا۔ اگر یو این پر بھروسہ رکھا گیا تو یہ مسئلہ ویسا ہی رہے گا ۔جیسے اب ہے جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے تو وہ مطمئن ہے کیونکہ کشمیر کی پوری وادی اور جموں کا پورا صوبہ اس کے قبضے میں ہے۔ وہ کیوں ہلچل کرے بلکہ وہ تو ہماری کمزوری کا پورا فائدہ اُٹھاتے ہوئے متنازعہ علاقوں پر بھی آہستہ آہستہ تسلط جما رہا ہے۔ جس کی وجہ سے کشمیریوں کا اعتماد بھی جا رہا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ اگر مسئلہ کشمیر کو زندہ رکھنا ہے تو ہندوستان کے ناپاک عزائم کا جواب طاقت سے دینا چاہئے۔ اور اگر اس مسئلہ کو درگزر کرنا ہے تو اسے پورے طور پر سے ختم کر کے ہندوستان کے سامنے جھک کر دوستی کا ہاتھ بڑھانا چاہئے۔ تاکہ دائمی خطرہ جنگ دور ہو جائے اور قوم سکون کی زندگی گزارے جو یقیناً ہندوستان کے سائے کے نیچے ہوگی۔ اسی نے اپنا مؤقف حکومت پر واضح کیا اور اسے اجازت مل گئی کہ پہلے تو ہندوستان کی پالیسی کے خلاف کاروائی کی جائے اور اسے روکا جائے۔ دوسرے مرحلے میں جو متنازعہ علاقے دشمن نے قبضہ کر رکھے ہیں وہ فوجی کارروائی کے ذریعہ واپس لئے جائیں۔

اسی وقت اکتوبر 1963ء میں ہماری بارڈر پولیس نے چکنوٹ گاؤں علاقہ کیل (گلگت) سے اطلاع دی کہ دشمن ایک متنازعہ پہاڑ لانگ رج پر قبضہ کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔ اگر اس پہاڑ پر قبضہ ہوگیا تو علاقہ ”کیل“ دشمن کی زد میں آجائے گا۔ جنرل ملک (مرحوم) نے فوراً ایک سپیشل فورس تیار کی جسے Dasti Force کا نام دیا گیا اور آپریش کو چکنوٹ آپریشن کا نام دیکر اس کی کمانڈ میرے حوالہ کی گئی۔ اس فورس میں میری بٹالین اے کے 13 کے علاوہ تین خچر یونٹ اے ٹی 7، اے ٹی 3، اے ٹی 1 کرنل حسن کی کمانڈ میں ایک ماؤنٹین بٹالین میجر زیدی کی کمانڈ میں اور دیگر امدادی یونٹیں تھیں۔

مجھے بریگیڈیئر (ر) فضل الرحیم خلجی نے حکم دیا کہ فورس مظفر آباد میں اکٹھی کی جائے جونہی فورس اکٹھی ہوگئی مجھے 12-13 اکتوبر 1963ء کی شام کو روانگی کا حکم دیا۔ میرا مشن یہ تھا 80 میل کا پیادہ سفر طے کرنے کے بعد جلدی سے جلدی لانگ رج پر قبضہ کروں۔ اگر دُشمن نے قبضہ ہم سے پہلے کر لیا ہے

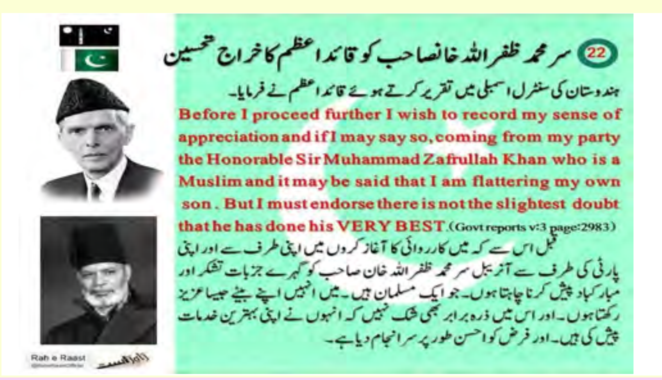
بذریعہ فوجی کاروائی یہ رج واپس لی جائے۔میری فورس دریائے نیلم کے مغربی کنارے صرف رات کے وقت مارچ کرے (مشرقی کنارہ دشمن کے پاس ہے)16 اکتوبر کی شام کو''کیل'' پہنچی اور 16۔17 کی رات کولانگ رج نو ہزارفٹ اوردیگردس بارہ ہزارفٹ بلند پہاڑیوں پر قائض ہوگئی۔دشمن کا بریگیڈ ہم سے بارہ گھنٹے بعد پہنچا مگر ہمارا لانگ رج پر قابض دیکھ کراپنے علاقے کی پہاڑیوں پر پوزیشن سنبھال لی۔

دُشمن نے حملہ کرنے کی کوشش کی مگر دو یا تین جھڑپوں میں منہ کی کھانی پڑی۔دُشمن بڑے حملے کی تیاری کر رہا تھا۔یواین کے مبصر بھی پہنچ گئے۔کچھ یواین کے دباؤ اور کچھ جھڑپوں کی ناکامی کی وجہ سے بریگیڈ حملہ نہ کیا۔اس آپریشن کا ذکر پاکستان کے یواین نمائندہ سرظفراللہ خان صاحب کی تقریر جو 19 اکتوبر 1963ء کے اخبارات میں شائع ہوئی۔یواین سیکورٹی کونسل میں کی اور اسے جوابی کاروائی دکھائی۔ ہماری اس کامیابی نے ہندوستانی فوج کے حوصلے پست کردیئے۔دسمبر 1963ء میں میری فورس کو واپس مظفرآباد آنے کا حکم ملا۔مجھ سے چارج کمانڈو کے میجر شکورجان (اب بریگیڈیئر شکور جان ریٹائرڈ) نے لیا۔یہ لکھنا بے جانہ ہوگا کہ میری فورس کی راشن سپلائی پی آئی اے کو سونپی گئی تھی ۔ میں پی آئی اے کے ان پائلٹوں کو داد دیتا ہوں جنہوں نے خراب سے خراب موسم میں کیل کی اُونچی پہاڑیوں کے باوجود ایسا سپلائی ڈراپ کیا کہ میرے 1500 جوان اور 1000 خچروں کو کبھی راشن کی کمی کا سامنا نہ کرنا پڑا۔جنرل ملک چونکہ مستقل مزاج جنرل تھے،انہوں نے صرف ایک آپریشن پر اکتفا نہ کیا بلکہ دوسرے مرحلے یعنی جو متنازعہ علاقہ دشمن نے قبضہ کر رکھے ہیں وہ بھی واپس لئے جائیں۔چنانچہ اس مرحلے کے لئے بھی مجھے ہی کمانڈر بنایا گیا۔یہی میری خوش قسمتی تھی کہ دونوں مرحلوں کیلئے مجھے کمانڈ ملی۔

دوسرا مرحلہ بھی نیلم وادی میں تھا۔وہاں ایک متنازعہ گاؤں جس کا نام''بور'' ہے۔دُشمن نے قبضہ کررکھا تھا مجھے حکم ملا کہ اس گاؤں سے دشمن کونکال دیا جائے اورقبضہ کیا جائے۔میں نے یہ مشن لیتے ہی جنوری 1964ء میں ایک دستہ میجر یوسف (اب کرنل ریٹائرڈ) کی کمانڈ میں روانہ کیا۔اس دستے نے نہایت جانفشانی اور بہادری سے گاؤں پر قبضہ کرنے کے علاوہ دشمن کے 16 فوجی قیدی اور کافی تعداد میں اسلحہ قابو کرلیا۔اس ایکشن میں دشمن کے تقریباً 15 سپاہی ہلاک ہوئے۔اور ہمارے جوان صحیح وسلامت واپس آئے۔جس روز یہ قیدی اور اسلحہ مظفرآباد لائے گئے۔تمام مظفرآباد ان کے استقبال کیلئے نکل آیا۔یہ پہلا میجر واقعہ تھا(جنگ کے بعد 1948) کہ دشمن کو اتنا نقصان اٹھانا پڑا۔کشمیر کی ہسٹری میں یہ پہلا موقع تھا کہ آزادکشمیر کے افسروں اور جوانوں کو پاکستانی فوجی اعزازات سے نوازا گیا۔

میجر یوسف اور صوبیدار حسن محمد کو ایس جے اور حوالدار نور محمد کو ٹی جے ملے۔ان کامیابیوں کے بعد جنرل ملک (مرحوم) کو یقین ہوگیا کہ اس کی سکیم کامیاب ہوجائے گی چنانچہ اس نے تمام فوج کو جو سی ایف ایل کے ساتھ تعین تھی حکم دیا کہ دشمن کی ہر کارروائی کا جواب سختی سے دیا جائے۔سال 1964ء میں آزادکشمیر میں غیراعلانیہ جنگ شروع ہوگئی۔سارا سال یہ لڑائی جاری رہی ۔کئی آزادکشمیر اور پاکستانی فوجی شہید ہوئے۔جس کے بارے میں قوم آج دن تک بے خبر ہے۔اس غیر اعلانیہ جنگ میں جو جو کارنامے آزادکشمیر کے فوجی جوانوں نے دکھائے وہ وہی جانتے ہیں جو ان کے ساتھ تھے۔ ہندوستانیوں کا مورال خاصا گر گیا اور سی ایف ایل کے ساتھ مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں میں پھر سے پاکستان پر اعتماد جم گیا۔

وہ لوگ خلوصِ دل سے ہمارے جوانوں کی راہنمائی کرتے اور ہرطرح کی سہولتیں پہنچاتے حالانکہ ہندوستانی فوجی ان کو بہت زدوکوب کرتے مگر جس جذبے سے وہ لوگ پاکستان یا آزادکشمیر فوجیوں سے تعاون کرتے۔خداوند تعالیٰ ان کو اس کا صلہ دے۔کاش ان کے دلوں کی مرادیں پوری ہوجائیں۔ ان کارروائیوں کی وجہ سے یواین کا عملہ حرکت میں آ گیا۔ہماری فوج نے دشمن



کو کافی نقصان پہنچایا۔اب نوبت یہاں تک پہنچ گئی تھی کہ ایک فیصلہ کن کارروائی کی جائے اور اپنی کامیابیوں سے پُورا فائدہ اٹھایا جائے۔جنرل ملک (مرحوم) نے حکومت کو رائے دی کہ چونکہ اب ٹارگیٹ ہمارے پاس آ گیا ہے۔ ہندوستانی فوج جو سی ایف ایل کے ساتھ تعین ہے کافی مار کھا چکی ہے اور ان کے حوصلے پست ہو گئے ہیں۔ اس لئے ہمیں اب ایک فیصلہ کن کارروائی کرنی چاہئے۔مگر چونکہ سال 1965ء کے اوائل میں ’’رن کچھ‘‘ کا معرکہ شروع ہو گیا۔اس لئے کشمیر کے مستقبل کی کارروائی تذبذب میں پڑ گئی جونہی ’’رن کچھ‘‘ میں امن آ گیا کشمیر کی کارروائی جنرل ملک (مرحوم) کے حکم سے دوبارہ تیز کر دی گئی۔جس کے نتیجے میں ’’آپریشن جبرالٹر‘‘ کی پلاننگ مکمل کی گئی۔میرے خیال میں آپریشن جبرالٹر میں چند بنیادی خامیاں تھیں۔مگر بقول جنرل ملک (مرحوم) یہ ایک با قاعدہ گوریلا جنگ نہ تھی بلکہ ایسا سمجھئے جیسے دشمن کے علاقہ میں پیرا ٹروپ یا کمانڈوز اتارے جائیں جن کو محدود ٹاسک دیا جائے تا کہ دشمن کی ایل ایف سی کو نقصان پہنچے۔ پبلک میں خوف و ہراس پیدا ہو۔فوج کی بھاگ دوڑ وغیرہ وغیرہ مگر اس کاروائی کی کامیابی کا دارومدار اپنی فوج کی زمینی کارروائی کر کے اپنے کمانڈوز کے ساتھ ملاپ نہ کر سکے تو کمانڈوز یا پیرا ٹروپ کارروائی کا ستیاناس ہو جاتا ہے۔جیسے کہ دوسری جنگِ عظیم میں فیلڈ مارشل منٹگمری کے پیرا ڈویژن کے ساتھ ہوا۔اس آپریشن میں پھر بھی کچھ بچت ہوئی کیونکہ اتحادیوں کے پوش بریگیڈ نے بچے کھچے پیرا ڈویژن کے ساتھ زمینی رابطہ قائم کر لیا تھا۔ اسی طرح سے ہمارے ’’جبرالٹر آپریشن‘‘ کی کامیابی کا انحصار ’’اکھنور‘‘ پر حملہ اور قبضہ کرنے پر تھا۔جنرل ملک (مرحوم) نے بھی اسی پلاننگ کے تحت ’’جبرالٹر آپریشن‘‘ تیار کیا تھا وہ دماغی اور عملی طور سے اس آخری مرحلے کیلئے تیار تھے۔ مگر اس آخری مرحلہ کا کیا حشر ہوا اب قوم کو معلوم ہو چکا ہے جنرل موسیٰ کی پلاننگ اور جنرل یحییٰ (مرحوم) کی کارروائی نے آخری مرحلے کا ستیاناس کر دیا جس سے نہ صرف آپریشن جبرالٹر کرلیا تھا۔ اسی طرح سے ہمارے ’’جبرالٹر آپریشن‘‘ کی کامیابی کا انحصار ’’اکھنور‘‘ پر حملہ اور قبضہ کرنے پر تھا۔جنرل ملک نے بھی اسی پلاننگ کے تحت ’’جبرالٹر آپریشن‘‘ تیار کیا تھا وہ دماغی اور عملی طور سے اس آخری مرحلے کے لئے تیار تھے مگر اس آخری مرحلہ کا کیا حشر ہوا۔اب قوم کو معلوم ہو چکا ہے جنرل موسیٰ کی پلاننگ اور جنرل یحییٰ (مرحوم) کی کارروائی نے آخری مرحلے کا ستیاناس کر دیا۔ جس سے نہ صرف ’’آپریشن جبرالٹر‘‘ ناکامیاب ہوا بلکہ ہندوستان نے پاکستان پر حملہ کر دیا۔حالانکہ آپریشن جبرالٹر نے بہت حد تک اپنا مشن پورا کر لیا تھا۔اگر آخری مرحلہ کامیاب ہو جاتا تو یقیناً نہ صرف آج ہم آپریشن جبرالٹر کی پلاننگ کرنے والوں کو داد دیتے بلکہ کشمیر کا نقشہ ہی بدل گیا ہوتا۔اس ناکامی کا ذمہ دار کون تھا۔جنرل موسیٰ صاحب اپنے آپ کو لاعلم اور بری الزمہ قرار نہیں دے سکتے۔جنرل ملک (مرحوم) کی دو سال کی محنت حسد اور ذاتی مفاد پرستی کا شکار ہوئی۔آپریشن جبرالٹر میں حصہ لینے والے افسروں و جوانوں کی قربانیاں رایئگاں گئیں۔قوم حق رکھتی ہے کہ ان ذمہ دار شخصیتوں سے جواب زندہ ہیں جواب طلبی کرے اور آئندہ نسلوں کیلئے مثال قائم کرے۔میں نے جو واقعات اس مضمون میں بیان کیئے ہیں مجھے یقین ہے کہ جی ایچ کیو کی وار ڈائری میں قلم بند ہوں گے۔ اگر کوئی چاہے تو اس کی تصدیق کر سکتا ہے۔‘‘

قارئین کرام! پاکستان کی ترقی واستحکام اور دفاع کے سلسلہ میں جماعت احمدیہ نے جو خدمات سرانجام دیں وہ یقیناً سنہری حروف میں لکھنے کے قابل ہیں۔قیام پاکستان کا مرحلہ ہو یا دفاغ پاکستان کا محاذ جماعت احمدیہ کے فرزندوں نے ہر موڑ پر اپنی ذمہ داریوں کو نبھایا ہے۔جو حب الوطنی نے ان پر





عائد کیں۔ چنانچہ دفاع پاکستان کی تاریخ جب بھی دہرائی جائے گی لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک (ہلال جرأت) لیفٹیننٹ جنرل عبد العلی ملک (ہلال جرأت) میجر جنرل افتخار جنجوعہ (ہلال جرأت) اسکواڈرن لیڈر منیر الدین (ستارہ جرأت) فلائنگ آفیسر محمد شمس الحق (ستارہ جرأت) اور میجر قاضی بشیر احمد جیسے فرزندان احمدیت کا تذکرہ ضرور ہوگا۔



اختر حسین ملک

آپ یکم اگست 1917ء کو ضلع اٹک کے ایک گاؤں ''پنڈوری'' میں پیدا ہوئے۔ اس زمانے میں ضلع اٹک کو کیمبل پور کہا جاتا تھا۔ گورنمنٹ کالج کیمبل اور پنجاب یونیورسٹی سے گریجویشن کے بعد 1941ء میں انڈین ملٹری اکیڈمی ڈیرہ دون میں تربیت کا آغاز کیا جس کی تکمیل پر مسلح افواج میں کمیشن حاصل کیا۔

دوسری جنگ عظیم کے دوران اختر حسین ملک نے برما کے محاذ پر جو جنگی خدمات سرانجام دیں۔ اس کے صلے میں انہیں ''برما سٹار'' کا اعزاز دیا گیا۔ قیام پاکستان کے بعد انہیں لیفٹیننٹ کرنل کے عہدے سے ترقی دی گئی اور ایک انفنٹری بٹالین کے کمانڈر بنائے گئے۔ 1956ء میں بریگیڈیر کے عہدے پر ترقی ملی اور اسٹاف کالج کوئٹہ میں ڈپٹی کمانڈنٹ کی ذمہ داری سونپی گئی۔ 1959ء میں انفنٹری بریگیڈ کی کمان سنبھالی۔ جس کے بعد جنرل ہیڈ کوائٹرز میں ڈائریکٹر انفنٹری مقرر ہوئے۔ اسی طرح ترقی کی منازل طے کرتے ہوئے میجر جنرل اور لیفٹیننٹ جنرل کے مقام پر پہنچے۔

لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک کا سب سے بڑا کارنامہ چھمب اور جوڑیاں (کشمیر) کی فتح تھا۔ وہ پہلے جنرل تھے جن کو 1965ء کی جنگ میں جرأت و استقلال کا عظیم کارنامہ انجام دینے پر ہلال جرأت دیا گیا۔ 1965ء کی جنگ میں آپ کو یہ ذمہ داری سونپی گئی تھی کہ بھمبر کے علاقے میں کشمیر کی سرحد پر بھارت کی جارحانہ کاروائیوں کو نیست و نابود کریں۔ چھمب کے اس محاذ پر بھارت نے اپنی مضبوط چوکیاں اور مورچے قائم کر رکھے تھے۔ دشمن کی فوج بھی تعداد اور ہتھیاروں کے لحاظ سے کئی گنا طاقتور تھی۔ سب لوگوں کا خیال تھا کہ فوج کے جس حصے کی کمان جنرل اختر حسین ملک کے ہاتھ میں ہے وہ اس



عہد کرتے ہیں

مبشر شہزاد، گلاسگو

اے صبا تُو حضرت مسرور سے یہ عرض کرنا
راستی کی راہ پر ہی ہے ہمارا جینا مرنا
آپ کی دستار پر قربان ہے جاں تک ہماری
صِدق کی راہوں پہ چلتی ہے ہماری سواری
آپ کی آواز دنیا کے کناروں تک گئی
یہ بھی تقدیر مولا جو کہ تھی لکھی گئی
آہی جائے گا بالآخر نیک دل انساں ادھر
چھوڑ کر راہِ صداقت اُس کو جانا ہے کدھر
آپ کے احکام کی تعمیل اپنا فرض ہے
ہم کو پہنچی آپ کی ساری دعائیں عرض ہے
عہد کرتے ہیں وفاداری کا مل کر ہم سبھی
سستیاں اب نہ کریں گے اے مبشر ہم کبھی

❁❁❁❁

مقصد کیلئے بے حد کم اور کمزور ہے۔ اس کے باوجود اختر حسین ملک نے آگے بڑھ کر اس جرأت سے حملہ کیا کہ دشمن کے تمام مورچے تباہ ہو کر رہ گئے۔ اس کامیابی کا مرکزی کریڈٹ جنرل اختر حسین ملک کو ملا کیونکہ وہ اس لڑائی کے دوران اگلی صفوں میں جا کر مجاہدوں کا حوصلہ بڑھاتے رہے۔ اور اس حکمت عملی سے سارا کام سرانجام دیا کہ دشمن کو عبرتناک شکست سے دوچار ہونا پڑا۔

یہ اگست کا مہینہ اور 1965ء کا سال ہے۔ ٹیٹوال سیکٹر میں ہندوستانی فوج کی سنگین خلاف ورزیوں کا سلسلہ جاری ہے۔ دشمن کی فوجیں درہ حاجی پیر کی

طرف پیش قدمی کر رہی ہیں۔ پاکستانی فوجوں نے اپنی مدافعت کیلئے جوابی کاروائی کا ارادہ کیا ہے کہ اب اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں۔ یہی وقت تھا جب پاکستانی فوج کی کمان میجر جنرل اختر حسین ملک کے سپرد ہوئی۔

چھمب کے اس معرکہ میں ہندوستانی بریگیڈ کو ذلت آمیز شکست ہوئی اور اس کا خاصا جانی اور مالی نقصان ہوا۔ جوڑیاں اور چھمب کی یہ شکست ہندوستان پر قیامت بن کر ٹوٹی۔ یہاں ہندوستانی فوج مسلسل کمک کے باوجود جنگی برتری حاصل نہ کر سکی اور بالآخر اسے پسپا ہونا پڑا۔"

یہ امر باعث فخر ہے کہ چھمب اور جوڑیاں کے معرکے سر کرنے والے اس شیر دل جرنیل کو دوران جنگ ہی محاذ سے بلوا کر جنرل ہیڈ کوارٹرز میں بطور ڈائریکٹر جنرل ملٹری ٹریننگ کی ذمہ داری سونپ دی گئی۔ بعدازاں سٹاف کالج کوئٹہ کا کمانڈنٹ اور بالآخر سینٹو میں پاکستان کی نمائندگی کیلئے انقرہ (ترکی) بھیج دیا گیا۔ ترقی میں قیام کے دوران ہی 22 اگست 1969ء کو آپ اور آپ کی اہلیہ محترمہ کار کے حادثے میں جان بحق ہو گئے۔ اب دونوں کی میتیں بعدازاں پاکستان لا کر ربوہ میں سپرد خاک کی گئیں۔

22 اگست 1969ء کو جنرل اختر حسین ملک اور آپ کی اہلیہ محترمہ کے رحلت کر جانے کی خبر تمام پاکستانیوں کیلئے گہرے صدمے کا پیام لائی۔ آپ کی میت 22 اگست 1969ء کو پورے فوجی اعزاز کے ساتھ چکلالہ ایئرپورٹ پر اتاری گئی۔ ہوائی اڈے پر میت کیلئے موجود افراد میں اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف، پاک بحریہ کے کمانڈنٹ انچیف، پاک فضائیہ کے کمانڈر انچیف اور دیگر اعلیٰ فوجی و سول حکام شامل تھے۔ صدر پاکستان کی نمائندگی ان کے ملٹری سیکرٹری نے کی۔ میت کے ہمراہ اس وقت کے ملٹری ڈیپٹیز کے چیرمین اور چیف آف ٹرکش جنرل اسٹاف کے نمائندے، لیفٹیننٹ جنرل الپکایا بھی آئے۔ جنرل الپکایا نے اس موقع پر ایک تعزیتی تقریر میں کہا:

"مرحوم اعلیٰ پایہ کے جنرل تھے اور نہ صرف پاکستان میں بلکہ دوسرے برادر ملکوں میں ان کا نام بڑی عزت سے لیا جاتا تھا۔"

اس موقع پر اس وقت کے چیف آف آرمی سٹاف لیفٹیننٹ جنرل عبدالحمید خان نے کہا: "لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک ایک عظیم سپاہی، ایک عمدہ کمانڈر بہترین منصف اور شریف النفس انسان تھے۔"

(روزنامہ نوائے وقت 26 اگست 1969ء)

اس کے علاوہ تمام سول و فوجی حکام نے اپنے بیانات میں انہیں خراج تحسین پیش کیا اور تمام قوم نے اپنے گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ آپ کی ضعیف والدہ نے جس صبر و تحمل کا مظاہرہ کیا وہ خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ آپ کی 70 سالہ والدہ کو جب لوگوں نے دلاسہ دینے کی کوشش کی تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگ گئی اور بیٹے کی میت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا:

"جا اللہ دے حوالے کیتا ایہ اللہ دی رضا سی" (جا میں نے تجھے اللہ کے حوالے کیا یہی اللہ کی مرضی تھی)



لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک

ستمبر 1965ء میں چونڈہ (سیالکوٹ) کے محاذ پر ٹینکوں کی جو لڑائی ہوئی اسے دوسری جنگ عظیم کے بعد ٹینکوں کی دوسری بڑی جنگ قرار دیا گیا ہے۔ لیفٹیننٹ جنرل عبدالعلی ملک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انہوں نے ٹینکوں کی دوسری بڑی جنگ میں پاکستانی فوج کی قیادت کی۔

چونڈہ کے اس محاذ پر پاک فوج کی تعداد دشمن کی تعداد کے مقابلے میں کئی گنا کم تھی۔ لیکن اس کے باوجود وطن عزیز کے اس مایہ ناز سپوت کی قیادت میں پاکستانی مجاہدین نے دُشمن پر جرأت و بہادری سے پے در پے حملے کئے۔ جس کے نتیجے میں دُشمن کی افواج اور فخر ہند ٹینک رجمنٹ میدان چھوڑ کر بھاگ گئی۔ بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کے اس کارنامے کو نہ صرف پاکستان بلکہ دنیا بھر میں خراج تحسین پیش کیا گیا۔ بریگیڈیئر عبدالعلی ملک کو ان کی شجاعت و بہادری کے اعتراف میں افواج پاکستان کا دوسرا اعلیٰ ترین اعزاز "ہلال جرات" دیا گیا۔

روزنامہ امروز لاہور نے آپ کے اس بے مثال کارنامے کو یوں سراہا۔

"میجر جنرل عبدالعلی ملک ان (لیفٹیننٹ جنرل اختر حسین ملک۔ ناقل) کے چھوٹے بھائی ہیں۔ انہوں نے چونڈہ کے محاذ پر ٹینکوں کی عظیم جنگ میں پاکستانی فوج کی کمان کی اور ایسے کارنامے انجام دیئے کہ تاریخ حرب کے ماہرین حیران و ششدر رہ گئے۔ اس وقت موصوف بریگیڈیئر تھے۔ انہیں بھی بڑے بھائی کی طرف ہلال جرأت ملا۔" (امروز لاہور 23 اگست 1968)

دسمبر 1971ء کو جب پاکستان پر دوبارہ حملہ ہوا تو اس وقت آپ کو شکر گڑھ کے محاذ پر ایک دفعہ پھر وطن کی حفاظت کیلئے لڑنے کا موقع ملا۔ چنانچہ آپ نے وہاں ڈویژنل کمانڈنگ آفیسر کی حیثیت سے اپنی خدمات انجام دیں۔

میجر جنرل افتخار جنجوعہ



میجر جنرل افتخار جنجوعہ پاکستانی افواج کے ان جانبازوں میں سے تھے جن کا نام ہمیشہ زندہ رہے گا۔ آپ نے 1965ء کی جنگ میں رن کچھ کے محاذ پر وطن کا بے جگری کے ساتھ دفاع کرتے ہوئے دُشمن کو پیچھے ہٹنے پر مجبور کر دیا۔ اگر چہ پورے محاذ کی کمان میجر جنرل ٹکا خان کر رہے تھے لیکن فی الحقیقت جس بریگیڈیئر نے اس محاذ پر سب سے اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس کی کمان بریگیڈیئر افتخار جنجوعہ کے ہاتھ میں تھی۔ بریگیڈیئر افتخار جنجوعہ نے اس بے جگری اور جرأت کا مظاہرہ کیا کہ اپنی طاقت پر نازاں دُشمن کو پیچھے ہٹنا پڑا۔ افتخار جنجوعہ نے اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اگلی صفوں میں جنگ لڑی جس کے نتیجے میں آپ زخمی ہو گئے۔ صدر پاکستان نے اس شجاعت و جرأت کے اعتراف میں انہیں ہلال جرأت کا اعزاز دیا۔

1965ء کے بعد 1971ء میں بھی جنرل افتخار جنجوعہ نے اپنی بے مثال جرأت و بہادری کا مظاہرہ کیا اور وطن پر جان قربان کر دی۔ جنرل افتخار جنجوعہ کو آخری لمحات میں جب ہسپتال لے جایا جا رہا تھا تو آپ نے جو آخری الفاظ کہے وہ یہ تھے۔ ''میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ مجھے شہادت کا رتبہ مل گیا۔'' آپ کی انہی خدمات کے اعتراف میں چھمب کا نیا نام ''افتخار آباد'' رکھ دیا گیا۔

اس مضمون کی تیاری میں جن اخبارات ورسائل سے مدد لی گئی

(1) روزنامہ جنگ کراچی 26 اگست 1969ء

(2) اخبار خواتین 12 اگست 1969ء صفحہ 24

(3) ماہنامہ مصباح ستمبر 1999ء

(4) روزنامہ امروز 23 اگست 1968ء

(5) روزنامہ نوائے وقت 26 اگست 1969ء

❁❁❁❁❁❁❁❁

عاشق سَچیاں دی دنیا ہور ہوندی



(منیر باجوہ)

اج عشق دی گُونج اے ہر پاسے پر ایعشق نبھانودا کوئی کوئی
نعرے عشق دے جاّن آسمان تائیں دلوں عشق کمانودا کوئی کوئی

اج دِین دے نام تے مرجاناں اے شور اے چار چوفیریوں جی
خاطر دِین دی دلوں قربان ہو کے اج گردن کٹانودا کوئی کوئی

اَگاں دِین دے نام تے ہر پاسے اے لان نوں ہَین تیار سارے
درد خلقت دا دل وچ لے کے تے اے اَگ بُجھانودا کوئی کوئی

آڑ دِین دی لے کے دَھن دولت جمع کرن نوں ہَین تیار سارے
اپنی جان تے مال لُٹا کے تے وفا نال نبھانودا کوئی کوئی

ہر پاسیوں تابڑ توڑ حملے قدم صِدق داوِچوں اُٹھا کیتے
سینہ سَپر ہو کجھنڈا دِین والا سب توں اُچا اُڑانودا کوئی کوئی

ہر قدم تے موت اے منہ کھولے جِند تلی تیخوب سجا کے تے
حق سَچ دے ایس پیغام نوں اج کونے کونے پہنچانودا کوئی کوئی

زنجیر ظالماں ہتھوں پُوا کے تے سمجھ یار دا زیور انجُم لینا
پہن بیڑیاں نگ نُکیل پا کے خوشی نال چھنکانودا کوئی کوئی

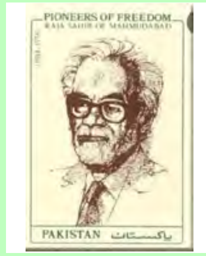
عاشق سَچیاں دی دُنیا ہور ہُندی ہر موت قبول اے یار خاطر
سَچ دَھج نال مقتل نوں جا کے تے سنگسار ہو جانودا کوئی کوئی

جیہدے عشق وِچ جان قربان کیتی اوہدی پاک زبان توں ہووے جاری
تیرے اُتے ہزاراں رحمتاں نے اے دعا وی پانودا کوئی کوئی

جنھوں رب اس خدمت لئی چُن لیندا اوہدی شان جہان توں وَکھری اے
ہَر ہَر قدم تے کیندا میں نال تیرے اے بُرہان وی پانودا کوئی کوئی

جے منیؔر اطاعت وچ ڈُب جاوے بڑے بڑے نیک فیرا وہدے نصیب یارو
اوہدے فضلاں دے نال توفیق پا کے اے چاکری پانودا کوئی کوئی

❁❁❁❁❁❁❁❁



راجہ صاحب محمود آباد، قائداعظم اور سرظفراللہ خان

آصف جیلانی مرسلہ مکرم کولمبس خان ۔ مہدی آباد۔جرمنی

2021/09/01 آصف جیلانی

راجہ صاحب محمود آباد 1931 سے آل انڈیا مسلم لیگ کے پرچم تلے پاکستان کی تحریک کے ممتاز رہنما تھے۔یہی نہیں ان کے خاندان کے قائداعظم محمد علی جناح سے بے حد قریبی تعلقات تھے۔قائداعظم کی شادی پر ان کی دلہن رتی بائی کو راجہ صاحب کے والد مہاراجہ سرمحمد علی محمد خان نے قیمتی انگوٹھی کا تحفہ دیا تھا۔

راجہ صاحب محمود آباد نے،قیام پاکستان سے پہلے 1945 میں ترک وطن کر کے عراق میں سکونت اختیار کر لی تھی،1954 میں پاکستان میں مختصر قیام کے بعد وہ لندن منتقل ہو گئے تھے۔یہاں انہیں لندن کے اسلامک ثقافتی مرکز کا پہلا ڈائرکٹر مقرر کیا گیا۔سن ستر کے اوائل میں راجہ صاحب سے پاکستان کی تحریک اور خاص طور پر ان کے اور ان کے خاندان کی قائداعظم سے قربت کے بارے میں بات چیت ہو رہی تھی ۔ میں نے راجہ صاحب سے پوچھا کہ قائداعظم پاکستان کو کس نوعیت کی مملکت بنانے کے خواہش مند تھے۔میرے سوال پر راجہ صاحب نے لمبی گہری سانس لی، مجھے ایسا لگا کہ یہ گہری سانس وقت کی سرحدیں پھلانگ کر انہیں قائداعظم کی زندگی کے دور تک لے گئی ہے۔ وہ سامنے وسیع ریجنٹ پارک کے آسمان کی طرف جس طرح دیکھ رہے تھے، یوں محسوس ہوتا تھا کہ وہ اپنی پرانی یادوں کو تلاش کر رہے ہیں۔

اچانک انہوں نے میری طرف دیکھا اور کہا کہ میں آپ کو نہایت اہم واقعہ بتاتا ہوں۔کہنے لگے جنوری 1941 کی بات ہے میرے والد حیات تھے، ان کی صدارت میں محمود آباد میں مسلم لیگ کا جلسہ ہو رہا تھا۔قائداعظم ان کے برابر بیٹھے تھے۔

راجہ صاحب نے کہا کہ جب میری تقریر کی باری آئی تو میں نے دھواں دھار تقریر شروع کی کہ پاکستان میں اسلامی شرعی ریاست قائم ہوگی جو ساری دنیا کے لئے اسلامی ریاست کا نمونہ ثابت ہوگی۔

راجہ صاحب نے کہا کہ میں ہکا بکا رہ گیا جب تقریر کے دوران جناح صاحب نے بڑے زور سے میرا ہاتھ پکڑ لیا اور مجھے تقریر کرنے سے روک دیا۔ کہنے لگے کہ یہ ہرگز مسلم لیگ کا موقف نہیں ہے ۔ ہم پاکستان کو ہرگز Theocratic Sate ،مذہبی مملکت نہیں بنانا چاہتے ہیں۔

ایک طویل وقفہ کے بعد راجہ صاحب نے کہا کہ اس وقت میری عمر سترہ سال تھی، پاکستان کے قیام کے مقصد کے بارے میں قائداعظم کے اس بیان نے مجھے ہلا کر توڑ رکھ دیا لیکن اس کی بدولت مجھے قائد کے سیاسی فلسفہ اور ان کی منزل مقصود کے بارے میں ادراک میں مدد ملی۔ راجہ صاحب کہنے لگے کہ قائداعظم دراصل برصغیر کے مسلمانوں کے لئے ایک علیحدہ ریاست حاصل کرنا چاہتے تھے اور ان کا موقف تھا کہ اس ریاست کے حصول کے بعد پاکستان کے عوام یہ طے کریں گے کہ وہ کس نوعیت کا آئین اور نظام رائج کرنا چاہتے ہیں۔ راجہ صاحب کا کہنا تھا کہ قائد کو اس بات کا پورا احساس تھا کہ پاکستان میں اگر شریعت کے نفاذ کی بات کی گئی تو سوال یہ پیدا ہوگا کہ کون سی شریعت۔ پھر کس فقہ کی شریعت ، یوں ایک پنڈورہ بکس کھل جائے گا اور پاکستان ایسی دلدل میں دھنس جائے گا جس سے نکل کر اسے ترقی کی راہ پر چلنا محال ہو جائے گا۔

راجہ صاحب اس موضوع پر تفصیل سے لکھنے کا ارادہ رکھتے تھے لیکن زندگی نے ساتھ نہ دیا اور محض اٹھاون برس کی عمر میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

چوہدری سرظفراللہ خان، احمدی جماعت کے ممتاز رکن تھے۔ان کے والد چوہدری نصراللہ، احمدی جماعت کے بانی مرزا غلام احمد کے قریبی ساتھی تھے۔ قائداعظم کی ایما اور اصرار پر سرظفراللہ خان نے 1930 میں مسلم لیگ میں

شمولیت اختیار کی تھی اور 1931 اور 1932 میں مسلم لیگ کے صدر رہے۔

1935 سے 1945 تک قائداعظم کی آشیر باد اور خواہش کے مطابق، سر ظفر اللہ وائسرائے کی ایگزیکٹو کاونسل میں مسلمانوں کے نمائندہ کی حیثیت سے فرائض انجام دیتے رہے۔ جولائی 1947 میں قائداعظم نے سر ظفر اللہ خان کو ہندوستان اور پاکستان کی سرحدوں کے تعین کے لئے ریڈ کلف کمیشن میں مسلم لیگ کی نمائندگی سونپی۔ اکتوبر 1947 میں سر ظفر اللہ خان کو اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں پاکستان کا نمایندہ مقرر کیا گیا تھا۔ اور اسی سال قائداعظم نے سر ظفر اللہ خان کو پاکستان کا پہلا وزیر خارجہ مقرر کیا۔ وزیر خارجہ کی حیثیت سے سر ظفر اللہ خان نے پاکستان کی دستور ساز اسمبلی میں مشہور تاریخی قرارداد مقاصد پر بحث میں بھر پور طور سے حصہ لیا تھا۔ اس قرارداد میں بیان کیا گیا ہے کہ اسلام میں جمہوریت، آزادی، مساوات، قوت برداشت اور سماجی انصاف کا جو نظریہ پیش کیا گیا ہے اس پر عمل کیا جائے گا۔ اور پاکستان میں اقلیتوں اور پسماندہ طبقوں کے جائز حقوق کا تحفظ کیا جائے گا۔

سر ظفر اللہ خان، لیاقت علی خان، خواجہ ناظم الدین اور محمد علی بوگرہ کی وزارتوں میں وزیر خارجہ رہے۔ اس عہدہ پر وہ 1948 سے 1954 تک فائز رہے جس کے بعد انہیں بین الاقوامی عدالت انصاف کا نائب صدر مقرر کیا گیا۔

وزیر خارجہ کے عہدہ سے سبک دوش ہونے کے بعد مارچ 1958 میں ظفر اللہ خان نے عمرہ ادا کیا۔ اس دوران وہ سعودی فرمانروا ابن سعود کے خاص مہمان تھے۔ 1967 میں سر ظفر اللہ خان نے فریضہ حج ادا کیا۔ اس دوران وہ سعودی فرمانروا شاہ فیصل کے خاص مہمان تھے۔

(بشکریہ ہم سب)

❀❀❀❀



24 پاکستان پہلا قدم اسلامستان آخری منزل

حضرت امام جماعت احمدیہ فرماتے ہیں
"پاکستان کا مسلمانوں کو مل جانا اس لحاظ سے بڑی اہمیت رکھتا ہے کہ اب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے فضل سے سانس لینے کا موقعہ میسر آگیا اور وہ آزادی کے ساتھ ترقی کی دوڑ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ اب ان کے سامنے ترقی کے اتنے غیر محدود ذرائع ہیں کہ اگر وہ ان کو اختیار کریں تو دنیا کی کوئی قوم ان کے مقابلہ میں ٹھہر نہیں سکتی اور پاکستان کا مستقبل نہایت ہی شاندار ہو سکتا ہے مگر پھر بھی پاکستان ایک چھوٹی چیز ہے ہمیں اپنا قدم اس سے آگے بڑھانا چاہیے اور پاکستان اسلامستان کی بنیاد بنانا چاہیے۔ بے شک پاکستان بھی اہم چیز ہے۔ بیشک عرب بھی ایک اہم چیز ہے۔ بے شک مصر اور ایران بھی اہم چیز ہے مگر پاکستان اور عرب اور حجاز اور دوسرے اسلامی ممالک کی ترقیات صرف پہلا قدم ہیں۔ اصل چیز دنیا میں اسلامستان کا قیام ہے۔ ہم نے پھر سارے مسلمانوں کو ایک ہاتھ پر اکٹھا کرنا ہے۔ ہم نے پھر اسلام کا جھنڈا دنیا کے تمام ممالک میں لہرانا ہے ہم نے پھر محمد رسول اللہ ﷺ کا نام عزت اور آبرو کے ساتھ دنیا کے کونے کونے میں پہنچانا ہے۔ ہم نے اسلام کو اسکی پرانی شوکت پر قائم کرنا ہے۔ اور ہم نے عدل و انصاف پر مبنی پاکستان کو اسلامک یونین کی پہلی سیڑھی بنانا ہے۔ یہی اسلامستان ہے جو دنیا میں حقیقی امن قائم کرے گا اور ہر ایک کو حق دلائے گا جہاں روس اور امریکہ فیل ہوا صرف مکہ اور مدینہ ہی انشاء اللہ کامیاب ہوں گے"
(23 مارچ 1956)

غزل



ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔ لندن

ہم اُس کے لئے کب دنیا کے احسان اُٹھائے پھرتے ہیں
ہم تو اس نور کی مشعل کو گھر گھر میں جلائے پھرتے ہیں

قرباں کر کے سب آشائیں اور اپنے سارے جذبوں کو
اِس دل میں اُسی سے ملنے کے ارمان سجائے پھرتے ہیں

کس کس نے دل رنجور کیا، زخموں سے سینہ چُور کیا
اپنوں سے ہم کو دور کیا، گھر بار لُٹائے پھرتے ہیں

ہم نے تو کبھی شکوہ نہ کیا، آنسو بھی لئے، سجدوں میں بہا
ہم کو تو وہی کافی ہے رہا، باقی تو پرائے پھرتے ہیں

جان اس نے دی سو اس کی ہوئی، منزل تو پائی ہم نے بھی
ہم دین کی خاطر کب ساری، دنیا ٹھکرائے پھرتے ہیں

گر چاک گریباں ہو نہ سکا، لیلیٰ کو نہیں شکوہ ہم سے
مجنوں تو نہیں پر عاشق سے، حالات بنائے پھرتے ہیں

ہم اپنے وطن کی باتیں اب پردیس میں بیٹھے کس سے کریں
ہم کیا بتلائیں درویشوں کو کون ستائے پھرتے ہیں

طارق اک تیرے کہنے سے ہو گا بھی اگر تو کیا ہو گا
کچھ اور بڑھیں گے ان کے ستم جو ہم پر ڈھائے پھرتے ہیں

❀❀❀❀

❀❀❀



18 سر خضر حیات وزارت کے استعفیٰ میں جماعت کا کردار

مسلم لیگ کی کامیابی کے بعد پاکستان بننے میں سب سے بڑی روک خضر حیات کی پنجاب یونینسٹ پارٹی کی حکومت تھی جسکے اکثر ممبر ہندو اور سکھ تھے ظاہر ہے وہ پاکستان کا ساتھ نہ دیتے۔ اور پنجاب کے بغیر پاکستان نہ بنتا۔ چنانچہ مسلم لیگ نے ایک وفد سر خضر حیات کے پاس بھیج کر کوشش کی کہ وہ حکومت سے دستبردار ہو جائیں مگر کامیابی نہ ہوئی پھر مسلم لیگ نے تحریک عدم تعاون چلائی مگر کامیابی نہ ہوئی اس آڑے وقت میں ایک بار پھر امام جماعت احمدیہ کے ایماء پر سر ظفر اللہ خانصاحب نے موثر کوشش کی اور خضر حیات کو منانے میں کامیاب ہو گئے۔ امام جماعت احمدیہ نے 2 مارچ کو قائداعظم کو تار بھیجا کہ آج آپ ایک خوشخبری سنیں گے چنانچہ اسی شام خضر حیات نے استعفیٰ پیش کیا۔ اخبار ٹریبون نے 5 مارچ کو لکھا "معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ خضر حیات خانصاحب نے یہ فیصلہ سر ظفر اللہ خان کے مشورہ اور ہدایت کے مطابق کیا ہے" جب مولانا درد صاحب قائد سے ملے تو انہوں نے بہت شکریہ ادا کیا کہ جماعت ہمیشہ اڑے وقت کام آتی ہے فرمایا I can never forget it

(قیام پاکستان اور جماعت احمدیہ :50)



ستمبر 1974 کا فیصلہ

جمیل احمد بٹ



7 ستمبر 1974ء کو ملکِ عزیز میں عددی اکثریت کے بل پر دنیوی اغراض کے لئے کئے جانے والا اسمبلی کا فیصلہ درج ذیل وجوہ سے بے حقیقت تھا اور ہے۔

1۔ بلا اختیار (without jurisdiction:)

قرآن کریم نے دینی معاملات میں فیصلہ کا اختیار کسی اسمبلی کو نہیں دیا بلکہ یہ حکم دیا کہ

فَاِنۡ تَنَازَعۡتُمۡ فِیۡ شَیۡءٍ فَرُدُّوۡهُ اِلَی اللّٰهِ وَ الرَّسُوۡلِ (نساء 60:4)

ترجمہ: اگر تم کسی امر میں اختلاف کرو تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو۔

اسی طرح فرمایا:

اَفَغَیۡرَ اللّٰهِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا وَّ هُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡکُمُ الۡکِتٰبَ مُفَصَّلًا (انعام 115:6)

ترجمہ: (تو کہہ دے کہ) کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور فیصلہ کرنے والا ڈھونڈوں حالانکہ وہی ہے جس نے تم پر کھلی کتاب اتاری ہے۔

اور یہ اصول ٹھہرایا ہے کہ بین المذاہب جھگڑوں کا فیصلہ اللہ ہی کرے گا اور ایسا قیامت کے دن ہوگا۔ جیسا کہ فرمایا:

اِنَّ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا وَ الَّذِیۡنَ هَادُوۡا وَ الصّٰبِـِٕیۡنَ وَ النَّصٰرٰی وَ الۡمَجُوۡسَ وَ الَّذِیۡنَ اَشۡرَکُوۡۤا ٭ۖ اِنَّ اللّٰهَ یَفۡصِلُ بَیۡنَهُمۡ یَوۡمَ الۡقِیٰمَةِ (حج 18:22)

ترجمہ: یقیناً جو لوگ ایمان لائے اور جو لوگ یہودی بن گئے اور صابی اور نصرانی اور مجوسی اور وہ لوگ جنہوں نے شرک کیا اللہ یقیناً ان کے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کر دے گا۔

پس کسی اسمبلی کا اس معاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا قرآنی تعلیمات کی کھلی خلاف ورزی تھی۔

2۔ اہلیت نہ ہونا (incompetency):

وہ اراکین اسمبلی جنہوں نے یہ فیصلہ کیا دینی علم اور کردار کے لحاظ سے ایسا فیصلہ کرنے کے اہل نہ تھے۔ ضیاء الحق حکومت نے ان حضرات کے بارے میں جو قرطاس ابیض شائع کیا اس میں ان میں سے بیشتر کو خائن، راشی، جھوٹا، بد معاملہ، بدعنوان، شرابی، زانی، اغوا میں ملوث، رسہ گیر، اسمگلر اور تخریب کار بتایا گیا۔ اس اسمبلی کا سربراہ چند سال بعد ملکی قانون کے تحت قتل کا مجرم قرار پا کر تختہ دار کا سزاوار ہوا۔ اور اس اسمبلی کے لاٹ مولوی مفتی محمود صاحب وہ تھے جن کی وطن دوستی کا پردہ اس وقت فاش ہو چکا تھا جب سقوط مشرقی پاکستان کے موقع پر انہوں نے فخریہ اعلان کیا تھا کہ ’خدا کا شکر ہے کہ ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہ تھے‘۔ کیا یہ لوگ دینی فیصلہ کرنے کے اہل تھے اور اہلیت نہ رکھنے والے ایسے لوگوں کے کئے گئے فیصلہ کی حیثیت کیا ٹھہرتی ہے؟

3۔ سیاسی کھیل:

حقیقت یہ ہے کہ ربوہ اسٹیشن پر طلبہ کی ہلڑ بازی سے لے کر دوسری آئینی ترمیم کی منظوری تک یہ سارا معاملہ ایک سیاسی کھیل تھا۔ جس میں مولوی اپنی دانست میں بھٹو صاحب کو استعمال کر کے اپنے دیرینہ منصوبہ کو پورا کر رہے تھے اور دوسری طرف خود بھٹو صاحب مولویوں کے کندھوں پر سوار اپنے اقتدار کو ہمیشگی دینے کے خواب دیکھ رہے تھے۔

اسی پس منظر میں ان کا خیال تھا کہ آئین میں اس ترمیم کا جو کریڈٹ حکومت کو ملنا چاہئے تھا وہ انہیں نہیں ملا ان کو شکایت تھی کہ۔۔۔ مولوی لوگ زبردستی اس کا سہرا اپنے سر باندھ رہے ہیں۔ (اور لائن کٹ گئی از کوثر نیازی صفحہ 15۔16 جنگ پبلیکیشنز فروری 1987ء)

اس ترمیم کی سیاسی بنیاد کا اعتراف الطاف حسین قریشی صاحب نے بعد میں ان الفاظ میں کیا ’جناب بھٹو صاحب نے مذہبی جذبہ کے تحت قادیانیوں کو غیر

مسلم قرار نہیں دیا تھا پھر کیا وہ ایک سیاسی فیصلہ تھا؟ واقعات اس کٹھن سوال کا جواب اثبات میں دیتے ہیں'۔

(اردو ڈائجسٹ لاہور مارچ 1976ء)

4۔آنحضرت ﷺ کی فرمودہ مسلمان کی تعریف کے مخالف:

آں حضرت ﷺ نے کسی شخص کے مسلمان قرار دئے جانے کے لئے اس کا کلمہ پڑھنا کافی سمجھا اور اس بدظنی کو کہ یہ پڑھنے والا دل میں کوئی اور خیال رکھتا ہے آپؐ نے سختی سے رد فرمایا جیسا کہ آپ ﷺ نے حضرت اسامہؓ پر اس وقت سخت ناراضگی کا اظہار فرمایا جب انہوں نے کلمہ پڑھ لینے والے ایک شخص کو یہ کہہ کر قتل کر دیا کہ اس نے یہ دل سے نہیں پڑھا تھا۔اس موقع کا درج ذیل مکالمہ اس باب میں یقیناً حرف آخر ہے۔

فرمایا'اے اسامہ!تم نے اسے کلمہ توحید پڑھ لینے کے باوجود قتل کر دیا؟ انہوں نے عرض کی اے اللہ کے رسول اس نے ہتھیار کے ڈر سے ایسا کہا تھا۔تو آپ نے فرمایا 'افلا شققت عن قلبه حتى تعلم اقالها ام لا' کہ کیا تو نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا کہ اس نے دل سے کہا یا نہیں؟ آپ ﷺ بار بار یہ بات دہراتے تھے'۔

(بخاری کتاب المغازی باب اسامہ بن زید)

ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے مسلمان کی یہ تعریف فرمائی

'من صلى صلوتنا و استقبل قبلتنا و اكل ذبيحتنا فذالك المسلم الذى له ذمة الله و ذمة رسول الله'

(صحیح بخاری کتاب الصلوۃ)

ترجمہ: جو شخص بھی ہمارے قبلہ کی طرف منہ کر کے ہماری طرح نماز پڑھے اور ہمارا ذبیحہ کھائے پس وہ مسلمان ہے اور اسے خدا اور اس کے رسول کی حفاظت حاصل ہے۔

اس دوسری ترمیم کے ذریعہ یہ اعلان کیا گیا کہ گویا آں حضرت ﷺ کے ارشاد، آپؐ کی سنت اور آپؐ کی بیان فرمودہ مسلمان کی تعریف درست نہ تھی اور اب گویا اسکی اصلاح کرتے ہوئے مسلمان ہونے کے لئے نئی شرائط کا اضافہ کیا گیا ہے۔نعوذ باللہ

5۔ریاستِ مدینہ کے آئین کے خلاف:

مدینہ میں پہلی اسلامی ریاست قائم ہوئی جس کے سربراہ خود حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ تھے۔آپ ﷺ نے انتظام حکومت کے ضروریات کے تحت مردم شماری کا حکم دیا۔پوچھا گیا کسے مسلمان شمار کیا جائے؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا:

'اكتبوا الى من تلفظ بالاسلام من الناس'

(صحیح بخاری کتاب الجہاد)

ترجمہ: لوگوں میں سے جو زبان سے اسلام کا اقرار کرنے والے ہیں انہیں میرے لئے شمار کرو۔

ارشاد رسول ﷺ سے ہمیشہ کے لئے طے شدہ اس اصول کے برعکس اس دوسری ترمیم کے تتبع میں آج اسلامی جمہوریہ پاکستان میں مسلمان ہونے کا زبانی اقرار نا کافی سمجھا گیا ہے اور یوں گویا عملاً یہ اعلان کیا جاتا ہے کہ آں حضرت ﷺ کا فرمودہ اور سنت درست نہ تھا اب اس میں اصلاح کر دی گئی ہے۔نعوذ باللہ

6۔اعلان تکمیل دین کے مخالف:

آنحضرت ﷺ کی تعلیم کے مطابق ابتدائے اسلام سے مسلمان ہونے کے لئے یہ طریق رہا ہے کہ کلمہ طیبہ پڑھا جائے اور گواہی دی جائے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمدؐ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔یہی طریق اب بھی تمام امت مسلمہ میں جاری ہے تاہم دوسری ترمیم کے بعد پاکستان میں مسلمان قرار پانے کے لئے نئی شرائط والے ایک حلف نامے پر دستخط ضروری ہیں اور یہاں کلمہ طیبہ اور کلمہ شہادت کا پڑھنا مسلمان ہونے کے لئے نا کافی قرار دیا گیا ہے اور یوں ان سب مسلمانوں کے اسلام کی نفی کر دی گئی ہے جو گزشتہ پندرہ سو سالوں میں صرف یہی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہوئے۔

یہ جراءت اس لحاظ سے بھی قابل فکر ہے کہ قرآن کریم تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ (مائدہ 4:5)

ترجمہ: آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا۔

لیکن اس کے برخلاف اس فیصلہ کے کرنے والوں اور اس پر اصرار کرنے والوں کے نزدیک مسلمان ہونے کا طریق صدیوں بعد اس دوسری ترمیم کے ذریعہ طے ہوا۔گویا سارے درمیانہ عرصہ میں اسلام نامکمل رہا؟

7۔آنحضرت ﷺ کی ایک اور پیشگوئی کا ظہور:

دوسری ترمیم کے ذریعہ قرآن کریم اور آنحضرت ﷺ کی سنت کے بارے میں شکوک پیدا کرنے کی یہ کوشش ارباب اقتدار نے اپنے مفاد دیکھتے ہوئے اس گروہ کے مطالبہ پر اور اقتدار پر اپنی گرفت مضبوط رکھنے کے لئے اسے اپنے ساتھ ملائے رکھنے کے لئے کی جس کا روزگار مذہب کے نام پر سیاست کرنا ہے گو ان پر علمائے دین کا لیبل لگا ہوا ہے۔ تنگ نظری، عدم رواداری اور تشدد ان کا طریق ہے اور حکومت کو دبائے رکھنے کے لئے جلسے، جلوس، مظاہرے اور فتوے جن کا ہتھیار ہے۔

ان علماء کے اس منفی کردار کو دیکھ کر ہر اہل نظر کی توجہ درج ذیل پیش خبریوں کی طرف جاتی ہے جو آں حضرت ﷺ نے اس زمانے کے ان مولویوں کے بارے میں فرمائی تھیں:

علماء ھم شر من تحت ادیم السماء من عندھم تخرج الفتنتہ وفیھم تعود (مشکوۃ کتاب العلم الفصل الثالث صفحہ 38)

ترجمہ: ان کے علماء آسمان کے نیچے بسنے والی مخلوق میں سے بدترین مخلوق ہوں گے ان ہی سے فتنے اٹھیں گے اور انہی میں لوٹ جائیں گے۔

تکون فی امتی فزعۃ فیصیر الناس الی علماءھم فاذاھم قردۃ وخنازیر (کنز العمال صفحہ 190 / 7)

ترجمہ: میری امت پر ایک زمانہ اضطراب و انتشار کا آئے گا لوگ اپنے علماء کے پاس رہنمائی کی امید سے جائیں گے تو وہ انہیں بندروں اور سؤروں کی طرح پائیں گے۔

8۔توہینِ رسالت اور توہینِ قرآن:

مندرجہ بالا آیات اور احادیث کی روشنی میں اس دوسری ترمیم اور اس کے تحت شناختی کارڈ اور پاسپورٹ کے لئے مجوزہ فارموں پر مسلمان ہونے کے حلف نامے خود اپنی ذات میں توہین رسالت بھی ہیں اور توہین قرآن بھی۔ پھر اس ترمیم کے تتبع میں 1984ء میں نافذ کئے جانے والے ظالمانہ قوانین اور ان پر عمل درآمد کے لئے خدا کے گھروں سے اللہ اور رسول کے نام کو بالجبر مٹانے اور بعض دفعہ اس عمل کی قانون کے نگہبانوں کو اپنی نگرانی میں جمعداروں کے ذریعہ سرانجام دہی اللہ اور رسول کے ناموں کی ایک شرمناک توہین ہے۔

اس فیصلہ کے بعد سے پاکستان پر خوف اور بدامنی کے گہرے سائے مسلط ہیں ہر روز اخبارات اندوہناک خبروں سے بھرے ہوتے ہیں ہر دن گزشتہ دن سے خراب چڑھتا ہے اور ہر میدان میں ملک مسلسل زوال پذیر ہوتا چلا جارہا ہے کیا یہ سب اس توہین کے نتیجہ میں اترنے والا عذاب الٰہی نہیں؟

9۔ماضی کی ناکام کوششوں کی مانند:

کسی اسمبلی کا اپنی حد سے تجاوز کر کے کسی مذہبی نقطہ نظر اور اس کے ماننے والوں کے بارے میں دوسری ترمیم کی شکل کا فیصلہ کوئی پہلی دفعہ نہیں ہوا۔ مذہبی تاریخ میں پہلے بھی کئی بار قوموں کے بڑوں نے باہم اتفاق کر کے طاقت کے زعم میں اختلاف عقیدہ کے جرم میں چھوٹی جماعتوں کے خلاف سزا دہی کے فیصلے کئے ہیں۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں جلانے کا فیصلہ نمرود کی مشاورتی مجلس کا تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو صلیب پر لٹکانے کا فیصلہ فلسطین میں قیصر کے نمائندوں نے کیا۔ آنحضرت ﷺ اور ان کے اصحاب کے معاشرتی بائیکاٹ اور شعب ابی طالب میں نظر بندی کا فیصلہ سرداران مکہ کی مجلس نے کیا اور ایسی ہی ایک مجلس نے ہجرت سے قبل آنحضرت ﷺ کو قتل کر دینے کے فیصلہ پر بھی جرأت کی۔

کمیٹیوں، جرگوں اور اسمبلیوں کے ان فیصلوں کے رد میں خدائی تقدیر کس طرح ظاہر ہوئی یہ بھی تاریخ کا ہر طالب علم جانتا ہے۔ حضرت ابراھیم علیہ السلام، حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آنحضرت ﷺ کی عظمتِ شان پر ان فیصلوں سے ذرہ برابر فرق نہ پڑا۔ ہاں نمرود اور اس کے ساتھی، یہودی فریسی اور سرداران قریش جس بدانجام سے دوچار ہوئے یہ سب کے سامنے ہے۔

پاکستان میں بھی دوسری ترمیم کا سہرا اپنے سر باندھنے والے اور اس پر عمل درآمد کے لئے 1984ء میں آرڈیننس نافذ کرنے والوں کا انجام اہل نظر کے لئے مقام عبرت ہے۔

10۔مثبت پہلو:

اس دوسری ترمیم کا ایک مثبت پہلو بھی ہے۔

اس ترمیم کی منظوری پر اخبارات میں یہ خبر اس اظہار کے ساتھ شائع ہوئی کہ امت کے بہتر فرقوں نے اتفاق رائے سے احمدیوں کے خلاف فیصلہ کر دیا ہے اور اس اتفاق پر بڑی خوشی اور مسرت کا اظہار بھی ہوا مثلاً اخبار نوائے وقت نے زیرِ عنوان 'بہتر فرقوں کا اجماع' اپنی رائے کا اظہار کیا اور لکھا:

'اسلام کی تاریخ میں اس قدر پورے طور پر کسی اہم مسئلہ پر کبھی اجماع امت نہیں ہوا.................قادیانی فرقہ کو چھوڑ کر جو بھی 72 فرقے مسلمانوں کے بتائے جاتے ہیں سب کے سب اس حل پر متفق اور خوش ہیں'۔

(نوائے وقت 6 اکتوبر 1974ء)

72 اور ایک کی اس تعیین سے آنحضرت ﷺ کی ایک اور پیشگوئی پوری ہوگئی جس کے الفاظ یہ ہیں۔

'ان بنی اسرائیل تفرقت علیٰ ثنتین و سبعین ملته و تفترق امتی علیٰ ثلاث وسبعین ملة کلهم فی النار الا ملة و احدة ، قالوامن هی یا رسول الله؟ قال: ما انا علیه و اصحابی' (ترمذی کتاب الایمان 2/89)

ترجمہ: بنی اسرائیل 72 فرقوں میں بٹ گئے تھے اور میری امت 73 فرقوں میں بٹ جائے گی لیکن ایک فرقہ کے سوا سب جہنم میں جائیں گے۔ صحابہ نے پوچھا یہ ناجی فرقہ کون سا ہے۔ تو حضور نے فرمایا وہ فرقہ جو میری اور میرے صحابہ کی سنت پر عمل پیرا ہوگا۔

اس پیشگوئی کی وضاحت میں مولوی مودودی صاحب نے لکھا تھا:

'اس حدیث میں اس جماعت کی دو علامتیں نمایاں طور پر بیان کر دی گئی ہیں ایک تو یہ وہ آں حضرت ﷺ اور آپ کے صحابہ کے طریق پر ہوگی اور دوسری یہ کہ نہایت اقلیت میں ہوگی۔

(ترجمان القرآن جنوری فروری 1945ء صفحہ 176)

یہ بوالعجبی بہرحال اپنی جگہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے تو یہ فرمایا تھا کہ 72 غلط ہوں گے اور ایک درست اور یہاں قوم کو اس بات سے بہلایا گیا ہے کہ 72 صحیح ہیں اور ایک غلط!

❁❁❁❁



''شانِ وطن''

(منیر باجوہ)

اے وطن ہے اونچی شان تیری سب دنیا کے درباروں میں
ہم شہری نہیں ہیں فقط تیرے شامل ہیں تیرے معماروں میں

مارچ کی تیئس تاریخ تھی اور سن اُنیس سو چالیس
قائد کی زیرِ صدارت ہوا فیصلہ جانثاروں میں

قرارداد متفقہ پاس ہوئی بنیاد تِرے بنانے کی
لکھی تھی ظفراللہ خان نے جو، وفادار تھا وفا شعاروں میں

رَگ رَگ میں تیری محبت ہے سانسوں میں رَچی ہے خوشبو تیری
ہرروز عنادل گاتے ہیں کیا نغمے تیرے گلزاروں میں

مولا نے اپنی قدرت سے اَن گنت خزانے تجھ کو دیئے
یاں سونے چاندی کے گوہر ہیں دفن تیرے کوہساروں میں

اُس ہاتھ کے ٹکڑے کر دینگے اُٹھے جو تجھے مٹانے کو
تیرا دشمن سدا نا کام رہے مَرے حسرت سے ارمانوں میں

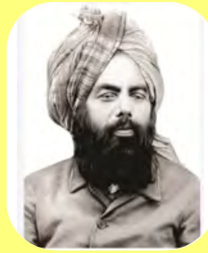
سائنس ہو فوجی خدمت ہو یا کھیتوں کی ہریالی ہو
تیری شان اقوامِ عالَم کے رکھیں گے بالا خانوں میں

جب تجھ پر مشکل وقت آئے ہم جان بھی تجھ پر واریں گے
کل بھی ہے پرکھا تو نے ہمیں، ہیں آج بھی تیرے دیوانوں میں

یہ عہد تجھی سے کرتے ہیں تیرا نام کرینگے ہم روشن
جیسا کہ منیؔر کیا ہم نے سب دنیا کے ایوانوں میں

❁❁❁❁

❁❁❁



نجاشی شاہ حبشہ (حضرت اصحمہ بن ابجر)



(انجینئر محمود مجیب اصغر)

واذا سمعوا ما انزل الی الرسول تری اعینهم تفیض من الدمع مما عرفوا من الحق یقولون ربنا آمنا فاکتبنا مع الشھدین (المآئدۃ:84)

ترجمہ:" اور جب خدا کے کلام کو جو اس کے رسول پر نازل ہوا ہے سنتے ہیں تب تو دیکھتا ہے کہ ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو جاتے ہیں اس وجہ سے کہ وہ حقانیت کلام الٰہی کو پہچان جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ خدایا ہم ایمان لائے ہم کو ان لوگوں میں لکھ لے جو تیرے دین کی سچائی کے گواہ ہیں''

(بحوالہ تفسیر حضرت مسیح موعود علیہ السلام جلد 4 صفحہ 51)

حضرت خلیفۃ المسیح اول نے فرمایا

''اس.... میں عیسائی حبشیوں کا ذکر ہے کہ جب صحابہ ان کے پاس ہجرت کر کے گئے اور جعفر نے قرآن سنایا تو ایسے روئے کہ گویا آنکھیں بہی جاتی ہیں۔'' (حقائق الفرقان جلد دوم صفحہ 120،121)

حبشہ اور شاہ حبشہ (نجاشی)

حبشہ اور شاہ حبشہ (نجاشی) کے بارے میں آنحضرت ﷺ کے تاریخی الفاظ اس طرح ملتے ہیں۔

''اگر تم لوگ سرزمین حبشہ کو چلے جاؤ (تو بہتر ہو) کہ وہاں کے بادشاہ کے ہاں کسی پر ظلم نہیں کیا جاتا اور وہ سچائی والی سرزمین ہے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ تمہارے لئے ان آفتوں سے جن میں تم مبتلا ہو کوئی کشائش پیدا کردے۔''

(سیرۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کامل مرتبہ ابن ہشام حصہ اول صفحہ 355)

وکیپیڈیا کے مطابق ایک ہزار ق م جنوبی عرب کے دو قبیلے حبشات اور اقغزان Red Sea (بحیرہ احمر) عبور کر کے موجودہ Ethiopia (ایتھوپیا) کے صوبے Eritrea (ارٹیریا) میں جا کر آباد ہو گئے مقامی باشندوں کے ساتھ ان کے اختلاط سے ایک نئی قوم وجود میں آئی جسے حبشان کے نام سے موسوم کیا گیا بعد ازاں عرب اس تمام علاقے کو جو Ethiopia (ایتھوپیا) میں شامل ہے حبشہ کہنے لگے

حضرت مرزا بشیر احمد صاحب نے سیرۃ خاتم النبیین میں تحریر فرمایا ہے:

". حبشہ کا ملک جو انگریزی میں ایتھوپیا یا ابی سینیا کہلاتا ہے براعظم افریقہ کے شمال مشرق میں واقع ہے... اس زمانہ میں حبشہ میں ایک مضبوط عیسائی حکومت قائم تھی اور وہاں کا بادشاہ نجاشی کہلاتا تھا.. حبشہ کا دارلسلطنت اکسوم Axum تھا جو موجودہ شہر عدوا Adowa کے قریب واقع ہے اکسوم ان دنوں بڑی طاقتور حکومت کا مرکز تھا۔''

(سیرۃ خاتم النبیین صفحہ 146)

شاہ حبشہ (Negus of Axum)

"اس وقت کے نجاشی کا ذاتی نام اصحمہ تھا جو ایک عادل بیدار مغز اور مضبوط بادشاہ تھا" (ایضاً صفحہ 146)

نجاشی شاہان حبشہ کی فہرست میں اصحمہ کا نام EllaTsaham لکھا ہوا ہے نجاشی شاہ حبشہ ابتدائی مسلمان صحابہ کے لئے غمخوار اور عظیم محسن ثابت ہوا اور ہجرت حبشہ کے بعد مسلمانوں کو وہاں بہت آرام ملا۔

ہجرت حبشہ کی مختصر روئیداد

ایک ہندو مصنف شردھے پرکاش دیوی کی کتاب ''سوانح عمری حضرت محمد صاحب'' جن کے انصاف پسندی اور حسن اخلاق اور خدا ترسی اور وسعت معلومات کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تعریف کی ہے (بحوالہ کتاب ھذا صفحہ 139) مکہ میں قریش کا مسلمانوں کو ایذائیں دینے کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں

''....مومنین کی یہ دردناک حالت دیکھ کر اور اپنے میں حفاظت اور مقابلے

کی طاقت نہ پا کر آپ نے انہیں صلاح دی کہ تم نے راہ خدا میں قدم رکھا ہے ان تکلیفوں سے نہ گھبراؤ اور اللہ کا نام لے کر ابی سینیا (Abyssinia) کی طرف ہجرت کر جاؤ... یہ جلاوطنی جسے مسلمانوں نے ہجرت کے نام سے موسوم کیا پانچویں سال نبوت مطابق 615 ء میں آئی۔ جب قریش کو یہ خبر پہنچی کہ مسلمان ملک حبشہ ہجرت کر گئے ہیں تو انہوں نے وہاں تک ان کا تعاقب کیا اور نجاشی شاہ ابی سینیا کہ خدمت میں پہنچے اور بعض کی نسبت یہ بیان کیا کہ وہ ہمارے بھاگے ہوئے غلام ہیں اور ہمیں ان کی گرفتاری کا حق حاصل ہے۔''

نجاشی کے شاہی دربار میں حضرت جعفر بن ابو طالب وضاحتی تقریر۔

شاہ حبشہ نے ان جلاوطنوں کو اپنے روبرو طلب کیا اور ان کے دشمنوں نے جو کچھ بیان کیا تھا وہ پیش کیا۔ تب جعفر بن ابی طالب جو حضرت علی کے حقیقی بھائی تھے بادشاہ کی خدمت میں آگے بڑھے اور سب کی طرف سے اپنا حال یوں بیان کیا

اے عالیجاہ شاہ! ہمارا حال یہ ہے کہ ہم جہالت اور گمراہی کے گڑھے میں گرے ہوئے تھے ہم بتوں کی پوجا کرتے تھے مردار کھایا کرتے تھے گندی فحش باتیں بکتے تھے ہم میں کوئی انسانیت کی خوبی نہ تھی خداوند تعالیٰ نے جس کا فضل سارے جہان پر چھایا ہوا ہے محمد کو کہ۔ اس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو ہمارے لئے رسول بنا کر بھیجا اس کی شرافت نسبت، راست گفتاری، صاف باطنی اور دیانت داری سے ہم خوب آگاہ ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی مرضی ظاہر فرمائی اور وہ اللہ کا یہ پیغام لے کر ہمارے پاس آیا کہ صرف ایک خدا پر ایمان رکھو اس کی ذات اور صفات میں اور کسی کو شریک نہ ٹھہراؤ بتوں کی پرستش مت کرو راست گفتاری اپنا شعار بناؤ امانت میں کبھی خیانت نہ کرو اپنے تمام ابنائے جنس سے ہمدردی رکھو پڑوسیوں کے حقوق کی نگہداشت کرو عورت ذات کی عزت کرو یتیموں کا مال نہ کھاؤ پاکیزگی اور پرہیزگاری کی زندگی اختیار کرو خدا کی عبادت کرو اس کی یاد میں کھانا پینا تک بھول جاؤ راہ خدا میں غریبوں کی مدد کے لئے خیرات کرو۔

اے بادشاہ یہ اس رسول کی تعلیم ہے ہم لوگ اس پر ایمان لائے ہیں اور اس کی تعلیم کو ہم نے قبول کر لیا ہے خاص کر اس حکم کو کہ پتھر کے بے جان بتوں کی پرستش نہ کرو بلکہ صرف خدائے واحد کی پرستش کرو صرف اس ایمان لانے پر ہمیں وہ وہ ایذائیں دی گیی ہیں کہ ہمیں بال بچے، گھر بار تک چھوڑ کر جلا وطن ہونا اور راہ غربت اختیار کرنا پڑا ہے ہمیں اپنے دیس میں کہیں پناہ نہ ملی آخر ہم سب پردیسیوں نے تیرے ملک میں آکر پناہ لی ہے۔ تیرے انصاف اور رحم سے ہمیں امید ہے کہ تو ہم غریبوں پر ظلم نہ ہونے دے گا۔''

نجاشی کی آنکھوں سے آنسو جاری ہونا

''..نجاشی پر اس کا بہت اثر ہوا...اس نے جعفر سے کہا کہ جو کلام تمہارے نبی پر اترا ہے اس میں سے بھی کچھ پڑھ کر سناؤ تب جعفر نے سورۃ مریم کی چند ابتدائی آیتیں ولادت مسیح کے باب میں پڑھ کر سنائیں اور جب وہ ان الفاظ پر پہنچے کہ اے مریم خوش ہو کر کھا پی اور اس ننھے بچے کو دیکھ کر اپنی آنکھیں ٹھنڈی کر۔ تو کلام کی خوبی، وقت کی کیفیت، صداقت کا اثر، نیک نیتی کا اثر، ان سب چیزوں نے ایک عجیب حالت طاری کر دی

نیک دل شاہ حبش کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے اور دل سوزاں

وہ بول اٹھا کہ ''یہ اسی نور کی شعائیں ہیں جس کا جلوہ موسیٰ پر ہوا تھا''

یہ کہہ کر اس نے صاف انکار کر دیا کہ یہ مظلوم قریش کے سفیروں کے حوالے نہیں کئے جا سکتے اور سفیران قریش کو ناکام رخصت کیا اور ان مومنین عرب کو نہایت خوشی سے اپنے ملک میں رہنے کی اجازت دی..''

(سوانح عمری حضرت محمد صاحب مصنفہ شردھے پرکاش دیو نرائن دت سہگل اینڈ سنز تاجران کتب اندرون لوہاری گیٹ لاہور صفحہ 4138)

حضرت خلیفۃ المسیح اول فرماتے ہیں

''.....عرفو من الحق چنانچہ نجاشی اور اس کے متبعین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات سنے تو ان کے دل گداز ہو گئے اور رونے لگے.''

(قرآن مجید مع ترجمہ وتشریح مرتبہ حضرت مولانا میر محمد سعید صاحب از درس القرآن حضرت حکیم مولوی نورالدین خلیفۃ المسیح الاول صفحہ 253)

نجاشی کی قوت ایمانی

حضرت مصلح موعود نے زیادہ وضاحت کے ساتھ یہ واقعہ تفسیر کبیر جلد پنجم میں بیان فرمایا ہے۔

''...اس پر حضرت جعفر جو رسول کریم ﷺ کے چچا زاد بھائی اور حضرت علی کے سگے بھائی تھے مسلمانوں کی طرف سے آگے بڑھے اور انہوں نے کہا اے بادشاہ! میں آپ کو اپنی مذہبی کتاب کی چند آیتیں سنا دیتا ہوں ان میں حضرت عیسٰی علیہ السلام اور ان کی والدہ کا ذکر ہے آپ کو پتہ لگ جائے گا کہ ہم ان کے متعلق کیا عقیدہ رکھتے ہیں چنانچہ انہوں نے سورۃ مریم کی چند ابتدائی آیتیں پڑھ کر سنائیں.. چونکہ عام طور پر عیسائیوں میں حضرت عیسٰی علیہ السلام کے خدا ہونے اور ان کی والدہ کے متعلق خدا کی والدہ ہونے کا خیال پایا جاتا تھا اور ایبے سینیا میں مشرکانہ خیالات زیادہ تھے اس لئے پادریوں نے شور مچا دیا کہ ہمارے مسیح کی ہتک کی گئی ہے مگر بادشاہ کا یہ مذہب نہیں تھا وہ یونیٹیرین خیالات کا تھا جو خدا تعالیٰ کو ایک مانتے ہیں اور روایات سے پتہ لگتا ہے کہ وہ بعد مسلمان بھی ہو گیا تھا۔ اس نے ایک تنکا اٹھا کر کہا خدا کی قسم جو کچھ ان آیات میں بیان کیا گیا ہے میں مسیح اور اس کی والدہ کو اس سے ایک تنکے کے برابر بھی زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس پر پادری اور زیادہ جوش میں آ گئے اور انہوں نے کہا کہ اگر آپ نے ان لوگوں کے خلاف کوئی کاروائی نہ کی تو ملک میں بغاوت ہو جائے گی..تو نجاشی کو غصہ آ گیا اور اس نے کہا میں چھوٹا تھا کہ تم نے میرے چچا سے مل کر مجھے بادشاہت سے محروم کرنا چاہا مگر میرے خدا نے میری مدد کی اور اس نے مجھے حکومت عطا فرمائی پس اگر میں بادشاہ بنا ہوں تو اس خدا کے فضل سے جس نے میرے مقابلہ میں تمہیں شکست دی اور مجھے کامیاب فرمایا کیا تم سمجھتے ہو کہ جس خدا نے میرے بچپن میں میری مدد فرمائی تھی اس خدا کو میں اب جوان ہو کر چھوڑ دوں جاؤ جو تمہارے جی میں آتا ہے کر لو میں انصاف کے معاملہ میں تمہاری کوئی بات سننے کے لئے تیار نہیں اور اس نے مکہ کے وفد کو واپس لوٹا دیا اور مسلمانوں کو عزت کے ساتھ دربار سے رخصت کیا۔''

(تفسیر کبیر جلد پنجم صفحہ 5،4)

نجاشی شاہ حبشہ کا اسلام

''ابن اسحاق کی روایت میں اس کی صراحت ہے کہ اصحمہ نجاشی نے اسلام قبول کر لیا تھا.............حضرت عمرو بن عاص کا قول ہے کہ نجاشی نے اسلام پر بیعت کی تھی... مسند امام شافعی میں (کتاب جنازہ و حدود میں) حضرت ابو ہریرہ سے مروی ہے کہ جس روز نجاشی نے وفات پائی اسی دن

غزل

منیر احمد باجوہ



آنکھ میں جب بھی عکس یار آئے
دل کے آنگن میں اک بہار آئے
چشم ساقی سے جب ملیں آنکھیں
بن پیے ہی ہمیں خمار آئے
ایک شہنائی سی دل میں بجتی ہے
یار کو ہم پہ جب پیار آئے
تیرے کوچہ کی کشش ایسی تھی
سارا جیون وہیں گزار آئے
اپنے عملوں پہ جب پڑی نظریں
ہو کے خود سے ہی شرمسار آئے
تیری چوکھٹ پہ کیا رکھیں لا کر
لے کے زخمی سا دلفگار آئے
تجھکو حسرت سے کیا ملے گا منیرؔ
دل تو قدموں میں خود ہی ہار آئے

❁❁❁❁

تحریک جدید (م۔م۔محمود)

محسن و منان کا احسان تحریک جدید
ہے خلافت کا حسین فیضان تحریک جدید
مبدء و بنیاد جس کی ہے الٰہی امر سے
مصلح موعود کا فرمان تحریک جدید
مرضی و منشاء حق کی واعظ و مناد یہ
فتح و نصرت کی قوی برہان تحریک جدید

❁❁❁❁

آنحضرت نے صحابہ کو اس کی موت کی خبر سنا دی اور سب کو عیدگاہ لے کر پہنچے ان کی صفیں درست فرمائیں اور نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی جس میں چار تکبیریں کہیں........''

(بحوالہ محمد رسول اللہ تالیف محمد رضا قاہرہ ترجمہ مولوی محمد عادل قدوسی ناشران تاج کمپنی صفحہ 531529)

سیرۃ ابن ہشام میں لکھا ہے (بروایت حضرت عائشہ)

''جب نجاشی کا انتقال ہوا تو بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی قبر پر نور نظر آیا کرتا تھا۔'' (ابن ہشام حصہ اول صفحہ 374)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی خط کا بھی سیرت نگاروں نے ذکر کیا ہے جو آپ نے نجاشی شاہ حبشہ کو رقم فرمایا تھا جب نجاشی کو یہ خط ملا تو اس نے اسے اپنی آنکھوں سے لگایا اور تعظیماً تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور جواباً۔ایک عقیدت بھرا خط آپ کی خدمت میں لکھا عرض کیا''...آپ نے جو دعوت اسلام ہمیں بھیجی ہے ہم نے اس کی حقیقت کو خوب جان لیا.....میں تصدیق کرتا ہوں کہ آپ یقیناً اللہ کے سچے رسول اور اس کی تصدیق کرنے والے ہیں میں نے...آپ کے چچیرے بھائی..کے ہاتھ پر خدائے رب العالمین کے لئے اسلام قبول کرلیا...''

(بحوالہ محمد رسول اللہ از محمد رضا قاہرہ..صفحہ 529528)

افریقہ میں اسلام کی اشاعت اور مسجد قبلتین زیلع (صومالیہ)

مہاجرین حبشہ کو نجاشی کے زیر سایہ مذہبی آزادی نصیب ہوئی اور انہوں نے دعوت الی اللہ کا حق بھی ادا کیا اس کا منہ بولتا ثبوت مسجد قبلتین زیلع (zeilla/saylac) ہے جو تحویل قبلہ سے پہلے بنائی گئی اور خلیج عدن کے ساحل پر موجودہ صومالیہ میں واقع ہے اس مسجد کا پہلا محراب یروشلم کی سمت میں شمال مغرب میں اور دوسرا محراب مکہ کی سمت میں شمال کی طرف ہے یہ مسجد اب کھنڈر بن چکی ہے اور غالباً یونیسکو کی ثقافت کی لسٹ پر ہے لیکن اپنی غیر معمولی تاریخی اہمیت کی حامل ہے

ہیلی سلاسی Haile Salassie

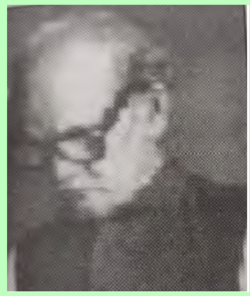
ضمناً صحابہ کے عظیم محسن شاہ حبشہ نجاشی کے احسانوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ورلڈ وار 2 کے دوران حضرت مصلح موعود نے خدمت انسانیت کے لئے ایک مخلص احمدی ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب ابن حضرت سردار عبدالرحمن صاحب (سابق مہر سنگھ) کو ایبے سینیا بھجوایا تھا انہوں نے وہاں طبی خدمات کے علاوہ مقدور بھر دعوت الی اللہ کی بھی توفیق پائی اور وہاں کے بادشاہ ہیلی سلاسی Haile Salassie کے ساتھ ذاتی تعلقات قائم کئے اور اس کے محل میں جا کر اسے قرآن کریم کا تحفہ دیا اس موقع کی یادگا تصویر سلسلہ کے لٹریچر میں آچکی ہے (تحدیث نعمت کے طور پر یہ ذکر نامناسب نہیں ہوگا کہ ڈاکٹر سردار نذیر احمد صاحب راقم الحروف کی اہلیہ کے والد محترم ہیں اور اہلیہ صاحبہ کی پیدائش بھی ایبے سینیا کی ہے)

❁❁❁❁



غزل
آفتاب شاہ

یہی آس ہے تو جڑی رہے یہ چراغ ہے تو جلا رہے
جو خزاں بھی ہو تو مرے خدا یہ چمن تو یونہی کھلا رہے
مری ذات سے تری ذات کا جو اذن ہے وہ کبھی کم نہ ہو
مرے عشق کا مری چاہ کا جو شجر ہے یونہی ہرا رہے
اسی ارضِ پاک پہ کٹ مروں نہ یہ سر جھکے نہ یہ دل ڈرے
یہ فنا ہی میری بقا بنے علَم اونچا اس کا سدا رہے
مجھے پیار کر جو ترا ہوں میں مجھے خود میں یوں تُو سمیٹ لے
مری زندگی ترا عکس ہو ترا عکس میری عطا رہے
مجھے ہے پتہ تو ہے عارضی کسی اور در کا جہان ہے
مجھے ہے پتہ تو مرا نہیں مری ضد ہے ربط بندھا رہے
نہ ہی قتل ہو کسی سوچ کا نہ ہی بکتا کوئی ضمیر ہو
یہاں علَم اونچا ہو علِم کا نہ کسی کی کوئی خطا رہے
مجھے دے پتہ کوئی آفتاب مرے یار کا مرے پیار کا
درِ یار چوموں میں اس طرح وہ کبھی نہ مجھ سے خفا رہے



مبارک مونگیری

اشعر حمیدی

مبارک مونگیری ایک چھوٹے سے گاؤں حسینہ میں پیدا ہوئے۔ یہ دہقانوں کا گاؤں تھا جس پر دریائے گنگا کی طغیانی کی وجہ سے ہجرتوں کا سلسلہ لگا رہتا۔ آخر کار پوری آبادی منتقل ہو کر لکھمیناں سے تقریبا2 میل کے فاصلے پر اس کے شمال مغربی حصے میں بس گئی۔ اس انتقال مکانی کے اچھے اثرات مرتب ہوئے اور وہاں سے بھی وکلا، اطباء اور تجار کی کھیپ نکلی۔ گو شعر وسخن کا چرچا تب بھی نہ تھا اور اب بھی نہیں ہے۔ گویا مبارک وہاں کے لئے ایک منفرد باب کی مانند ہیں۔ ابتدائی عمر ہی سے اپنے میلان طبع کی بنا پر شعرا کی صحبت اختیار کرتے۔ مونگیر شہر اور لکھمنیاں کے ادبی ماحول سے لگاؤ نے ان کی جولانِ طبع کو مہمیز لگایا اور یہ ان دونوں مقامات کی شعری مجالس میں شریک ہونے لگے جس سے رفتہ رفتہ ان کی شناخت قائم ہوئی۔ انھیں یہ احساس تھا محض دو میل کی دوری پر ایک گہوارہ علم وادب لکھمنیاں ہے جہاں کی تہذیب وتمدن قابل تقلید بھی ہے اور جس کا اعتراف سب کرتے لیکن حسینہ پر اس کے اثرات کم ہی محسوس کئے جاتے تھے۔ لہذا مبارک مونگیری نے حسینہ میں علمی وشعری فضا قائم کرنے کی مخلصانہ کوشش شروع کی۔ وہ صاحبان علم وفن کو اپنے گھر پر مدعو کرتے اور محفل شعر وسخن سجاتے، اپنا کلام سناتے اور دوسروں کا کلام سنتے جس سے وقتی طور پر ہی سہی ادبی ماحول بن جاتا۔

ان کی شاعری کو چار چاند تب لگا جب وہ تلاش معاش میں ڈھاکہ گئے اور پھر وہیں کے ہو کر رہ گئے۔ نئے لوگ اور قدرے آسان سی زمین پر ان کا اعتماد بڑھتا چلا گیا اور جلد ہی ایک استاد شاعر کی حیثیت سے مخصوص حلقہ سے جانے جانے لگے۔ گو انھیں احساس تھا کی

رو وفا میں مبارک ہے بے بسی میری
میں کارواں سے بچھڑ کر ہوں نقش پا کی طرح

مبارک مونگیری کا عہد صنف غزل کے لوٹنے سے معنون ہے۔ گو اب بھی نظم نگاری کو مرکزی حیثیت حاصل تھی اور اس میں نت نئے تجربات ہوتے رہتے تھے۔ مبارک نے کئی عمدہ نظمیں لکھیں لیکن شاید وہ اس پر مطمئن نہ ہوئے اور خود ایک تجربہ کر ڈالا۔ یہ تجربہ منظوم خاکوں کی شکل میں سامنے آیا۔ اردو میں خاکہ نگاری کی روایت نثر ہی میں رہی ہے۔ صرف استاد شاعر مرزا رفیع سودا کے کلام میں اس حوالے سے کچھ مواد مل جاتا ہے اور اگر کسی اور نے اسی سلسلے میں کوشش کی تو اس میں تسلسل نہیں پایا جاتا۔ اس کو ایک منفرد صنف شاعری کی طرح اختیار کرنے کا سہرا مبارک مونگیری کے سر جاتا ہے۔ گو یہ کام انھوں نے اپنی زندگی کے آخری پڑاؤ اور دوسری ہجرت کے بعد قیام کراچی کے دور میں کیا۔ واقعہ یہ ہے کہ اخبار ''جسارت'' میں ایک مستقل عنوان بوجھیں تو جانیں شروع کیا گیا جس میں ابو ناصر کے قلمی نام سے ہر جمعہ کے روز ایک شخصی خاکہ نظم کیا ہوا شائع ہوتا۔ اس سلسلے میں علی حیدر ملک کی روایت کردہ بات دلچسپی سے خالی نہیں۔ وہ کہتے ہیں

''مبارک مونگیری صاحب شاعری کی ہر صنف، ہر ہیت اور ہر اسلوب پر کامل دسترس رکھتے تھے، اس حقیقت کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک دن میں نے ان سے کہا کہ آپ مختلف شاعروں اور ادیبوں کے بارے میں نظموں کا سلسلہ شروع کیجئے۔ التزام اس میں یہ ہو کہ ہر لکھنے والے کی شخصی، ادبی خصوصیات کی طرف واضح اشارے موجود ہوں مگر براہ راست نام نہ لیا جائے۔ مبارک صاحب کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ ..شاعر کی حیثیت سے اس میں مبارک مونگیری کے بجائے ابو ناصر کا نام چھپتا تھا۔

کچھ لوگ ان نظموں پر چیں بہ جبیں ہوئے مگر ادیبوں کی بڑی تعداد اور قارئین کے وسیع حلقے نے اس سلسلے کو پسند کیا۔ ہر جمعہ کو ایک نظم پابندی سے شائع ہوتی اور ادبی حلقوں میں موضوع گفتگو بن جاتی۔ اکثر لوگ نظم کی تعریف کرنے کے بعد شاعر کا نام دریافت کرتے لیکن آخر وقت تک صرف دو چار

اشخاص ہی کو معلوم ہو سکا کہ ابوناصر کے پردہ زنگاری میں کون ہے۔

مبارک نے خود کہا ہے

گمنام آدمی کا دنیا میں کارنامہ
منسوب ہو رہے گا مشہور آدمی سے

منظوم خاکے مبارک نے ادیبوں، شاعروں، ایڈیٹروں پبلیشروں کے لکھے جن میں زبان و بیان پر بلا کی قدرت کا احساس ہوتا ہے۔مختصر الفاظ میں جیتا جاگتا پیکر تراس کر رکھ دیتے۔ وہ اس طرح خاکے بناتے کہ ممدوح زیر لب مسکرائے بغیر نہیں رہ سکتا اور جس کا خاکہ اڑایا گیا ہوتا وہ بھی اصلاح کے پہلو کو مد نظر انداز نہیں سکتا تھا۔ پہلے کچھ خاکے ملاحظہ کریں اور تب شاعر کی قادر الکلامی کا اندازہ کریں۔ مجنوں گورکھپوری کے خاکہ کے چند اشعار

دیوانہ ادب ہیں لیلائے شاعری ہیں
دُبلے نحیف جیسے خود قیس عامری ہیں
نقاد کیا سراپا نقد و نظر سمجھئے
استاد کیا انہیں تو استاد گر سمجھئے
ناقد ادیب شاعت کیا کیا بتاؤں کیا ہیں
مغرب کے فکر وفن کے اردو میں ترجمہ ہیں
شہرت محیط ان کی ماضی سے حال تک ہے
عظمت ملی ہے جتنی حد کمال تک ہے

مجنوں گورکھپوری کی شخصیت اور فن پر کیسا بلیغ تبصرہ بھی ہے اور سراپا نگاری کا کمال بھی۔

مبارک مونگیری اپنے بیشتر خاکوں میں ممدوح کا نام تو نہیں لیتے لیکن اشاروں، کنایوں میں ان کے فن پاروں کے نام لے کر، ڈیل ڈول کا ذکر، ان کے مخصوص انداز واطوار کے بیان سے ایسا نقشہ کھینچ دیتے ہیں کہ لوگ با آسانی سمجھ لیں کہ کس کا خاکہ زیر مطالعہ ہے۔ یہاں ایک خاکہ علی حیدر ملک کا ان کے نام کی صراحت کے ساتھ شائع کیا جو غالباً اپنی روایت سے وابستگی کے اظہار کے لئے تھا۔

ان کا ہر عنوان افسانہ ہے ایک دنیائے راز
حضرت حیدر ملک اک بے بدل اہلِ قلم
انشا پرداز و ادیب و نکتہ سنج و نکتہ داں
اک نئی دنیا بنائی اس خلائی دور میں
استعارے کی زباں میںُ بے زمیں ہے آسماں
اک تغیر فکر میں ہے ذہن میں ہے انقلاب

مبارک مونگیری نے شاعر کا دل اور حساس طبیعت پائی تھی۔لہٰذا انہوں نے کچھ لوگوں کے خاکے بھی اڑائے۔

اس ضمن میں ڈاکٹر انور سدید کا قول پہلے ملاحظہ فرمائیں

’’ مبارک مونگیری نے مجنوں گورکھپوری، مشفق خواجہ، وزیر آغا ، نعیم صدیقی ،جمیل جالبی، ادا جعفری اور متعدد دوسرے اومتعدد ادیبوں کے خاکے پھول کے قلم سے کالے لیکن جب محسن بھوپالی، سحر انصاری، امید فاضلی اور صبا لکھنوی جیسے پیارے لوگوں کی طرف آتے ہیں تو پھول کی پتیوں کو بادِ حوادث اڑالے جاتی ہے اور مونگیری کے ہاتھ میں صرف کانٹا رہ جاتا ہے۔

گویا مبارک نے شاعری کے بنیادی وصف ذاتی پند و ناپسند اور انسانی وصف محبت کے ساتھ فطرت کو، اپنے خاکوں میں ملحوظ رکھا جس سے شخصیت کے منفی پہلو بھی ابھر آئے۔ مثلاً

وہ جثہ منحنی لمبوترا چپٹا سا سرجن کا
مجیب الخلقت و مضحک سراپا مختصر جن کا
وہ مقصد زر پرستی ہو ادب خاک معیاری
کہ چھپنا اس کے پرچے میں ہے مشروط خریداری
مروت سے ہے عاری کسبِ زر سے کام رکھتا ہے
یہ وہ ہے جو رزالت کا شرافت نام رکھتا ہے
ادیبوں شاعروں کو یہ کبھی اجرت نہیں دیتا
فقط وعدے پر ٹرخاتا ہے یہ قیمت نہیں دیتا

مبارک کے خاکوں میں وہ باتیں بھی سامنے آجاتی ہیں جو عام طور پر مخفی تھیں۔اس حوالے سے ایک اقتباس دلچسپی سے خالی نہیں۔حیدر ملک لکھتے ہیں

"جب مشفق خواجہ کا خاکہ شائع ہوا تو ہندوستان کے دورے پر گئے ہوئے تھے وہاں سے واپسی پر انھوں نے اپنا خاکہ دیکھا، جب میں ان سے ملنے گیا تو

اپنے مخصوص انداز میں کہنے لگے

میرے غائبانہ میں آپ نے شاعری شروع کردی ہے۔نہیں تو لیکن آپ نے یہ سوال کیوں کیا؟

اس لئے کہ ''جسارت'' میں میرا جو خاکہ شائع ہوا ہے اس میں بعض ایسی باتوں کا ذکر ہے جن کا علم صرف چند افراد کو بھی ہے اوران چند افراد میں آپ بھی شامل ہیں۔''

مبارک مونگیری ایک تجسس پیدا کردیتے تھے۔ یہ خاکے اس شان کے ہوتے کہ بڑے بڑے قدر ودان فن ان کی طرف متوجہ ہونے کے بعد استفسار ضرور کرتے

بات جو کہنی تھی آخر کہہ دیا کس شان سے
کچھ کنائے کچھ اشارے بھی علامت کے نشاں

مبارک مونگیری خاکوں میں جہاں موقع ملا مضحک پہلو بھی ابھارنے سے نہیں چوکے۔

ایسا بھی نہیں ہے کہ مبارک مونگیری کی شناخت محض منظوم شخصی خاکوں ہی کی وجہ سے قائم ہوئی۔انہوں نے نعت رسول مقبول میں بھی اپنے فن، اپنی زبان دانی، جوش وجذبے کا اظہار خوبصورتی سے کیا ہے۔ان کی نعت، منقبت اور سلام سب میں پاسِ ادب اور مقام ومرتب کا صحیح لیکن فنکارانہ اظہار ملتا ہے۔

مبارک نے نعت گوئی کوش ذوق شعری کی تکمیل کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اپنی اخروی نجات کا ذریعہ بھی سمجھا۔ وہ ایک صالح فکر انسان تھے۔ نبی معظم کی سیرت وشخصیت سے والہانہ پیار کرتے تھے۔صالح جذبات اور صحیح فکر نے ان کی نعتوں کا سلسلہ دراز بھی رکھا جس سے ایک معتدبہ ذخیرہ اکٹھا ہوگیا۔نعتوں کا مجموعہ ''ذکر ارفع'' کے نام سے شائع ہوا۔

مبارک مونگیری ایک فطری شاعر تھے۔ انہوں نے اردو شاعری کی تمام مروجہ اصناف پر طبع آزمائی کی۔ یہ بھی واضح کیا جا چکا ہے کہ ان کا دور نظم نگاری کے عروج سے معنون ہے۔غزل کے حوالے سے متضاد خیالات پیش کیے جارہے تھے۔اس کے باوجود غزل کو اردو شاعری کی آبرو قرار دینے والوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔ یہ بھی واضح کرنے کی کوشش کی جا چکی ہے کہ مبارک مونگیری کا میلان طبع بیش تر نظم نگاری ہی کی طرف تھا اوران کی نظم نگاری کے طفیل اردو کو چند بے حد کارآمد نظمیں ملیں۔ان کی ایک نظم ''سیل خون'' انسانی قدروں کی پامالی کا چشم دید بیانیہ ہے جس سے ایک تاریخی واقعہ شاعری کے پیرایہ میں اس طرح زندہ ہوگیا جس کی کرب ناکی کو کبھی بھلایا نہیں جاسکتا۔

اس قبیل کی دوسری نظام مقدس لہو ہے۔اس نظم سے معلوم ہوتا ہے کہ شاعر نے جس طرح دوسروں ہی کی طرح ہجرت کرتے وقت سنہرے خواب دیکھے تھے وہ کیسے بھیانک انجام سے دوچار ہوئے۔ان کا جو اثر ایک حساس انسان پر ہوسکتا تھا اس کا شاعرانہ اظہار اس نظم میں ملتا ہے۔اس فن نظم میں شاعرانہ تعمق اورفن پر مکمل گرفت کا احساس ہوتا ہے۔

مبارک مونگیری نے اور بھی کئی نظمیں کہیں جن میں ''موضوعِ سخن''، ''منی بھکارن''، ''اقبال ڈے''، خدا کے لئے ہم سے اردو نہ چھین جیسی نظمیں دے گئے تو ''فراق جاناں''، ''صبح کا بھولا'' جیسی رومانی نظمیں کہہ گئے۔ان کی ایک نظم چارہ کار ہے۔اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں

میں سوچ رہا ہوں کہ مرے حالِ زبوں پر
اب دہر میں تکلیف کرم کون کرے گا
وہ وقت تہجد مری صحت کی دعائیں
اٹھ اٹھ کے مجھے راتوں کو دم کون کرے گا
ہونٹوں پہ لئے جلوہ تقدیس تبسم
تسکینِ دل شکستہ صنم کون کرے گا
وہ مشورہ ترک سخن فکر پہ قدغن
احسان بہ اندازِ ستم کون کرے گا

مبارک مونگیری کو تسلسل بیان پر قدرت حاصل تھی۔محاکات نگاری میں ملکہ تھا جس کی ایک مثال اور دیکھ لیں تب آگے بڑھیں۔نظم مشاعرہ چاٹگام'' کے چند اشعار وحشت ڈے چٹگام کا نقشہ

کھینچوں آج اک کام کا نقشہ
شاعر کے انجام کا نقشہ
یعنی انکل سام کا نقشہ
آنکھوں دیکھا حال سناؤں
سب سے قیل و قال سناؤں

ہوٹنگ کے احوال سناؤں
سرگم کے سر تال سناؤں

گویا مبارک سنجیدہ، المیہ، حزنیہ، طنزیہ، مزاحیہ ہر طرح کی نظم نگاری پر قدرت رکھتے تھے۔ وہ ایک بے ایک بے باک شاعر تھے لگی لپٹی کہنے کی خوان میں نہ تھی۔ برسر دار بھی حق گوئی کے وہ قائل تھے۔ اس حوالے سے ان کی نظمیں ''سرکاری میلاد'' کو دیکھا جا سکتا ہے جس سے شاعر کی شخصیت اور اس کا نظریہ حیات واضح ہوتا ہے۔ مبارک نے کارگہ حیات سے ہر وہ موضوع منتخب کیا جو لائق اعتنا تھا۔ لہٰذا انھوں نے غزل گوئی میں روایت کو قائم رکھتے ہوئے نئے تجربات کرنے کی کوشش کی۔ اس حوالے سے ابتدائی عمر میں بہتر تربیت ان کے کام آئی۔ زبان و بیان کے ساتھ اوزان و بحور پر انھیں جو قدرت حاصل ہے اس کا اظہار غزل کے اشعار میں ہوتا رہا۔ مبارک جانتے تھے کہ غزل کے بغیر اردو دنیا میں قابل اعتبار بننا مشکل ہے اس لئے انھوں نے غزل کے ایسے اشعار بھی ہے جو مشاعروں کی کامیابی کی ضمانت بنتے ہیں مثلاً

یہ بار جلوۂ گل یہ نوائے شور بلبل
ترے حسن کا سراپا مرے عشق کا قصیدہ
ہوا کے رخ پر ذرا رکھ کے آزما تو سہی
مری طرح کبھی شمع وفا جلا تو سہی
الم کی دھوپ میں احباب کام آیا نہیں کرتے
یہ وہ اڑتے ہوئے ہوئے بادل ہیں جو سایہ نہیں کرتے
کل تک تو تم فدا تھے مبارک کے نام پر
حیرت ہے آج اتنا بڑا ہو گیا وہ شخص
چمن پرست ہوں مجھ کو چمن سے الفت ہے
بلا سے اس میں بہار آئے یا خزاں گزرے
ترتیب دے رہا ہوں روداِدِ زندگانی
کچھ ایسی بات لے کر کچھ ان کی بات لے کر
اب سوچتا ہوں عمرِ دو روزہ سے کیا ملا
دنیا کو کیا دیا مجھے دنیا سے کیا ملا
خود اپنی شکل اپنی نظر میں تھی اجنبی
پہلے پہل جو آئینہ دیکھا تو ڈر گیا
کہاں ہیں جذبۂ اخلاص کامل دیکھنے والے
وہ پہلے اپنا دل دیکھیں مرا دل دیکھنے والے
قدموں سے تھی جو گردشِ دوراں لگی ہوئی
میں جب ٹھہر گیا تو زمانہ ٹھہر گیا

اسی لب ولہجہ اور اس تیور کا شاعر مبارک مونگیری اس آب و گل سے اٹھا تھا جہاں خودداری، عزم و حوصلہ کی کوئی کمی نہ تھی۔ انہوں نے سیکڑوں مصیبتیں سہیں، جواں مرگ بیٹے کے کا غم اس طرح زندہ رکھا کہ اس کے نام ناصر احمد کو اپنے منظوم خاکوں کے ساتھ زندہ و تابندہ کر دیا۔ آبائی وطن کی زبان، بولی اور لہجہ کو جہاں چاہا برت و با۔ وہ بھی اس طرح کہ یہ الفاظ بھی ٹکسالی معلوم ہونے لگتے۔

مبارک مونگیری کے ذوق سخن کو توانا بنانے میں لکھمنیاں، جو ان دنوں ضلع مونگیر کا ایک حصہ تھا، نے اہم کردار ادا کیا۔ یہاں کی ادبی فضا تربیت کے لئے موزوں بھی تھی اور جو اس سے گزر جاتا کامل ہو جاتا۔ مبارک کے علاوہ فریاد باروی، ریاض بلیاوی وغیرہ جیسے شعرا یہاں سے کسب فیض کرتے رہے اور لکھمنیاں جس کو ایک مکمل اسکول تو نہ کہیے لیکن شعر و ادب کا ایک چھوٹا سا مکتب ضرور تھا۔ قریب و دور میں اپنا نام روشن کئے ہوئے ہے۔ یہاں سے اٹھنے والوں کی ایک مختصر سی فہرست سامنے رکھتا ہوں۔ معین الدین درد، شاہ اسرارالرحمٰن آتش، قاضی زبیر بیخود، منظر حمید غم، قمر حمید قمر، ڈاکٹر نصر حمید خلش مرحومین اور زندہ لوگوں میں عبدالصمد تپش، ظفر حبیب، شمیم بیتاب، ولی مدنی، کامل حمید، شاہ غلام سلطان اختر اور جواں سال شاعر طارق متین ہیں تو وطن سے دور رہ کر بھی گیسوئے ادب سنوارنے والوں میں نورالہدیٰ، جعفر سہنی، قیصر اقبال پروفیسر شبیر حسن، ارشاد کمال، م م افتخار، پروفیسر سرورالہدیٰ ہیں

Ashar Hameedi Dept of Urdu, RCSS College
Bechat Begusarai - (Bihar)

(اردو دنیا ستمبر نئی دہلی صفحہ 41 تا 42)



حضرت چودھری غلام احمد خاں صاحب رضی اللہ عنہ رئیس کاٹھگڑھ

جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ ہوشیار پور انڈیا

(رانا عبدالرزاق خاں۔لندن)

فہیم اور ذکی انسان

کاٹھگڑھ کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی جب تک ایک بہادر سپوت کا ذکر نہ ہو جس کا نام نامی چودھری غلام احمد خاںؓ آف کاٹھگڑھ ہے۔جو اپنے علاقے کے ایک فہیم اور ذکی انسان تھے۔اور ارد گرد کے علاقے میں ان کی ملنساری اور معاشرتی میل جول مشہور تھا۔آپؓ اس علاقے کی ایک سنجیدہ اور معقول شخصیت تھے۔آپؓ کا خاندان اور عزیز و اقارب کی ایک معقول تعداد اس گاؤں میں رہائش پذیر تھی۔علاقے میں بڑے مالک سکھ سفید پوش تھے۔بعض اوقات جب کبھی علاقے کے سرداروں سے کسی وجہ سے اختلاف ہوجاتا تو چودھری صاحب قائم ہوکر اپنی رائے کو منواتے۔آپؓ بہت ہی ملنسار، خلق خدا کے ہمدرد اور خلیق تھے۔

کاٹھگڑھ کے پنچ

کاٹھگڑھ میں سات نمبر داریاں تھیں مگر سب سے بڑے اور مضبوط نمبر دار اور رئیس چودھری صاحب غلام احمد خاں صاحبؓ ہی تھے۔ہر مہمان کے لیے قیام اور طعام کا فراخدلانہ انتظام کرتے تھے۔سرکاری عہدے داروں کے مقام کے مطابق ان کے حسبِ مرتبہ سلوک اور خاطر تواضع کی جاتی تھی۔علاقے میں جب بھی کوئی تصادم یا کوئی بے انصافی، چوری چکاری ہوجاتی تو اس کا فیصلہ حضرت چودھری صاحبؓ ہی فرمایا کرتے تھے۔جب کبھی سکھوں سے کوئی معرکہ درپیش آتا تو آپ کے پاس ایک صد جوانوں کا جتھہ موجود ہوتا تھا۔اس جتھے کا رعب سارے علاقے پر تھا۔آپ بڑے زمیندار بھی تھے۔اور علاقے کے عقیل اور فہیم شخص بھی۔آپ کے والد کا نام چودھری عبدالرحیم خاں تھا۔آپ کا ایک بیٹا 1903ء میں پیدا ہوا۔جس کا نام عبدالرحیم رکھا گیا۔آپ کے چچا زاد کے بیٹے چودھری محمد حسین صاحب تھے جو پشاور میں تحصیلدار تھے۔ایک کزن سوہنے خان تھے جن کے بیٹے بابو عبدالحئی خان لاہور میں محکمہ ڈاک کے افسر تھے۔

قبول احمدیت

حضرت چودھری غلام احمد خاںؓ آف کاٹھگڑھ کا مسلک اہل حدیث تھا۔اور آپ سر سید احمد خان سے متاثر تھے۔اور ان سے رابطے میں تھے۔جب حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دعویٰ کی بازگشت سنی اور براہین احمدیہ نظر سے گزری تو آپ نے پہلے 1903ء میں قادیان جاکر بیعت کی اور پھر اپنے خاندان کے اکثر افراد کی حضرت مسیح موعودؑ کی بیعت کرائی۔یوں کاٹھگڑھ میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔گو اس سے چند ماہ قبل آپ کی مسجد کے امام سید محمد علی شاہ صاحب احمدی ہوچکے تھے لیکن انہیں آپ نے مسجد کی امامت سے فارغ کر دیا تھا۔اس واقعہ کی کچھ تفصیل بعد میں بیان کی جائے گی۔

اسی دَور میں آپ کے کزن مولوی عبدالسلام خاں صاحب اور بابو عبدالحئی خاں جو لاہور میں طالب علم تھے وہ بھی بیعت کر چکے تھے۔

تبلیغی کاوشیں

آپؓ کی تبلیغ سے علاقے کے راجپوتوں پر غیر معمولی اثر ہوا۔اور دوآبے کے علاقے میں بھی چھوٹے چھوٹے دیہات میں جماعتیں قائم ہوئیں۔آپ کے احمدی ہونے سے لوگوں کی حوصلہ افزائی ہوئی اور جن دیہات میں پہلے سے اکا دُکا اگر احمدی تھے تو وہاں مزید لوگ احمدی ہوئے اور جماعتوں کی تعداد بڑھی اور کاٹھگڑھ میں بڑے جلسے کروائے جاتے۔جو دیہات کاٹھگڑھ سے ذرا دور تھے تو ان کے جلسے قریبی کسی بڑے گاؤں میں منعقد کروائے جاتے جہاں مرکز قادیان سے مبلغین بلائے جاتے۔علاقے کے غیر احمدی رؤسا کو بھی دعوتیں دی جاتیں اور کریام اور سڑوعہ سے بھی با اثر شخصیتیں تشریف لاتیں۔

بڑے بڑے مباحثے ہوئے۔ وفات مسیح ناصریؑ، ختم نبوت، امام مہدی کا ظہور، احادیث سے نشانیاں ثابت ہونے پر اس علاقے کے سعید فطرت لوگوں نے بیعتیں کیں۔ اور اس طرح ان دیہات میں احمدیت کی ترقی ہوئی۔ اخبار البدر سے آریہ سماج سے ایک مباحثے کا پتہ چلتا ہے جو جماعت کاٹھگڑھ کی کاوشوں سے ہوا۔ جس کے صدر سردار بختاور سنگھ تھے۔ مرکز سے علمائے کرام بھی تشریف لائے تھے۔ اس کا ذکر آگے آئے گا۔

دیہات میں اثر و رُسوخ

ان دیہات کے نام یہ ہیں:

بیگم پور کنڈی، پنام، موہراں تحصیل گڑھ شنکر، ایمہ، انند پور، میٹیانہ، ضرب دیال، اہرانہ خورد، چنکوعہ، چنکوعی، مکیریاں، بیرم پور، ساہوہ، پھگلانہ، مہت پور، دیاں، گھوڑے واہ، میانی پٹھاناں، جھنگڑ کلاں، پنڈ بیگووال، نواں شہر، بکھلور، آٹھور، روپڑ، لنگڑوعہ، بنگہ، کریہہ، جاڈلہ، نکند پور، لنگیری، غوث گڑھ، جاولی، گڑھ شنکر، کنکنہ، سمبلی، پھمبیاں عمر پور، منڈیراں، بہہ، کتنا، زبراں، اُڑمڑِ، میمووال، سحووال، میانی سیداں، کنگنی، پوی، ماہل پور، پنڈوری، کھرل، بھیووال، چھرماں کھٹانے، سرشت پور، سارچور، دسوہہ، شام چوراسی، کبیر والہ، چٹالہ، چجی، اوڑ، بازید پور، کلیان، بجواڑہ، بیرسیاں، کھماچوں، گُنا چور، بہرام، پھلور، گوڑ پور، ملسیاں، حاشنہ کلاں، بگوراں، تھابل، نکودر، رسول پور، صرتح و گوڑہ، رامگڑھ، ہمبوال، ماچھیواڑہ، پووت، کوٹالہ، برج، چک لوہٹ، ٹانڈا چکلی، ہلواڑہ، کوم کلاں، رجاولی۔

جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ کا قیام 1903ء

چودھری غلام احمد صاحب نمبردار رئیس کاٹھگڑھ کی قبولیت احمدیت کے وقت کاٹھگڑھ کے اکثر افراد نے بیعت کر لی تھی۔ اس موقع پر مولوی عبدالسلام خاں کے والد چودھری محمد حسین خاں صاحب تحصیلدار پشاور نے بھی باجماعت بیعت کی تھی۔ مولوی عبدالسلام خاں صاحب نے زمانہ طالب علمی میں لاہور میں چند ماہ پہلے جب بیعت کی تو ان کے والد چودھری محمد حسین تحصیلدار پشاور نے ناراضگی کا اظہار کیا بلکہ اُن کا ماہانہ خرچ بھی بند کر دیا تھا۔ بعد ازاں چودھری غلام احمد نمبردار رئیس کاٹھگڑھ نے چودھری محمد حسین تحصیلدار پشاور سے بات چیت کی اور سمجھایا، پھر چودھری محمد حسین تحصیلدار پشاور نے خود بھی بیعت کر لی۔ اس طرح 1903ء میں ہی کاٹھگڑھ میں جماعت احمدیہ کا قیام عمل میں آیا۔

ایک روایت کے مطابق لاہور میں بابو عبدالحئی خاں ولد چودھری سوہنے خاں ملازم پوسٹ آفس نے بھی اس وقت بیعت کی تھی۔ مگر ان کا تعلق جماعت لاہور کے کھاتے میں آتا ہے۔

کاٹھگڑھ میں پہلے بیعت کنندہ سید محمد علی شاہ صاحب ہی قرار پاتے ہیں۔ کیونکہ حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ رئیس کاٹھگڑھ نے آپ کو امامت سے ہٹا کر گاؤں سے نکال دیا تھا۔ جب احمدیت کی حقیقت خود چودھری غلام احمد صاحبؓ پر کھلی تو پھر سید محمد علی شاہ صاحب کو واپس کاٹھگڑھ اسی شان سے واپس لایا گیا۔

کاٹھگڑھ کی جماعت اس وقت سے ترقی کرتی چلی گئی۔ جماعتی نظام کو وہاں مستحکم کر دیا گیا۔ جماعتی نظام کو فوقیت دے کر بدعات کو ختم کرنے کی ترغیب دی گئی۔ ایک نیک اسلامی معاشرے کی شکل وہاں احمدیوں نے پیش کرنے کی کسی حد تک کوشش کی۔ جس میں سب احباب کا عمل دخل تھا۔ اس طرح جماعت احمدیہ کے نیک عمل، اتفاق و اتحاد کی دھاک سارے علاقے پر بیٹھ گئی۔

حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ رئیس کاٹھگڑھ کی فراست اور حکمت نے برادری کی عزت کو چار چاند لگا دیے۔ اُس وقت کسی بھی جماعت میں احمدیہ ورنیکلر سکول نہیں تھا۔

نرینہ اولاد

حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ رئیس کاٹھگڑھ کی بیٹیاں ہی تھیں اور نرینہ اولاد کوئی نہ تھی۔ چنانچہ ایک مرتبہ آپ قادیان تشریف لے گئے اور حضورؑ سے نرینہ اولاد کے لیے دعا کی گزارش کی۔ جس پر حضور علیہ السلام نے دعا کی۔ ایک سال بعد 1903ء میں آپ کو اللہ تعالیٰ نے ایک فرزند عنایت فرمایا۔ اس واقعہ سے آپ کی عقیدت میں مزید اضافہ ہوا۔

اس سے قبل حضرت چودھری صاحبؓ کو اللہ تعالیٰ نے خواب میں ایک بچہ دکھلایا اور بتایا کہ اس کا نام بشمر داس رکھنا۔ بچے کی پیدائش کو جب چند ماہ ہوئے تو حضرت چودھری صاحبؓ بچے کو لے کر قادیان گئے اور حضورؑ سے نام

رکھنے کی درخواست کی۔اس کے ساتھ چودھری صاحب نے حضورؑ کو اپنی خواب بھی سنائی۔حضورؑ نے فرمایا کہ بشمر داس کا معنی اللہ کا بندہ ہے۔لہٰذا میں اس کا نام عبدالرحیم رکھتا ہوں۔حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بچے کے سر پر پیار بھی دیا اور فرمایا کہ بچہ بلند اقبال ہوگا۔

یہ روایت ہمارے بڑوں کی زبانی چلی آرہی ہے۔جس کا کوئی ثبوت اخبارات میں تو نہیں۔ممکن ہے کہ یہ واقعہ حضرت چودھری صاحبؓ کی بیعت سے قبل کا ہو۔

آپ کی اولاد میں ایک بیٹا اور 9/بیٹیاں تھیں۔ایک بیٹی چودھری عبدالمجید آف راہوں سے بیاہی گئی۔جب 1945ء میں امارتوں کا نظام حضرت مصلح موعودؓ نے جاری فرمایا تو چودھری عبدالمجید آف راہوں امیر جماعت ہائے ضلع جالندھر مقرر ہوئے تھے۔

آپ نے کئی جلسوں کی صدارت بھی کی۔ان تمام گاؤں میں دورہ کرنے والے آپ کے بھتیجے مولوی عبدالسلام آگے آگے ہوتے تھے اور باقی رؤسا اپنے اثر ورسوخ سے علاقے میں جلسوں پر آکر لوگوں میں احمدیت کی سچائی کو ثابت کرتے تھے اور دیگر رؤسا کو صدارت کی کرسی پر بٹھاتے تھے۔آپ خود بھی جلسوں کی صدارت فرماتے۔اس طرح بڑی تیزی سے سب قریبی دیہات میں جماعتیں بڑھیں۔اس علاقے کے سینکڑوں لوگ مشرف بیعت حضرت مسیح موعودؑ ہوئے۔اب ان کی اولادیں پاکستان ہجرت کے بعد دوبارہ ہجرت کر کے ساری دنیا میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے پیغام کو پھیلانے میں مصروف ہیں۔

حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ نے ہر لحاظ سے احمدی احباب کی حوصلہ افزائی کی۔اور ہر موقع پر جماعت کی تائید کا کوئی موقع بھی ہاتھ سے جانے نہ دیا۔آپ کی وفات 1924ء میں ہوئی جبکہ آپ کی عمر ایک سو سال کے قریب تھی۔آپ کے بعد آپ کے اکلوتے بیٹے چودھری عبدالرحیم خاں صاحب کاٹھگڑھ کے نمبردار اور رئیس بنے اور تبلیغ کا سلسلہ پہلے سے بھی زیادہ تیز ہوتا چلا گیا۔علاقے میں احمدیت کے نفوذ کو مزید مواقع ملے اور بڑی بڑی جماعتیں بنیں۔

کاٹھگڑھ میں ہر سال جلسہ ہوتا تھا۔مرکز سے علمائے سلسلہ آتے تھے۔قیام وطعام کا بندوبست ہوتا تھا۔گویا کہ کاٹھگڑھ ایک سنٹر بن چکا تھا۔علاقے میں جماعت احمدیہ کی دھوم تھی۔کاٹھگڑھ میں احمدیہ پرائمری سکول کا قیام بھی آپ کی کوششوں سے عمل میں لایا گیا۔بعد ازاں اسے مڈل سکول کا درجہ بھی ملا۔جس کی مالی امداد محترم چودھری صاحبؓ ہی کیا کرتے تھے جبکہ اس کے مدارالمہام آپ کے بھتیجے مولوی عبدالسلام صاحب تھے۔عمارت کی تعمیر اور اس کی چھت کے لیے شہتیر چودھری صاحبؓ نے فراہم کیے تھے۔

مذبح خانہ کاٹھگڑھ کی منظوری

26/اگست 1920ء کے دن جب ہمارے لوگ گائے مذبح خانے روپڑ کی طرف لے کر جارہے تھے جو چودھری غلام احمد خاں صاحبؓ ہی کے برادری کے افراد تھے۔راستے میں کسی مخبری کی وجہ سے اُن سے گائے چھینی گئی۔اور متعلقہ افراد کو زدوکوب کیا گیا۔شکایت کرنے کے باوجود عملہ پولیس کسی وجہ سے ملزمان کو نہیں پکڑا گیا۔تو چودھری صاحبؓ نے ان کو سزا دینے کی ٹھانی۔آپ نے فی زمانہ حالات کے مطابق مخالفین کو خوب سبق سکھایا۔جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آئندہ ہندوؤں کو مسلمانوں کو کمتر سمجھنے اور کوئی شرارت کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔اس واقعہ کے بعد مذبح خانہ کاٹھگڑھ کی منظوری لی گئی اور سب احمدی بچوں کو آریہ اسکول سے خارج کروا کر احمدیہ مڈل اسکول میں داخل کروا دیا گیا۔اور اس کے بعد عمارت میں توسیع کا فیصلہ بھی کیا گیا۔راجپوت برادری کا رعب سارے گاؤں پر تھا۔بلکہ اس علاقے کے رئیس جو کہ سکھ برادری کے تھے۔ان سے بھی چودھری غلام احمد نمبردار کے اچھے تعلقات تھے۔علاقے کے باقی دیہات میں بھی چودھری غلام احمد خاں نمبردار کی اچھی شہرت تھی۔لوگ احترام بھی کرتے تھے۔بلکہ اس سارے علاقے میں چودھری غلام احمد خاں نمبردار کا سکہ چلتا تھا۔اس علاقے میں زیادہ تر گھوڑے واہ راجپوت ہی تھے۔آپس میں رشتہ داریاں بھی تھیں۔راہوں اور گڑشنکر کے راجپوتوں سے تعلقداری بھی تھی۔باہم شادی غمی پر بھی جایا کرتے تھے۔دوآبے کے علاقے میں راجپوتوں کی اکثریت تھی۔جب اس برادری نے احمدیت کو قبول کیا تو مزید اخوت بڑھ گئی۔

جلسہ و مباحثہ آریہ سماج کاٹھگڑھ 1917ء

3رمئی 1917ء کے اخبار نور قادیان سے پتہ چلتا ہے کہ 26راپریل 1917ء کو آریہ سماج کے ساتھ ایک مباحثہ رکھا گیا جس کے صدر سردار بختاور سنگھ تھے۔ جماعت کی طرف سے مرکز سے حضرت حافظ روشن علی صاحبؓ، ماسٹر محمد یوسف صاحب، میر قاسم علی صاحب، مولوی قطب الدین صاحب تشریف لائے۔

(اخبار نور قادیان 3رمئی 1917ء)

تاریخ جماعت احمدیہ کاٹھگڑھ از اخبارات سلسلہ

حضرت نور احمد خان صاحبؓ ولد چودھری بدر بخش صاحب لکھتے ہیں کہ

''مجھے جلسہ سالانہ پر آنے کا اتفاق ہوا۔ دوآبہ یعنی ضلع جالندھر اور ہوشیار پور کے تمام احمدی ایک ہی جگہ ٹھہرے ہوئے تھے۔ ہمارے ساتھ چودھری غلام احمد صاحب رئیس کاٹھگڑھ بھی تھے۔ رات کو قادیان پہنچے تھے۔ کمرہ میں بستر رکھ کر تمام دوست بیٹھ گئے مگر نصف رات تک کھانا نہ ملا۔ لوگ بہت بھوکے تھے اور بار بار چودھری صاحب مذکور کے پاس شکوہ کرتے تھے کہ ابھی تک کھانا نہیں ملا۔ اخیر چودھری صاحب نے کہا کہ بازار میں جا کر دودھ پی لو۔ مگر اتنی بے چینی پیدا نہ کرو، کھانا مل جائے گا۔ لوگ کھانے کا انتظار کر کے تھک گئے، آخر بہت دوست بھوکے سو گئے۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی، اچانک چند آدمی نمودار ہوئے، کہنے لگے کہ حضرت صاحب کو الہام ہوا ہے کہ مہمان بھوکے ہیں، اُن کو کھانا کھلاؤ۔ بدیں وجہ لوگ کمروں میں جگا جگا کر کھانا دے رہے ہیں۔ ہمارے کمرے میں بھی چند آدمی کھانا لے کر آئے۔ چودھری صاحب نے تمام دوستوں کو جگا کر کھانا کھلایا، ہمارے ساتھ چودھری غلام قادر صاحب سڑوعہ والے بھی تھے انہوں نے کہا کہ یہ کھانا خدا نے جگا کر دیا ہے وہ بقیہ ٹکڑے بطور تبرک کے کہ یہ الہامی کھانا ہے اپنے پاس سڑوعہ کو لے گئے۔'' (جاتے ہوئے اپنے ساتھ ہی لے گئے)۔

(رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر 6 صفحہ 273-274 غیر مطبوعہ)

حضرت شیخ جان محمد صاحبؓ پنشنر انسپکٹر پولیس لکھتے ہیں کہ ''میری عمر اس وقت ستاسٹھ سال کی ہے۔ میں نے 1903ء میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پہلے بذریعہ خط بیعت کی پھر 1904ء میں بمقام گورداسپور دورانِ مقدمہ مولوی کرم دین بھیں والے میں حاضر ہوا اور سعادۃً دستی بیعت سے مشرف ہوا۔ مَیں منٹگمری سے آیا اور والد صاحب مرحوم اور چودھری غلام احمد خان صاحب مرحوم آف کاٹھگڑھ ضلع ہوشیار پور سے بمقام گورداسپور حاضر ہوئے تھے۔ حضرت خلیفہ اوّل نے چودھری صاحب مرحوم کی وجہ سے ....ایک علیحدہ چھولداری ہم کو دے دی جس میں ہم تین افراد ٹھہرے اور دیگر احباب بعض نیچے مکان میں اور بعض چھولداریوں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ چودھری غلام احمد خان مذکور نے مجھے فرمایا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ باورچی خانے میں بٹیرے پکائے گئے ہیں مجھے دو بٹیرے لا دو۔ چنانچہ مَیں نے باورچی خانے سے دریافت کیا تو اُس نے بتلایا کہ لاہور سے مہمان آئے ہوئے ہیں یہ اُن کے لئے پکائے گئے ہیں۔ مَیں ان سے اصرار کر رہا تھا کہ چودھری غلام احمد خان ایک امیر آدمی اور خوش خور ہیں اور میرے والد صاحب کے دوست ہیں تو ضرور دو بٹیرے دے دو۔ اسی اثناء میں حافظ حامد علی صاحب مرحوم بالائی حصہ مکان میں آ گئے اور یہ ماجرا انہوں نے سنا۔ باورچی نے بتلایا کہ خواجہ کمال الدین صاحب وغیرہ آئے ہوئے ہیں، اُن کے لئے بٹیرے پکائے گئے ہیں تو مَیں مایوس ہو کر چھولداری میں آ گیا۔ تھوڑی دیر بعد حافظ حامد علی صاحب مرحوم ایک طشتری میں دو بٹیرے بُھنے ہوئے لے کر آ گئے اور فرمایا کہ مَیں نے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ذکر کیا تھا۔ حضور نے فرمایا کہ جلد اُنہیں بٹیرے پہنچاؤ اور فرمایا کہ کل سب کے لئے بٹیرے پکائے جائیں۔ چنانچہ دوسرے دن ایک بڑے دیگچہ میں بٹیرے پکائے گئے اور سب کو کھلائے گئے۔''

(رجسٹر روایات صحابہ جلد نمبر 15 صفحہ 17 غیر مطبوعہ)

حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ کی کاٹھ گڑھ میں آمد

حضرت مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحب خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے سفر کاٹھ گڑھ کے حالات تاریخ احمدیت جلد 3 میں مذکور ہیں۔ چنانچہ اس حوالہ سے لکھا ہے کہ سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الاوّلؓ کے حکم سے اور جماعت احمدیہ کاٹھ گڑھ (ضلع

ہوشیار پور) کی درخواست پر حضرت صاحبزادہ مرزا بشیر الدین محمود احمد صاحبؓ 16؍دسمبر 1908ء کی صبح کو حضرت میر محمد اسحاق صاحبؓ کے ساتھ کاٹھ گڑھ تشریف لے گئے۔ اور غالباً 21؍دسمبر کو وارد قادیان ہوئے۔

(ماخوذ از تاریخ احمدیت جلد چہارم صفحہ 73)

کاٹھ گڑھ میں ایک عجیب واقعہ

حضرت صاحبزادہ صاحب کے قیام کے دوران وہاں ایک واقعہ پیش آیا اور وہ یہ کہ جب آپؓ وہاں پہنچے تو بعض دوستوں نے مشورہ دیا کہ فلاں طرف رستہ میں چونکہ ایک شدید دشمن رہتا ہے اس لیے اندیشہ ہے کہ کہیں آپ پر حملہ نہ کر دے لیکن آپؓ نے اس بات کی ذرا پروانہ کی اور اسی راستہ پر چل پڑے۔ جب اس شخص کی نظر آپؓ پر پڑی تو وہ دوڑ کر آپ کی طرف آیا آپ کے ساتھیوں نے سمجھا کہ شاید آپ پر حملہ کرنے آ رہا ہے اس لیے وہ لاٹھیاں لے کر اکٹھے ہو گئے لیکن وہ شخص انہیں دھکہ دیتے ہوئے آگے بڑھا اور کہنے لگا یہ صرف تمہارے ہی پیر نہیں بلکہ ہمارے بھی پیر ہیں کیا ہم ان کی زیارت بھی نہ کریں پھر اس نے ایک روپیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا اور کہا یہ میری طرف سے نذرانہ ہے اسے قبول فرمائیں۔

(تاریخ احمدیت جلد 3 صفحہ 220 تا 221)

صدر انجمن احمدی راجپوتانِ ہند کے صدر کے طور پر نامزدگی

حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ کی حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے ملاقاتوں کا ذکر رجسٹر روایات صحابہ میں کئی جگہ ملتا ہے۔ جلسہ سالانہ پر جانے اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی صحبت سے مستفید ہونے کا ذکر ملتا ہے۔

حضرت چودھری غلام احمد صاحبؓ کو حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل رضی اللہ عنہ نے راجپوتوں میں تبلیغ کی خاطر انجمن احمدی راجپوتان ہند کا صدر مقرر فرمایا تا کہ راجپوت خاندانوں میں احمدیت کا نفوذ ہو۔ اس واقعہ کا ذکر اخبار البدر 26؍جون 1910ء میں ملتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ کے درجات بلند کرتا چلا جائے اور آپ کی نسلوں کو آپ کی نیکیاں جاری رکھنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

(27 اپریل 2021ء الفضل انٹرنیشنل۔ لندن)

☆......☆......☆



مرے پیارے طالع

بعد از خطبہ جمعہ حضور پرنور

حافظ مستنصر احمد قاہر

مرے پیارے طالع تو ہیرا تھا ہیرا
قسم ہے خدا کی نہ تجھ سا کوئی تھا

وفاؤں کی تو نے جو میراث رکھی
بہت سوں کا تو بن گیا ہے نمونہ

اداؤں سے تیری ترے ہر چلن سے
نظر آ گیا ہے خلافت ہے جینا

چمکتی ہوئی تیری آنکھوں کے اندر
فقط اک خلافت تھی بس اک خلیفہ

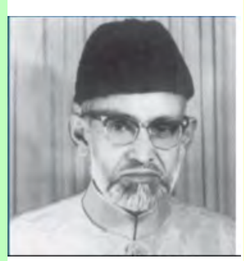
مبارک تجھے ہو ترے اس لہو سے
محمد ملے ، بن گیا ان کا بیٹا

دعا ہے کہ لاکھوں بنے دل سے طالع
خدا ان سے راضی ہو راضی ہو آقا

ملاحت کے پیکر اے یوسف ہمارے
خدا تجھ سے راضی ہے اور یہ پیارا

☆......☆......☆





میرے محسن حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم

قریشی داؤد احمد ساجد مبلغ سلسلہ احمدیہ۔ یوکے



بہت عرصہ سے دل میں یہ خواہش تھی کہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی شفقتوں اور محبتوں پر مشتمل مضمون تحریر کیا جائے لیکن حضرت ملک صاحب مرحوم کے مقام و مرتبہ اور اپنی کم مائیگی کی وجہ سے اپنا یہ شعر بار بار آڑے آتا رہا۔

پھر اٹھا کر رکھ دیا میں نے قلم
داغ دامن چاق سینہ وگریباں دیکھ کر

کچھ روز قبل برادرم مجید سیالکوٹی صاحب کا حضرت میر داود احمد صاحب مرحوم کی یادوں پر مشتمل مضمون پڑھ کر دوبارہ ہمت کی کہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی شفقتوں کا تقاضا ہے کہ آپ کی یادوں کو سینہ قرطاس پر منتقل کیا جائے۔ اس لئے چند بھولی بسری یادیں تازہ کرنے کی توفیق مل رہی ہے۔

خاکسار کا مئی 1974 میں کالج میں ایف۔ اے کا آخری پیپر تھا کہ اگلے روز پتہ چلا کہ ربوہ ریلوے اسٹیشن پر کوئی واقعہ رونما ہوا تھا جس کے بعد پورے پاکستان خصوصا پنجاب میں احمدیوں کے خلاف فسادات کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ یہ بڑا ہی پر آشوب دور تھا انھیں ایام میں خاکسار کے والد صاحب مرحوم کو وکالت تعلیم ربوہ کی طرف سے ایک خط موصول ہوا کہ آپ نے دو سال قبل اپنے بیٹے داود احمد کو وقف کرنے کی درخواست دی تھی جو بعض وجوہات کی بنا پر وہ منظور نہ ہوئی تھی لیکن اگر آپ اپنے بیٹے کو وقف کرنے کا ابھی بھی ارادہ رکھتے ہیں تو فلاں تاریخ کو وکالت تعلیم ربوہ میں انٹرویو کے لئے آجائیں۔ چنانچہ تاریخ مقررہ پر ہم ربوہ پہنچ گئے اور خاکسار انٹرویو میں شامل ہوا اگلے روز جامعہ احمدیہ ربوہ میں انٹرویو کے بعد خاکسار کو داخلہ کی نوید سنائی گئی۔ خاکسار کو اپنے والد صاحب مرحوم کا خوشی سے تمتماتا چہرہ آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ انٹرویو کے بعد چونکہ گاوں واپس جانا مشکل تھا اس لئے ہمارے امیر ضلع محترم چوہدری محمد اسلم صاحب مرحوم (برادر اکبر محترم چوہدری شاہ نواز صاحب مرحوم) نے از راہ شفقت ربوہ میں اپنے گھر سے چارپائی اور بستر کا انتظام کر دیا۔ فجزاہ اللہ تعالی احسن الجزاء

سات ستمبر 1974 کی ذوالفقار علی بھٹو کی وہ تقریر جس میں اس نے احمدیہ جماعت کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کا اعلان کیا تھا جامعہ ہاسٹل میں سنی۔ وہ بہت نازک وقت تھا پاکستان کے مختلف شہروں میں احمدیوں کی مخالفت عروج پر تھی۔

ان حالات کے باعث جامعہ کے طلباء کے سالانہ امتحانات بھی نہ ہو سکے تھے۔ چنانچہ کچھ دنوں کے بعد طلباء کے امتحانات شروع ہو گئے۔ چونکہ ہماری کلاس نئے داخل ہونے والے طلباء پر مشتمل تھی اس لئے ہمارے امتحانات نہیں تھے چنانچہ ہماری کلاس کو یہ حکم تھا کہ جامعہ سے فارغ ہو کر کھانا کھانے کے بعد قصر خلافت میں ڈیوٹی کے لئے پہنچ جانا ہے ہم حکم کی تعمیل میں فورا مسجد مبارک میں چلے جاتے تھے اور وہاں پر ہماری ڈیوٹی لگائی جاتی تھی۔ مکرم ناصر سعید صاحب مرحوم اور ایک اور دوست محمد شان صاحب نئے نئے حفاظت خاص میں آئے تھے۔ نیز چوہدری محبوب احمد صاحب مرحوم عموما ہماری ڈیوٹی لگایا کرتے تھے۔ خاکسار اور برادرم محترم اخلاق احمد انجم صاحب حال دفتر تبشیر لندن کو قصر خلافت کے باغ میں رات کے وقت کافی عرصہ ڈیوٹی دینے کی توفیق ملی۔ گو وہ بہت نازک دور تھا لیکن بڑا یادگار وقت تھا۔ جامعہ کے دیگر طلباء کے امتحانات ختم ہونے تک حالات کچھ بہتر ہو گئے تھے اور ہماری ڈیوٹیاں لگنی بھی بند ہو گئی تھیں۔

جامعہ احمدیہ کے پہلے سال کے اختتام پر امتحان دینے کے بعد موسم گرما کی تعطیلات میں خاکسار بھی اپنے گاؤں چلا گیا۔ خاکسار کو اس بات کا علم نہیں تھا کہ جامعہ کا نتیجہ روزنامہ الفضل ربوہ میں شائع ہوتا ہے گو کہ ہمارے گھر میں

الفضل اور دیگر تمام رسائل باقاعدہ آتے تھے۔ چونکہ خاکسار کو اس بات کا علم ہی نہیں تھا کہ ہمارا نتیجہ بھی روزنامہ الفضل میں شائع ہوتا ہے اس لئے نتیجہ کا پتہ بھی نہ چلا۔ رخصتوں کے بعد جب واپس آیا تو پتہ چلا کہ خاکسار کی ترجمۃ القرآن میں کمپارٹمنٹ تھی اور چھٹیوں کے دوران کمپارٹمنٹ کے امتحانات ہو چکے ہیں۔ چونکہ خاکسار نے امتحان نہیں دیا تھا اس لئے مجھے فیل قرار دے کر دوبارہ درجہ ممہدہ میں رہنے دیا گیا۔ خاکسار نے مکرم پرنسپل صاحب حضرت ملک سیف الرحمان صاحب کی خدمت میں درخواست دی کہ مجھے تو کمپارٹمنٹ کا علم نہیں تھا اس لئے مجھے ایک موقع دیا جائے لیکن انھوں نے فرمایا کہ اب تو نئی کلاسیں شروع ہوگئی ہیں اب ایسا ممکن نہیں۔ خاکسار نے دوبارہ درجہ ممہدہ میں جانا شروع کیا لیکن دل مطمئن نہ ہوتا تھا اور کئی دفعہ خاکسار کلاس کی بجائے لائبریری میں آکر بیٹھ جاتا تھا۔ ایک روز خاکسار لائبریری میں بیٹھا تھا کہ مکرم ومحترم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مرحوم جو جامعہ میں پڑھاتے تھے لائبریری میں تشریف لائے اور خاکسار کو ادھر بیٹھے دیکھ کر پوچھا آپ ادھر کیوں بیٹھے ہیں۔ خاکسار نے تمام قصہ ان کے گوش گزار کیا کہ لاعلمی کی وجہ سے میں کمپارٹمنٹ کا امتحان نہیں دے سکا اور مجھے اب دوبارہ درجہ ممہدہ میں بیٹھنا پڑ رہا ہے لیکن میرا دل مطمئن نہیں ہوتا۔ انھوں نے فرمایا کہ آپ اپنی کلاس میں جائیں چنانچہ حکم کی تعمیل میں میں کلاس میں چلا گیا۔ تقریباً ایک یا دو گھنٹے کے بعد مجھے جامعہ کے مددگار کارکن نذیر صاحب عرف میجر بلانے آئے کہ پرنسپل صاحب آپ کو بلا رہے ہیں۔ حاضر ہونے پر فرمایا کہ اگرچہ یہ جامعہ کی روایت نہیں کی امتحانات کے بعد کسی انفرادی طالب علم کا امتحان لیا جائے۔ لیکن آپ کو موقع دیا جاتا ہے اور پاس ہونے کے لئے 85 فیصد نمبر لینے ضروری ہیں۔ نیز پرنسپل صاحب نے مکرم عبدالمغنی زاہد صاحب کو جو ہمارے ترجمۃ القرآن کے استاد تھے رقعہ لکھا کہ ان کا امتحان لیا جائے اور پاس ہونے کے لئے 85 فیصد نمبر لینے ضروری ہیں۔ الحمدللہ کہ خاکسار نے چند روز تیاری کی اور 90 فیصد کے قریب نمبر لے کر امتحان پاس کیا جس کے بعد خاکسار کو درجہ اولیٰ میں بیٹھنے کی اجازت دے دی گئی۔ یہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی پہلی شفقت تھی جسے آج بھی یاد کرکے ان کی اور مکرم صاحبزادہ مرزا رفیع احمد صاحب مرحوم کی مغفرت اور بلندی درجات کے لئے دل کی گہرائیوں سے دعا نکلتی ہے۔ ممکن ہے اگر ان بزرگان کی یہ شفقت نہ ہوتی تو شاید آج خاکسار وقف میں نہ ہوتا۔

اس کے بعد حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی شفقت اور پیار کا سلسلہ شروع ہوا۔ کئی مواقع پر دفتر میں بلاکر چائے سے تواضع کرتے۔ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی شفقتوں کے کچھ واقعات بغیر کسی خاص ترتیب کے پیش ہیں۔ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ حضرت میر داود احمد صاحب مرحوم نے جامعہ میں جو اعلیٰ روایات قائم کی تھیں میں پوری کوشش کرتا ہوں کہ ان روایات کو قائم رکھوں گو بعض اوقات اس میں بعض مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ خاکسار کو یاد ہے کہ درجہ ثانیہ میں ہم نے ربوہ سے خوشاب تک کا پیدل سفر کیا تھا جو کہ جامعہ کے کورس کا ایک لازمی حصہ ہوتا تھا۔ اس سفر میں طلباء کو اشد ضرورت کے وقت استعمال کے لئے پانچ روپے پاس رکھنے کی اجازت ہوتی تھی لیکن پیدل سفر کی تکمیل کے بعد وہ دکھانے ہوتے تھے کہ ہمیں نے یہ پیسے خرچ نہیں کیے اور صرف انھیں اشیاء پر گزارا کرنا پڑتا تھا جو پیدل سفر کے آغاز پر جامعہ سے ساتھ لئے جاتی تھیں۔ پیدل سفر کے تیسرے روز جب ہم خوشاب سے سرگودھا پہنچے تو حضرت ملک صاحب مرحوم طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے سرگودھا تشریف لائے تھے۔ سرگودھا میں ملک صاحب مرحوم کی طرف سے سفر میں شامل تمام طلباء کو چند اشیاء خورد و نوش دی گئی تھیں جو کہ ہمارے لئے غنیمت اور حضرت ملک صاحب مرحوم کی شفقت کا اظہار تھا۔

ایک موقع پر ہماری کلاس نے اپنے ایک کلاس فیلو مکرم ملک محبوب احمد صاحب کی دعوت پر خوشاب کے قریب ان کے ان کے گاؤں ڈوھڈا جانے کا پروگرام بنایا لیکن سفر پر کیسے جایا جائے اہم مسئلہ تھا چنانچہ خاکسار نے حضرت ملک صاحب مرحوم سے درخواست کی کہ اگر ہمیں انصاراللہ مرکزیہ کے دفتر کی گاڑی دلوادیں تو ہم پیٹرول کی قیمت ادا کردیں گے حضرت ملک صاحب نے خاکسار کی درخواست منظور کرتے ہوئے اس کا انتظام کردیا اور ہمارا وہ سفر بہت یادگار رہا ملک محبوب احمد صاحب کے والد صاحب، بھائی اور دیگر عزیزوں نے ہمارا پرتپاک استقبال کیا اور دعوت کے لئے بکرا ذبح کیا گیا۔ کچھ دنوں کے بعد ملک صاحب مرحوم نے خاکسار کو دفتر میں بلاکر کہا کہ انصاراللہ کے دفتر سے

پیٹرول کا بل آیا ہے حسب وعدہ اس کی ادائیگی کا انتظام کریں ۔ جامعہ کے دوران اس دور میں معمولی وظیفہ اور حالات کے پیش نظر خاکسار کی کوشش کے باوجود رقم کا انتظام نہ ہوسکا۔ تقریباً ایک ماہ کے وقفہ سے انصاراللہ والوں نے پھر رقم کا مطالبہ کیا مکرم ملک صاحب نے خاکسار کو دوبارہ طلب کیا اور انصاراللہ کا بل ادا کرنے کا کہا۔ خاکسار نے عرض کیا کہ میں نے کوشش کی ہے لیکن رقم کا انتظام نہیں ہوسکا جس پر آپ فرمایا کہ آجکل میرے مالی حالات بھی اتنے اچھے نہیں بہر حال ٹھیک ہے ۔ خاکسار کو علم نہیں کہ بعد میں حضرت ملک صاحب مرحوم نے وہ رقم کب اور کیسے ادا کی لیکن بعد میں کبھی اس کا ذکر نہ کیا۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران خاکسار کی بائیں آنکھ میں زخم طرح کی کوئی چیز نمودار ہونی شروع ہوگئی جس کے باعث خاکسار کو تشویش لاحق ہوئی خاکسار نے مکرم ملک صاحب مرحوم سے فضل عمر ہسپتال بھجوانے کی درخواست کی مکرم ملک صاحب مرحوم نے خاکسار کو دفتر میں حاضر ہونے کا ارشاد فرمایا اور ایک خط دے کر فرمایا کہ سرگودھا میں آنکھوں کے اس معالج کے پاس چلے جائیں چنانچہ خاکسار سرگودھا میں اس معالج کے پاس چلا گیا۔ مکرم ملک صاحب مرحوم کا خط دیکھ کر وہ بہت شفقت سے پیش آئے خاکسار کو علم نہیں کہ وہ معالج احمدی تھے یا نہیں لیکن بڑے نفیس اور لباس سے رکھ رکھاو والے انسان لگتے تھے۔ بہر حال آنکھوں کا معائنہ کرنے کے بعد کہنے لگے کہ یہ ناخونہ کی ابتداء ہے چنانچہ انھوں نے ایک آئی ڈراپس دیا کہ یہ استعمال کریں امید کہ یہ ادھر ہی رک جائے گا لیکن اگر مزید پھیلا تو پھر دیکھیں گے۔ انھوں نے نہ تو خاکسار سے کوئی فیس لی اور نہ ڈراپس کی رقم ۔ ۔ خاکسار کو علم نہیں کہ حضرت ملک صاحب مرحوم نے ڈاکٹر صاحب کے نام خط میں کیا لکھا تھا بہر حالخاکسار نے وہ ڈراپس استعمال کیے اور بعد میں بھی خرید کر کچھ عرصہ استعمال کئے ۔ الحمدللہ کہ آج بھی ناخونہ کا نشان اتنا ہی ہے لیکن اس کی وجہ سے کوئی تکلیف نہیں۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران ایک روز ربوہ میں طوفانی بارش ہوئی ہر طرف پانی اور کیچڑ تھا اس لئے اکثر طلباء جامعہ نہ گئے بلکہ ہاسٹل میں اپنے کمروں میں آرام کرتے رہے تھوڑی دیر کے بعد جامعہ کے دو کارکن میجر نذیر صاحب اور سلیم صاحب نے آ کر ملک صاحب کا پیغام دیا کہ تمام طلباء جامعہ پہنچیں چنانچہ طلباء تیار ہو کر جامعہ پہنچے ملک صاحب مرحوم نے اسمبلی ہال میں سب کو اکٹھا ہونے کا ارشاد فرمایا اور تمام طلباء کے آنے پر مختصر خطاب میں فرمایا کہ میں ستر سالہ بوڑھا آدمی ہوں اگر میں سائیکل پر اپنے گھر سے آ سکتا ہوں تو آپ نوجوان ہاسٹل سے کیوں نہیں آسکے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ جس مقصد کے لئے آپ نے زندگی وقف کی ہے اس میں تو شائد آپ کو دریا عبور کرنے پڑیں یا برف پوش پہاڑ سر کرنے پڑیں اگر آپ اس معمولی بارش سے ڈر گئے تو میدان عمل میں کیسے کامیاب ہوگے ۔ پھر فرمایا کہ اب آپ سب اپنی اپنی کلاسوں میں جائیں۔

حضرت ملک صاحب مرحوم طلباء کے لباس پر بھی بڑی توجہ دیتے تھے ۔ کلاسز کے آغاز سے قبل صبح جامعہ گراؤنڈ میں اسمبلی اور حاضری ہوتی تھی جس کی نگرانی محترم ملک مبارک احمد صاحب مرحوم کرتے تھے اور اسکا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا کرتا تھا۔ جس کے بعد ہر کلاس لائن کی صورت میں باری باری کلاس روم میں جاتی تھی اکثر اوقات ملک صاحب مرحوم سامنے کھڑے ہو کر ہر طالبعلم کو سر سے پاوں تک چیک کرتے اور اگر کسی کے لباس میں کمی وبیشی ہوتی تو توجہ دلاتے حتی کہ اگر کسی کے جوتے کا تسمہ کھلا ہوتا تو اسے لائنسے باہر نکال کر تسمہ باندھنے کا کہتے۔ بعض اوقات لیٹ آنے والے طلباء کو اسمبلی گراونڈ سے پہلے روک لیتے اور بعد میں سزا کے طور پر جامعہ گراؤنڈ کا بھاگ کر چکر لگانے کا کہتے۔

جامعہ میں تعلیم کے دوران خاکسار نے ایک خواب دیکھا کہ" خاکسار جامعہ کے ہاسٹل (ناصر ہاسٹل) میں سویا ہوا ہے کہ ایک طالبعلم بھاگ کر میرے پاس آ کر مجھے کہتا ہے کہ اٹھ جاو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم آپ سے ملنے آرہے ہیں اتنے میں کیا دیکھتا ہوں کہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم جامعہ کے چند طلباء کے ہمراہ میرے کمرے کی طرف آرہے ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک کاغذ ہے جس پر پندرہ بیس کے قریب سوالات لکھے ہیں چنانچہ میرے پاس آ کر اس کاغذ کی طرف توجہ دلا کر آپ خاکسار سے فرماتے ہیں کہ آپ نے تمام سوالات ٹھیک حل کئے ہیں کیا ہی اچھا ہوتا کہ آخری سوال بھی حل کر دیتے" ۔ اس کے ساتھ ہی خواب کا نظارہ ختم ہوگیا۔ خواب سے بیدار ہو کر خاکسار نے یہ

خواب بعینہٖ حضرت ملک صاحب مرحوم کی خدمت لکھ دیا۔ کافی دنوں کے بعد ملک صاحب مرحوم نے خاکسار سے فرمایا کہ چھٹی کے بعد مجھے مل کر جانا چنانچہ خاکسار حاضر ہوا تو خواب کے حوالہ سے بعض نصائح فرمائیں۔ **فجزاھم اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔**

جامعہ احمدیہ میں تعلیم کے دوران خاکسار اور خاکسار کے دوست ملک محبوب احمد صاحب نے جامعہ میں منعقدہ مشاعرہ میں حصہ لیا یہ خاکسار کی شاعری کے میدان میں پہلی کوشش تھی۔ مجلس علمی جامعہ کی طرف سے اس مشاعرہ کے لئے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ایک شعر

چشم مست ہر حسیں ہر دم دکھاتی ہے تجھے
ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا

کا دوسرا مصرعہ "ہاتھ ہے تیری طرف ہر گیسوئے خمدار کا" طرح مصرعہ کے طور پر رکھا گیا تھا۔

چنانچہ خاکسار کی غزل کو بہت پزیرائی ملی۔ اور حاضرین نے دل کھول کر داد دی۔ اس غزل کا مطلع یہ تھا

جس کے فانی حسن سے ملتا کھوج اس یار کا
آج تھوڑا تذکرہ ہوگا اسی کے پیار کا

برادرم عبدالمومن طاہر صاحب حال انچارج عربی ڈیسک (یو۔ کے) کو اس غزل کا ایک شعر آج بھی یاد اور جب بھی ملاقات ہو اس کا ذکر کر کے سناتے بھی ہیں کہ

جوئے شیریں بھی اگر مطلوب ہو تو لائیں گے
اک اشارہ بے وفا چاہیے تیری ابصار کا

انھیں دل کھول کر داد دینے والوں میں حضرت ملک صاحب مرحوم بھی شامل تھے کچھ عرصہ کے بعد خاکسار نے آپ کی خدمت میں خط لکھا کہ خاکسار اپنی شاعری میں ساجد تخلص رکھنا چاہتا ہے نیز دعا کی درخواست کی۔ جس کے جواب میں فرمایا کہ ٹھیک ہے لیکن خیال رکھنا ایسا نہ ہو کہ آپ کی شاعری میدان عمل میں آپ کے کاموں میں روک بنے ۔ الحمدللہ کہ حضرت ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کی وہ دعا اس رنگ میں پوری ہوئی کہ آج تک اللہ تعالیٰ نے کبھی بھی میری شاعری کو میرے جماعتی کاموں میں روک نہیں بننے دیا۔ **الحمدللہ علی ذلك**

جامعہ میں تعلیم کے دوران آخری سال میں ہماری کلاس دیگر کلاسوں کی نسبت مختصر تھی اور صرف تیرہ طلباء پر مشتمل تھی حضرت ملک صاحب مرحوم ہماری کلاس کے طلباء سے بہت شفقت فرماتے تھے جن میں سے برادران محترم منیر جاوید صاحب (پرائیویٹ سیکریٹری) محترم عبدالماجد صاحب طاہر (ایڈیشنل وکیل التبشیر لندن) اور ملک محبوب احمد صاحب حال انڈونیشیا کو تخصص کرنے کے بعد میں جامعہ احمدیہ ربوہ میں کچھ عرصہ تک پڑھانے کی توفیق بھی ملی۔ حضرت ملک صاحب مرحوم کی شفقتوں کی وجہ سے بعض دیگر کلاسوں کے طلباء ہماری کلاس کو شہزادوں کی کلاس کہہ کر بلاتے تھے۔

ایک موقع پر ہم نے لالیاں کے قریب جنگل میں پکنک کا پروگرام بنایا اور اس میں شمولیت کے لئے حضرت ملک صاحب مرحوم کو بھی مدعو کیا آپ نے ہماری دعوت کو بخوشی قبول کیا ہم سب تو سائیکلوں پر لالیاں جنگل تک چلے گئے لیکن ملک صاحب مرحوم کے لئے ہم نے رحمت منڈی کے ایک دوست بابر صاحب سے درخواست کی کہ وہ اپنی جیپ پر محترم ملک صاحب مرحوم کو لے آئیں انھوں نے ہماری درخواست کو قبول کرتے ہوئے اس کا انتظام کر دیا یہی نہیں بلکہ پکنک کے اختتام پر شام کو حضرت ملک صاحب مرحوم کو لینے کے لئے دوبارہ آئے۔ **فجزاہ اللہ تعالیٰ احسن الجزاء۔**

آپ نے اس پکنک میں بھرپور حصہ لیا اور آپ بہت خوش نظر آتے تھے ہم نے وہیں پر سالن تیار کیا اور لالیاں سے ایک تنور سے روٹیاں لگوائیں ملک صاحب مرحوم نے وہیں ہمارے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھایا۔ مچھلی کا شکار کرتے رہے اور شام تک ہمارے ساتھ رہ کر ہماری حوصلہ افزائی فرمائی یہ بہت یادگار پکنک تھی۔

جب ہم جامعہ کے آخری سال میں تھے تو جامعہ کی سالانہ کھیلوں کے انتظامات ہماری کلاس کے سپرد تھے برادرم مکرم نعمت اللہ بشارت صاحب مبلغ ڈنمارک کمیٹی کے انچارج تھے ہم نے جامعہ بلڈنگ سے ہاسٹل کی طرف جانے والے راستہ اور جامعہ گراؤنڈ کے داخلی راستہ پر ایک گیٹ تیار کیا اور خاکسار

اور برادرم ارشاد احمد ملہی صاحب مبلغ امریکہ شام کے وقت چنیوٹ سے گلاب کے پھولوں کی تازہ پتیاں لے کر آئے جنہیں گیٹ کے درمیان جھنڈے میں لپیٹ دیا۔ اگلی صبح محترم پرنسل ملک سیف الرحمان صاحب مرحوم کھیلوں کے افتتاح کے لئے تشریف لائے اور جھنڈا لہرایا تو گلاب کی پتیاں آپ پر نچھاور ہوئیں۔ اس نئی روایت کو بہت سراہا اور بہت محظوظ ہوئے کہ جامعہ میں ایسا طریق پہلی دفعہ اختیار کیا گیا ہے۔

اگر چہ جامعہ کے آخری سال شاہد کلاس میں امتحانات کے بعد فراغت ہوتی تھی پھر بھی جامعہ میں حاضری ضروری ہوتی اور روزانہ کی ڈائری بھی لکھنی ہوتی تھی۔ ایک دفعہ ہمارے کلاس انچارج مولانا مرزا نصیر صاحب حال جامعہ احمدیہ یو۔کے کہیں گئے ہوئے تھے فارغ وقت دیکھ کر خاکسار، برادرم ارشاد احمد ملہی صاحب اور برادرم عبدالباسط صاحب آف انڈونیشیا حال امیر و مشنری انچارج انڈونیشیا چائے پینے کے لئے جامعہ کی کینٹین پر چلے گئے اسی دوران محترم ملک صاحب مرحوم ہماری کلاس میں تشریف لائے اور ہمیں غیر حاضر پا کر ہم تینوں کو پچاس پچاس روپے جرمانہ اور دس دن صبح کی نماز مسجد مبارک میں ادا کرنے کی سزا دی نیز یہ کہ مرزا نصیر صاحب کو نماز کے بعد مسجد مبارک میں رپورٹ کرنی ہے۔ چنانچہ روزانہ ڈائری میں ذکر کرنا پڑتا تھا کہ فجر کی نماز مسجد مبارک میں ادا کی جس دن ذکر نہ ہوتا محترم ملک صاحب مرحوم ڈائری پر نوٹ لکھ دیتے ''نماز فجر مسجد مبارک میں ادا کرنی تھی۔''

ڈائری سے یاد آیا کہ ایک روز محترم برادرم محمد الیاس منیر صاحب اسیر راہ مولا حال مبلغ جرمنی نے ڈائری میں غالب کا یہ شعر لکھا

تھی خبر گرم کہ غالب کے اڑیں گے پرزے
دیکھنے ہم بھی گئے تھے پہ تماشا نہ ہوا

محترم ملک صاحب مرحوم نے اس شعر کے نیچے نوٹ لکھا جس کا مفہوم یوں تھا۔" تماشا ہونے والا ہے کچھ دیر انتظار کریں۔

جرمانہ کے طور پر مسجد مبارک میں نمازوں کی ادائیگی کے بارہ میں تو علم نہیں کہ کتنی مسجد مبارک میں ادا کیں البتہ جرمانے کی رقم ادا نہ کر سکے۔ کچھ دنوں کے بعد برادرم مکرم عبدالباسط صاحب کی انڈونیشیا کے لئے روانگی تھی ہم انہیں الوداع کہنے کے لئے ربوہ ریلوے اسٹیشن پر گئے محترم ملک صاحب مرحوم بھی تشریف لائے۔ اس موقع پر مکرم عبدالباسط صاحب نے محترم ملک صاحب سے درخواست کی کہ انھیں جو جرمانہ کیا گیا تھا چونکہ وہ ادا نہیں کر سکے۔ اس لئے وہ معاف کر دیں محترم ملک صاحب مرحوم نے مسکرا کر فرمایا ٹھیک ہے۔ اس پر مکرم عبدالباسط صاحب نے موقع غنیمت جان کر عرض کیا کہ قریشی داود اور ارشاد ملہی کا جرمانہ بھی معاف کر دیں چنانچہ ملک صاحب نے از راہ شفقت ہمارا جرمانہ بھی معاف کر دیا۔ اس کے بعد ہم تین طلباء خاکسار، برادرم ارشاد احمد ملہی صاحب اور برادر مظفر احمد ناصر صاحب حال ربوہ نے محترم ملک صاحب سے اجازت طلب کی کہ ہم مکرم عبدالباسط صاحب کو الوداع کہنے کے لئے شیخو پورہ تک جانا چاہتے ہیں اور رات کو واپس آجائیں گے۔ آپ نے از راہ شفقت اس کی بھی اجازت دے دی چنانچہ ہم تینوں شیخو پورہ تک ٹرین پر محترم عبدالباسط صاحب کے ساتھ گئے اور حسب وعدہ رات کو بذریعہ بس واپس آ گئے۔

جامعہ سے شاہد کلاس پاس کرنے کے بعد حدیقۃ المبشرین جانے سے قبل جامعہ احمدیہ کی روایات کے پیش نظر ناصر ہاسٹل کے ڈائیننگ ہال میں ہماری کلاس کی الوداعی دعوت ہوئی جس میں محترم ملک صاحب مرحوم نے بھی شرکت کی ایک جونیئر طالبعلم مکرم قمر داود کھوکھر صاحب حال میلبورن آسٹریلیا نے جامعہ کے طلباء کی طرف سے ہمیں الوداع کہتے ہوئے تقریر کی جس کے جواب میں کلاس سیکرٹری کے طور خاکسار نے بھی اپنی کلاس کی طرف سے حاضرین کا شکریہ ادا کیا اور اپنی ایک غزل کے چند اشعار بھی پیش کئے جنہیں دیگر کے علاوہ محترم مک صاحب مرحوم نے بھی بہت پسند کیا اور داد دی ان میں سے دو اشعار یوں ہیں۔

وصل کا عہد رہا تجھ سے جدا ہونے تک
دل بھی آ پہنچا تیری یاد میں اب رونے تک
جب سے یہ علم ہوا اب کہ جدا ہوتے ہیں
سحر ہو جاتی ہے اکثر ہی مجھے سونے تک

چند روز کے بعد جماعت کے ایک بزرگ ہماری کلاس میں لیکچر دینے تشریف لائے خاکسار سارے لیکچر کے دوران پچھلی سیٹ پر سویا رہا جس پر

تبصرہ کرتے ہوئے برادرم مکرم نعمت اللہ بشارت صاحب نے کہا کہ آپ کا شعر کہ

سحر ہو جاتی ہے اکثر ہی مجھے سونے تک

تو چند روز قبل سنا تھا لیکن آج اس کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ لیا ہے

حضرت ملک صاحب مرحوم کی شفقتوں کے ضمن میں بھی کچھ یوں عرض کیا تھا۔

تیری شفقت کے سہارے دن کٹے تھے عیش میں
ان بہاروں کے نظارے خون گرمانے لگے
بوستاں میں بہت گھومے اور عنادل سے ملے
اب چمن کو چھوڑ کر اے باغباں جانے لگے

جامعہ احمدیہ سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد بھی حضرت ملک صاحب مرحوم سے مسلسل رابطہ رہا۔ خاکسار کا پہلا تقرر لالیاں جھنگ روڈ پر ایک جماعت عنائیت پور بھٹیاں ضلع جھنگ میں ہوا رمضان المبارک کے بابرکت ایام میں نماز تراویح کی ادائیگی کے بعد نماز وتر ادا کرتے تو ایک فیملی کے دو افراد دو وتروں کی ادائیگی کے بعد اونچی آواز میں دعا کی درخواست کرتے کہ احباب ہمارے لئے دعا کریں لیکن خاکسار کو اچھا نہ لگتا اور اس بارہ میں انقباض تھا تاہم ان کو منع بھی نہ کیا۔ رمضان المبارک کے بعد عید کی نماز اپنے سنٹر میں ادا کی اور ربوہ آیا اگلے روز محترم ملک صاحب مرحوم کی خدمت میں سلام عرض کرنے حاضر ہوا آپ نے حسب روایت کھانے کے لئے کچھ پیش کیا۔ خاکسار نے موقع غنیمت جان کر وتروں کی ادائیگی کے بارہ میں سوال کیا تو فرمایا کہ بہتر طریق یہ ہے کہ دو رکعت ادا کرنے کے بعد خاموشی سے تیسری رکعت ادا کی جائے نیز اس دوران بولنا نہیں چاہیے۔

بعد میں دوران مطالعہ وتروں کی ادائیگی کے بارہ میں پیر سراج الحق صاحب نعمانی کے ایک سوال کے جواب میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا ارشاد بھی پڑھا جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ ایک طریق کہ جس طرح حنفی پڑھتے ہیں اور دوسرا طریق یہ ہے کہ دو رکعت پڑھ کے سلام پھیر دے اور ایک رکعت چپکے سے اٹھ کر پڑھ لے۔

(تذکرہ المہدی صفحہ 116 فقہ المسیح صفحہ 99)

کچھ عرصہ کے بعد حضرت ملک صاحب مرحوم مستقل طور پر کینیڈا تشریف لے گئے جس کے بعد ان سے دوبارہ ملاقات نہ ہوئی البتہ آپ کی بیماری کا پتہ چلتا رہا اور آپ کی شفاء یابی کے لئے دعاؤں کی توفیق بھی ملی۔

آپ کی بیماری کی تشویشناک صورت حال پر حضرت خلیفۃ المسیح الرابع رحمہ اللہ نے آپ کے لئے اللہ تعالیٰ کے حضور یوں التجا کی جس میں حضور اقدس کی ملک صاحب مرحوم کے لئے محبت اور پیار کی واضح جھلک نظر آتی ہے

یہ شجر خزاں رسیدہ ہے مجھے عزیز یارب
یہ اک اور وصل تازہ کی بہار تک تو پہنچے

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ حضرت ملک صاحب مرحوم کی مغفرت فرمائے، آپ کے درجات بلند کرے اور انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

❁❁❁❁

سبق آموز بات

حیاء

حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حیاء کی بہت برکات بیان کی ہیں۔ ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آداب مجلس بیان کرتے ہوئے ذکر فرمایا کہ تین آدمی ایک مجلس میں آئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتیں سننے لگے، ایک تو واپس چلا گیا۔ باقی دو میں سے ایک آگے جا بیٹھا، دوسرے نے مجلس میں جہاں جگہ پائی بیٹھ گیا۔ اسے حیاء آئی کہ لوگوں کو پھلانگتا ہوا آگے بڑھے۔ خدا تعالیٰ نے بھی اس سے حیاء کا سلوک کیا اور اسے بخش دیا۔

جب کوئی تحفہ دے

اگر تمہیں کوئی تحفہ دے تو تم اس سے بہتر تحفہ دو کچھ بڑھا کر، اگر نہیں تو کم از کم اتنا ہی دو جتنا تمہیں اس نے دیا ہے اس سے آپس میں خلوص اور محبت کا رشتہ مضبوط ہو جائے گا۔



سیکھوانی برادران کی ہمشیرہ

حضرت امیر بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا عرف ''مائی کاکو'' کا ذکر خیر

از خواجہ محمد افضل بٹ۔ یو ایس اے



سیکھوان برادران

سیکھوان برادران گنے چنے چند خوش نصیبوں میں سے تھے۔ جو حضرت اقدس مسیح موعود علیہ السلام سے بہت ابتدائی زمانہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے حضرت اقدس علیہ السلام سے بے پایاں اخلاص کا ثبوت ہمیں حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی تحریرات میں بارہا نظر آتا ہے۔ پھر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے وصال کے بعد خلافت احمدیہ سے محبت اور اخلاص اور فدائیت ہی ان کا طرہ امتیاز رہا۔

آج میں سیکھوانی برادران کی ہمشیرہ حضرت امیر بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا عرف ''مائی کاکو'' کا ذکر خیر کرنا چاہتا ہوں۔

تعارف

حضرت ''مائی کاکو'' رضی اللہ عنہا خاکسار کی نانی جان اور خاکسار کی والدہ محترمہ رمضان بی بی صاحبہ کی پھوپھی جان تھیں۔

سیکھوانی برادران کی ہمشیرہ

حضرت امیر بی بی صاحبہ صحابیہ رضی اللہ عنہا عرف ''مائی کاکو'' حضرت میاں محمد صدیق صاحب وائیں سیکھوانی صحابیؓ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیٹی تھیں۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے مشہور صحابہ سیکھوانی برادران یعنی حضرت میاں جمال الدین صاحب سیکھوانی، حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی، اور حضرت میاں خیر الدین صاحب سیکھوانی، کی ہمشیرہ تھیں۔ جنہیں سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 313 صحابہ کرام کی فہرست میں شامل فرمایا ہے۔

آپ خود بھی صحابیہ تھیں۔ سیکھواں ایک گاؤں کا نام ہے۔ جو قادیان سے چار میل کے فاصلے پر مغرب کی جانب واقع ہے۔ اس خاندان کا قادیان آنا جانا اور حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے تعلق آپ کے دعویٰ سے پہلے سے تھا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اپنی کتب اشتہارات اور ملفوظات میں مختلف مقامات پر ان تینوں بھائیوں کا ذکر فرمایا ہے۔ اور بعض جگہوں پر ان کے ساتھ ان کے والد محترم کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ سیکھوانی برادران نہایت قلیل آمدنی کے باوجود مالی قربانی میں ہمیشہ پیش پیش رہتے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے ان کی مالی قربانیوں کا مختلف مقامات پر نہایت رشک کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔ حضرت میاں امام الدین صاحب سیکھوانی ؓ حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے والد اور محترم مولانا منیر الدین صاحب شمس کے دادا تھے اس لحاظ سے حضرت امیر بی بی صاحبہؓ خالد احمدیت حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کی پھوپھی اور محترم مولانا منیر الدین صاحب شمس کی دادی تھیں۔

اس مختصر تمہید سے غرض یہ ہے کہ تا معلوم ہو کہ حضرت امیر بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا عرف ''مائی کاکو'' جن کا ذکر خیر مقصود ہے۔ کن عظیم الشان شخصیات کی ہمشیرہ تھیں۔ اور ویسے بھی آپ کا صحابیہ ہونا خود آپ کو ایک منفرد مقام عطا کرتا ہے۔ ذیل کی سطور میں خاکسار ان کا مختصر ذکر کرے گا میرے لیے بھی یہ بہت بڑا اعزاز ہے۔ کہ آپ ہماری والدہ محترمہ رمضان بی بی صاحبہ کی پھوپھی تھیں بچپن میں جن کا پیار حاصل کرنے کا شرف خاکسار کو ملا۔

شادی واولاد

آپ کی شادی اسلامی رسم ورواج کے مطابق ہوئی۔ آپ کے خاوند کا نام رحیم بخش تھا۔ آپ کی اولاد میں ایک لڑکا غلام رسول اور ایک بیٹی صالحہ بی بی تھی۔ یہ دونوں بچے صغر سنی میں ہی فوت ہو گئے تھے۔

چھوٹی عمر میں ہی بیوہ

حضرت ''مائی کاکو'' صحابیہؓ چھوٹی عمر میں ہی بیوہ ہو گئی تھیں۔ ان کے

سسرال والے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سخت مخالف، بدزبان اور نازیبا الفاظ استعمال کرتے تھے ان کے خاوند صاحب بھی بدسلوکی پر اتر آئے تھے۔ تو آپ اپنے بھائیوں کے پاس آگئیں اور ساری زندگی بیوگی میں گزاردی۔

''خاندان سکھوان اور میری آپ بیتی کے صفحہ 24 پر تحریر ہے کہ:۔

''مائی کاکو' عنفوان شباب میں ہی بیوہ ہوگئی تھیں۔ بچے بھی صغرسنی میں ہی فوت ہو گئے۔ ان کے سسرال والے حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے سخت مخالف تھے۔ اس لیے جب ان کے نازیبا الفاظ سننا برداشت میں نہ رہا تو آپ اپنے بھائیوں کے پاس آ گئیں۔''

پیدائش و وفات

آپ کی تاریخ پیدائش 1868ء ہے۔ اور وصال 1953ء میں 85 سال سے زائد عمر میں ہوا۔ آپ کا وصیت نمبر 498 ہے۔ اور بہشتی مقبرہ ربوہ میں احاطہ خاص کی جنوبی جانب محوخواب ہیں۔

{''بیعت''}

حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے 1889ء میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے جب اعلان ماموریت فرمایا تو سیکھوانی برادران نے ایک ہی روز 23 نومبر 1889ء کو حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے دست مبارک پر اجتماعی بیعت کرنے کی سعادت حاصل کی۔ اسی طرح خاندان کی مستورات نے بھی ابتدائی ایام میں ہی بیعت کرلی تھی۔ اور آپ نے اس عہد کو اپنے آخری سانس تک نہایت ہمت وجوانمردی سے نبھایا۔

جیسا کہ ذکر ہو چکا ہے کہ آپ سیکھوانی برادران کی ہمشیرہ تھیں۔ سیکھوانی برادران حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے ابتدائی صحابہ میں سے تھے۔ اور نہایت درجہ مخلص انسان تھے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے حد درجہ محبت و عشق رکھتے تھے۔

اشتہار جلسہ الوداع میں سیکھوانی برادران کی مالی قربانی کے متعلق حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے تحریر فرمایا کہ:

''حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ، کی طرح جو کچھ گھروں میں تھا وہ سب لے آئے اور دین کو آخرت پر مقدم کیا جیسا بیعت میں شرط تھی''۔

(جلستہ الوداع ضمیمہ اشتہار ''الانصار'' ۔4 اکتوبر 1899ء)

(بحوالہ مجموعہ اشتہارات جلد سوم، صفحہ 167)

مائی کا کو کا دیار مسیح میں قیام

محترمہ حضرت صاحبزادی امۃ رشید بیگم صاحبہ نے فرمایا کہ:۔

ایک دن شمس صاحب (حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ) کے والد (حضرت) میاں امام الدین صاحبؓ سیکھوانی حضرت اماں جان صاحبہؓ کے گھر آئے اور میں نے ان کو یہ کہتے سنا کہ اب ''مائی کاکو'' آپ کے پاس ہی رہے گی۔ مگر ایک شرط ہے کہ اس کا کھانا ہمارے گھر سے آیا کرے گا۔ اور بتاتی ہیں کہ دودھ اور رس ناشتہ کے لئے اور کھانا آپ کو باقاعدہ گھر سے پہنچاتے رہے۔ ''مائی کاکو'' کا دیار مسیح میں رہنے کی برکت سے خدا تعالیٰ سے بہت تعلق تھا۔ بظاہر ان کا ذریعہ آمدن کچھ نہیں تھا میرے خیال میں آپ ہر ایک کا کام کر کے خوشی محسوس کرتی تھیں اس لئے لوگ بھی ان کی ضروریات کا خیال رکھتے تھے۔

(خاندان سیکھواں اور میری آپ بیتی صفحہ 25,24)

(بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان 4 جون 2019ء صفحہ نمبر 12)

حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے ایک ملاقات میں فرمایا:

''تم میری سہیلی بنو گی''۔ حضرت اماں جان رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی اس شفقت اور محبت بھری گفتگو نے ان سے بے تکلف ملنے کا راستہ کھول دیا۔ اور دیار مسیح میں ''مائی کاکو'' صاحبہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور ان کی بھاوج کا آنا جانا ہو گیا''۔

(صفحہ 53 ناشر لجنہ اماء اللہ ضلع لاہور)

(کتاب خاندان سیکھوان اور میری آپ بیتی صفحہ 23)

حضرت امّ المومنین امّاں جان صاحبہؓ کی خادمہ

حضرت امیر بی بی صاحبہ رضی اللہ عنہا عرف ''مائی کاکو'' کی روایات ''سیرت المہدی''میں درج ہیں۔ آپ نے بیوگی کے بعد اپنی ساری زندگی حضرت امّ المومنین حضرت امّاں جان صاحبہ رضی اللہ عنہا اور بچگان کی خدمت میں گزاردی۔ ان کو پڑھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سیکھوانی خاندان کے

بزرگان میں کس قدر اخلاص، وفا عشق مسیح موعود علیہ السلام، حق کی جستجو اور تحصیل علم کا شوق تھا۔ اور سیّدنا حضرت مسیح موعود علیہ السلام اپنے ان عشاق کے ساتھ کس قدر شفقت اور محبت فرماتے۔ بلاشبہ یہ ہمارے خاندان کے لیے بہت بڑا اعزاز ہے۔۔

حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا کو دلہن بنتے دیکھا

حضرت یعقوب علی صاحب عرفانی ایڈیٹر الحکم لکھتے ہیں کہ:

اُن پرانی مستورات میں سے جنہوں نے حضرت اماّں جانؓ کو دلہن بنتے دیکھا اب کوئی موجود نہیں۔ البتہ مولوی جلال الدین صاحب شمسؓ کی پھوپھی جو ''مائی کاکو'' کے نام سے مشہور ہیں اور جو اماّں جانؓ کی خادمہ ہیں اور ایک عشق وشوق سے خدمت کرتی ہیں، نے مجھے سنایا کہ جب حضرت امّ المؤمنینؓ نئی نئی بیاہی ہوئی آئیں یعنی 1884ء کے نومبر یا دسمبر کے ابتدائی دنوں میں تو میں بھی قادیان آئی ہوئی تھی ۔ تو میں نے سنا مرزا صاحب ''وو ہٹی'' بیاہ کر لائے ہیں اس لئے میں دیکھنے چلی گئی۔ حضرت امّ المومنینؓ 19۔18 سال کی لڑکی تھیں۔ بالکل دبلی پتلی اور نحیف سی تھیں۔ سفید کپڑے پہنے ہوئے تھیں۔ پنجاب کے رواج کے بالکل خلاف، رنگین یا سرخ جوڑا نہ تھا۔ اس کھلے پائنچے کا غرارہ پہنے ہوئے تھیں۔ حضرت امّ المومنین رضی اللہ عنہا ہم کو دیکھ کر کمرے سے باہر آگئیں اور ہم کو جب ایک دبلی سی کم عمر لڑکی سفید لباس میں نظر آئی تو ہم کو تعجب ہوا اور ہم نے کہا ''ایہہ کس طرح دی ووہٹی (دلہن) اے''

اس کے بعد ''مائی کاکو'' صاحبہ بیان کرتی ہیں کہ:

''ہم نے پھر حضرت امّ المومنینؓ کی جو شان دیکھی اسے لفظوں میں بیان نہیں کرسکتیں۔''

(سیرت حضرت سیّدہ نصرت جہاں بیگم، مرتبہ شیخ محمود احمد عرفانی، شیخ یعقوب علی عرفانی صفحہ 216،215)

محترمہ امتہ المنان قمر صاحب اہلیہ میر غلام احمد صاحب نسیم اپنی کتاب ''خاندان سیکھوان اور میری آپ بیتی ''میں لکھتی ہیں کہ: جب میں 1991ء کے جلسہ سالانہ قادیان پر گئی تو محترمہ صاحبزادی امتہ النصیر صاحبہ مرحومہ بیگم پیر معین الدین صاحبہ مرحوم مجھے بازو سے پکڑ کر ''دیار مسیح'' کے ایک کمرے کی طرف لے گئیں کہ یہ وہ کمرہ ہے جہاں ''مائی کاکو'' رہا کرتی تھیں۔

اس کے بعد امریکہ میں مجھے محترمہ صاحبزادی امتہ الرشید بیگم میاں عبد الرحیم احمد صاحب مرحوم نے بتایا کہ :

''یہ وہ کمرہ ہے جہاں حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے چھ ماہ کے روزے رکھے تھے اور نور کی مشکیں آب زلال کی صورت میں اس کمرہ میں انڈیلی گئی تھیں۔ اور آپ کو بتایا گیا تھا کہ یہ نور اس درود شریف کی وجہ سے انڈیلا گیا ہے، جو آپ کثرت سے آنحضرت ﷺ پر بھیجا کرتے تھے''۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں:

''ایک رات اس عاجز نے اس کثرت سے درود شریف پڑھا کہ دل و جان اس سے معطر ہوگیا۔ اسی رات خواب میں دیکھا کہ آب زلال کی شکل پر نور کی مشقیں اس عاجز کے مکان میں لئے آتے ہیں اور ایک نے ان میں سے کہا کہ یہ وہی برکات ہیں جو تو نے محمد صلّی اللہ علیہ وسلم کی طرف بھیجی تھی۔''

(روحانی خزائن جلد 1، براہین احمدیہ حصّہ چہارم، صفحہ 589 حاشیہ در حاشیہ نمبر 3)

صحابیہ رضی اللہ عنہا سے ملاقات

جب میری والدہ صاحبہ اپنی بزرگ پھوپھی جانؓ ''مائی کاکو'' اور دیگر رشتہ داران کو ملنے کی غرض سے احمد نگر سے ربوہ آتیں تو مجھے بھی ساتھ لے لیتی تھیں۔ اس وقت میں سات یا آٹھ سال کا ہوں گا۔ ایک دفعہ جب والدہ صاحبہ حضرت ''مائی کاکو'' صاحبہؓ کو ملنے ربوہ اُئیں تو آپؓ غالباً حضرت مولانا جلال الدین صاحب شمسؓ کے ہاں رہائش پذیر تھیں۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ آپؓ ایک چارپائی پر جس پر خوبصورت پھول دار چادر بچھی ہوئی تھی، تشریف فرما تھیں اور بچوں میں ٹافیاں تقسیم کر رہی تھیں، والدہ صاحبہ اپنی پھوپھی جان صاحبہ سے محو گفتگو تھیں۔ اور میں اپنی والدہ کے بازو کے ساتھ لپٹا ہوا تھا۔ انہوں نے (''حضرت مائی کاکو'' صاحبہؓ) نے مجھے اپنے پاس بلایا اور والدہ صاحبہ نے مجھے ان کے پاس کر دیا تو مجھے پیار کیا اور ٹافیاں دیں۔ بس مجھے اتنا ہی یاد ہے اور یہ میرے لیے بہت بڑے اعزاز کی بات ہے۔

(بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان 4 جون 2019ء صفحہ 12)

حضرت صاحبزادہ ڈاکٹر مرزا منور احمد صاحب نے ایک دفعہ مجھ سے فرمایا کہ:

''مائی کاکو صاحبہؓ'' کا حضرت اماّں جانؓ کے ساتھ بہت اعتماد کا رشتہ تھا

۔حضرت اماّں جانؓ جہاں کہیں جاتی تھیں تو''مائی کاکو''ہمیشہ ان کے ساتھ ہوتی تھیں۔ ہمارے خاندان میں ان کا بہت ذکر تھا۔اس وجہ سے ہمارے خاندان کے افراد انہیں ''اماّں مائی کاکو'' کے نام سے پکارتے اور بہت عزت کرتے تھے۔نیز فرمایا کہ:

''آپ بہت ہمدرد تھیں اور نیکی کے کام میں پیش پیش ہوتی تھیں''

اللہ تعالیٰ ''مائی کاکو'' کے درجات بلند سے بلند تر کرتا چلا جائے اور انہیں اپنے قرب میں جگہ دے آمین۔

(بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان 4 جون 2019 صفحہ 12)

محترمہ صاحبزادی آصفہ مسعودہ بیگم صاحبہ اہلیہ صاحبزادہ ڈاکٹر مبشر احمد صاحب مرحوم آف لاہور نے مجھے بتایا کہ:

''ایک دفعہ حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ نے چندہ کی تحریک کی ''مائی کاکو'' صاحبہؓ کے پاس کوئی رقم نہ تھی ۔آپ ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر تنہائی میں پورے خشوع وخضوع کے ساتھ دعا میں مصروف ہوگئیں ۔کہ اے اللہ تو مجھے پیسے دے تا میں چندہ دے سکوں۔خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ اس درخت سے ایک کپڑے کی پوٹلی گری جس میں کچھ رقم تھی آپؓ وہ رقم حضرت خلیفۃ المسیح الثانیؓ کے پاس لے گئیں کہ یہ چندہ میں لے لیں،اور سارا واقعہ بھی سنایا۔آپؓ نے اس کے لیے کافی اعلان کروائے کہ اگر کسی کی رقم ہو تو وہ آ کر لے جائے مگر کوئی نہ آیا اور جب کافی عرصہ کے بعد یقین ہوگیا کہ اس کا مالک کوئی زمینی انسان نہیں تب وہ رقم چندہ کے لئے لے لی گئی۔

(کتاب خاندان سیکھوان اور میری آپ بیتی صفحہ 25)

حضرت ''مائی کاکو'' صاحبہ رضی اللہ عنہا پانچ ہزاری مجاہدین میں شامل تھیں

محترمہ صاحبزادی امتہ الشکور بیگم صاحبہ بنت حضرت خلیفۃ المسیح الثالث رحمہ اللہ تعالیٰ سیرت حضرت اماّں جانؓ بیان کرتی ہیں کہ:

''حضرت اماّں جان صاحبہؓ ہماری قادیان والی کوٹھی النصرت میں پیدل سیر کرتی ہوئی تقریباً روزانہ صبح صبح تشریف لاتیں حضرت اماّں جانؓ کے ساتھ اکثر ''مائی کاکو'' ہوتیں۔وہاں سے پھول اور پھل توڑ کر ہم ٹوکری میں ڈال کر ان کو دے دیتے۔''

(کتاب خاندان سیکھوان اور میری آپ بیتی،صفحہ 26)

بعض روایات کے مطابق حضرت ''مائی کاکو صاحبہؓ'' نے دو حج اور بعض کے مطابق تین بار حج کرنے کی سعادت حاصل کی۔

دوران حج تکالیف کا سامنا

آپ کو حج کے دوران تکلیف کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے مثلاً صفا اور مروہ کے درمیان سعی کرتے ہوئے آپؓ کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے اور اسی طرح حج کے دوران چلتے ہوئے آپؓ دُور کسی ایسے مقام کی طرف چلی گئیں جہاں پر کسی تیز دھار اوزار سے آپ کا پاؤں کٹ گیا آپ نے خود ہی پٹی کر لی اور اسی حالت میں اپنا سفر مکمل کیا

ڈاکٹر سے مشورہ

آپؓ نے اس تکلیف کے بارہ میں ڈاکٹر میر محمد اسماعیل صاحبؓ سے ذکر کیا تو مکرم ڈاکٹر صاحبؓ موصوف نے فرمایا کہ:۔

''چلتی رہو بیٹھنا نہیں ورنہ پھر چل نہ سکوں گی۔ دودھ اور جلیبیاں کھاتی رہو''۔

آپؓ مکرم میر محمد اسماعیل صاحبؓ کے اس مشورہ کا اکثر ذکر کیا کرتی تھیں۔

(بحوالہ خاندان سیکھواں اور میری آپ بیتی صفحہ 26)

حضرت امیر بی بی صاحبہؓ کی بیان کردہ روایات رجسٹر روایات صحابہ میں درج ہیں۔آپ کی ایک روایت سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز نے اپنے خطبہ جمعہ فرمودہ 27 اپریل 2012ء میں بیان فرمائی ہے۔

''حضرت مائی کاکو صاحبہؓ بیان کرتی ہیں کہ ایک دفعہ ہم چند عورتیں سیکھواں سے حضور کی ملاقات کے لیے آئیں۔مولوی قمرالدین صاحب کی والدہ نے مجھے کہا کہ ہمیں مغرب کی نماز روز عشاء کی نماز کے ساتھ پڑھنی پڑتی ہے،کاموں کی مصروفیت کی وجہ سے ،کیا کریں۔حضرت صاحب سے فتویٰ پوچھو۔میں (مائی کاکو صاحبہؓ) نے حضور کی خدمت میں عرض کی کہ عورتوں کو بچوں کی وجہ سے مغرب کی نماز میں دیر ہو جاتی ہے کیا کریں۔فرمایا میں تو نہیں سمجھتا کہ اگر پوری کوشش کی جائے تو دیر ہو جائے۔لیکن اگر مجبوری ہو تو عورتوں کو چاہیئے کہ

عشاء کی نماز مغرب کے ساتھ جمع کریں ۔ کیونکہ جس طرح صبح کے وقت فرشتے اترتے ہیں ویسے ہی مغرب کے وقت بھی اترتے ہیں ۔ (ایسے مغرب اور عشاء کی نماز اگر جمع کرنا پڑے تو مغرب کے وقت جمع کرنا بہتر ہے)

''مائی کاکو'' صاحبہ نے روایت کے وقت کہا کہ اس وقت سے لے کر آج تک ہم نے یہ انتظام رکھا ہے کہ مغرب کی نماز سے پہلے پہلے کھانا تیار کر کے بچوں کو کھلا دیتی ہیں ۔ اور پھر مغرب کی نماز کے لیے فارغ ہو جاتی ہیں ۔''

(ماخوذ از رجسٹر روایات صحابہ غیر مطبوعہ، جلد 12 صفحہ 209)

(بحوالہ ہفت روزہ بدر قادیان 4 جون 2019ء صفحہ 12)

حضرت امیر بی بی صاحبہ صحابیہؓ المعروف ''مائی کاکو'' کی روایات

آپ رضی اللہ عنہا کی بیان کردہ روایات رجسٹر روایات صحابیہ میں درج ذیل ہیں ۔

849، 850، 851، 852، 1430، 1437، 1439

ان روایات کا ذکر ''سیرت المہدی علیہ السلام'' مرتبہ حضرت قمر الانبیاء صاحبزادہ مرزا بشیر احمد صاحب ایم اےؓ میں تفصیل درج ذیل ہے جن کا ذکر بالترتیب پیش ہے

روایت نمبر ۔(849) بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔ مائی امیر بی بی عرف ''مائی کاکو'' کو ہمشیرہ میاں امام الدین صاحب سے سیکھوانی نے مجھ سے بیان کیا کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام بیشتر طور پر عورتوں کو یہ نصیحت فرمایا کرتے تھے کہ نماز باقاعدہ پڑھیں ۔ قرآن مجید کا ترجمہ سیکھیں اور خاوندوں کے حقوق ادا کریں جب کبھی کوئی عورت بیعت کرتی تو آپ عموماً پوچھا کرتے تھے ۔ کہ تم قرآن شریف پڑھی ہوئی ہو یا نہیں ۔ اگر وہ نہ پڑھی ہوئی ہوتی تو نصیحت فرماتے کہ قرآن شریف پڑھنا سیکھو ۔ اور اگر صرف ناظرہ پڑھی ہوتی تو فرماتے کہ ترجمہ بھی سیکھو ۔ تاکہ قرآن شریف کے احکام سے اطلاع ہو اور ان پر عمل کرنے کی توفیق ملے ۔''

(سیرت المہدی علیہ السلام جلد اوّل، حصہ سوم روایت نمبر 849 صفحہ نمبر 759 ، ایڈیشن 2008ء قادیان)

روایت نمبر (850)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ''مائی کاکو'' نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میرے سامنے میاں عبد العزیز صاحب پٹواری سیکھواں کی بیوی حضرت مسیح موعود علیہ السلام کے لیے کچھ تازہ جلیبیاں لائی ۔ حضرت صاحب ان میں سے ایک جلیبی اٹھا کر منہ میں ڈالی ۔ اس وقت ایک راولپنڈی کی عورت پاس بیٹھی تھی ۔ اس نے گھبرا کر حضرت صاحب سے کہا ۔ حضرت یہ تو ہندو کی بنی ہوئی ہیں ۔ حضرت صاحب نے کہا تو پھر کیا ہے ۔ ہم جو سبزی کھاتے ہیں ۔ وہ گوبر اور پاخانہ کی کھاد سے تیار ہوتی ہے ۔ اور اسی طرح بعض اور مثالیں دے کر اسے سمجھایا ۔''

(سیرت المہدی علیہ السلام جلد اوّل، حصہ سوئم ، روایت نمبر 850، صفحہ 759)

روایت نمبر (851)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔''مائی کاکو'' نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ میرے بھائی خیر دین کی بیوی نے مجھ سے کہا کہ شام کا وقت گھر میں بڑے کام کا وقت ہوتا ہے ۔ اور مغرب کی نماز عموماً قضا ہو جاتی ہے ۔ تم حضرت مسیح موعود علیہ السلام سے دریافت کرو کہ ہم کیا کریں؟ میں نے حضرت صاحب سے

دریافت کیا کہ گھر میں کھانے وغیرہ کے انتظام میں مغرب کی نماز قضا ہو جاتی ہے ۔ اس کے متعلق کیا حکم ہے ۔ حضرت صاحب نے فرمایا ۔ میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا ۔ اور فرمایا صبح و شام کا وقت خاص طور پر برکات کے نزول کا وقت ہوتا ہے ۔ اور اس وقت فرشتوں کا پہرہ بدلتا ہے ۔ ایسے وقت کی برکات سے اپنے آپ کو محروم نہیں کرنا چاہیے ۔ ہاں کبھی مجبوری ہو تو عشاء کی نماز سے ملا کر مغرب کی نماز جمع کی جا سکتی ہے ۔''مائی کاکو'' نے بیان کیا کہ اس وقت سے ہمارے گھر میں کسی نے مغرب کی نماز قضا نہیں کی اور ہمارے گھروں میں یہ طریق عام طور پر رائج ہو گیا ہے کہ شام کا کھانا مغرب سے پہلے ہی کھا لیتے ہیں ۔ تاکہ مغرب کی نماز کو صحیح وقت پر ادا کر سکیں ۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ ' مائی کاکو' نے جو قضا کا لفظ استعمال کیا ہے یہ عرف عام میں غلط طور پر استعمال ہونے لگا ہے ۔ ورنہ اس کے اصلی معنے پورا کرنے اور ادا کرنے کے ہیں نہ کہ کھونے اور ضائع کرنے کے ۔ مجھے اس کا اس لیے خیال آیا کہ مجھے یاد ہے کہ حضرت صاحب نے بھی ایک جگہ اس لفظ کے غلط استعمال کے متعلق ذکر کیا ہے ۔

(سیرت المہدی علیہ السلام، جلد اوّل حصہ سوم ، روایت نمبر 851 صفحہ 759، 760)

روایت نمبر(852)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔مائی کا کو نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دفعہ حضرت صاحب نے جماعت میں بکروں کی قربانی کا حکم دیا تھا۔تو ہم نے بھی اس ارشاد کی تعمیل میں بکرے قربان (صدقہ) کروائے تھے۔اس کے کچھ عرصہ بعد میں نے خواب دیکھا۔کہ ایک بڑا بھاری جلوس آرہا ہے۔اوراس جلوس کے آگے کوئی شخص رتھ میں سوار ہوکر چلا آرہا ہے۔جس کے اردگرد پردے پڑے ہوئے ہیں۔اور لوگوں میں شور ہے کہ محمد ﷺ آگئے ہیں۔میں نے آگے بڑھ کر رتھ کا پردہ اٹھایا تو اس میں حضرت مسیح موعود علیہ السلام تشریف رکھتے تھے۔آپ نے مجھے دیکھ کرفرمایا کیاتم نے صدقہ نہیں کیا؟میں نے کہا۔حضور ہم نے تو صدقہ کروادیا ہے۔آپ نے فرمایا اور کروادو۔چنانچہ میں نے اور صدقہ کروادیا۔اس زمانہ میں دوروپیہ میں بکرامل جاتا تھا۔اور ہم نے پانچ پیسے میں سیر گوشت خریدا ہے۔

خاکسار عرض کرتا ہے کہ یہ غالباً اس زمانہ کی بات ہے جب حضرت صاحب 1905ء والے زلزلے کے بعد باغ میں جاکر ٹھہرے تھے۔

(سیرت المہدی علیہ اسلام،جلداوّل،حصّہ سوم،روایت نمبر852،صفحہ 760)

روایت نمبر(1430)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔''مائی کاکو'' صاحبہؓ نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بزریعہ تحریر بیان کیا کہ ہم آٹھ عورتیں بیعت کرنے کو آئیں۔میری ممانیاں اور میری بھاوجیں۔باہر سے ایک لڑکا آیا کہ ایک آدمی کا کھانا دے دو۔حضور علیہ السلام......واماّں جان سامنے بیٹھے تھے وہ لڑکا کھڑارہ کر چلا گیا۔کھانا پکانے والی نے کچھ پرواہ نہ کی۔حضرت اماّں جان نے کھانا پکانے والی کو کہا''تم نے کیوں اس کو کھانا نہیں دیا؟''اور کہا کہ''جب کوئی سفید کپڑے والا آتا ہے توتم اس کو کھانا کھلاتی ہومگر میلے کپڑے والے کی پرواہ نہیں کرتی''اماّں جان نے اس کو نکال دیا۔

(سیرت المہدی علیہ السلام،جلداوّل،حصہ پنجم،روایت نمبر 1430 صفحہ 248،247)

روایت نمبر(1437)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔''مائی کاکو'' صاحبہؓ نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بذریعہ تحریر بیان کیا کہ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ہمارے گاؤں سیکھواں سے کچھ عورتیں آئیں جن میں منشی عبدالعزیز پٹواری کی بیوی بھی تھی۔جو ایک ایک ٹوکری میں تازہ جلیبیاں لائی۔حضور علیہ السلام پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ایک خادمہ پاؤں دبا رہی تھی۔جلیبیوں کا رنگ بہت خوشنما تھا۔ٹوکری لاکر اس نے حضورؑ کے سرہانے کی طرف پلنگ پر رکھ دی۔حضور علیہ اسلام نے ایک جلیبی اٹھا کر کھائی۔پیر دبانے والی خادمہ نے کہا کہ حضورؑ یہ جلیبیاں ہندوؤں کے ہاتھ کی بنی ہوتی ہیں۔آپ نے فرمایا کہ''ترکاریاں جو ہم روز کھاتے ہیں یہ گوبر کی کھاد کی بنی ہوئی ہیں۔دھودھا کر ہمارے آگے رکھ دیتے ہیں ہم کھالیتے ہیں۔''

(سیرت المہدی علیہ السلام، جلداوّل، حصہّ پنجم روایت1437،صفحہ 250)

روایت نمبر(1439)

بسم اللہ الرحمن الرحیم ۔''مائی کاکو'' صاحبہؓ نے بواسطہ لجنہ اماء اللہ قادیان بزریعہ تحریر بیان کیا کہ ہمارے زمانہ میں جو بھی کوئی عورت آتی حضورؑ کو سلام کرتی۔حضور علیہ السلام......وعلیکم سلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ کے بعد فرماتے۔کیا خدا کو جانتی ہو؟رسول کو جانتی ہو؟ نماز پڑھتی ہو؟ قرآن پڑھتی ہو؟ قرآن شریف کا ترجمہ بھی پڑھا کرو،تاکہ تم کو سمجھ آجائے اس میں کیا حکم ہے؟

(سیرت المہدی علیہ السلام، جلداوّل،حصہ پنجم،روایت 1439 صفحہ 251،250)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁

ایک پیاری دعا

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوۃِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ

(ابراہیم:41)

ترجمہ:اے میرے ربّ! مجھے نماز قائم کرنے والا بنا اور میری نسلوں کو بھی۔اے ہمارے ربّ!اور میری دعا قبول کر۔

یہ حضرت ابراہیمؑ علیہ السلام کی اپنی اور اپنی نسلوں کی نیکی اور عبادات پر قائم رہنے کی عظیم الشان دعا ہے۔

❁❁❁❁❁❁❁❁❁



میں اللہ خوب جاننے والا ہوں

طارق بلوچ (کیل جرمنی)

عبد اور معبود کے درمیان قائم رشتہ اگر مستحکم ہو جائے تو پھر زیست کی شاہراہ سے ٹکرانے والی ہر لہر، خواہ وُہ خوشی کی ہو یا غمی کی، انسان اپنا توازن برقرار رکھتا ہے۔ اعتدال پر رہتا ہے۔ انسانی زندگی میں آنے والا سب سے زیادہ تکلیف دہ مرحلہ اپنے پیاروں سے بچھڑ جانے کا ہوتا ہے۔ غم، انسان کو مار دیتا ہے۔ عہدِ غفلت میں تو بطورِ خاص۔ اور اگر انسان اس حالت میں غم کی کیفیت سے دوچار ہو کہ اس کا اپنے رب کے ساتھ رشتہ (جو ایک جاری وساری عمل ہے) جڑ پکڑ چکا ہے تو پھر موج بڑھے یا آندھی آئے، یہ احساس یہ یقین اس کے غم کی شدت کو کم کر دیتا ہے۔ مگر اُسی قدر جس قدر اس کی معرفت بڑھی ہوتی ہے۔ یقیناً، ایسی صورت میں بھی بتقضائے بشریت بچھڑنے والوں کی یادیں تو برابر آتی اور ستاتی ہیں، لیکن جُدائی کا کرب اسے شوروغوغا، گلے شکوے اور شرک کی راہ پر نہیں ڈالتا۔ بلکہ ایسے لمحاتِ غم (یا وقت ابتلاء) میں تو وہ اور بھی اپنے رب کے قریب ہو جاتا اور اس کی رضا پہ راضی رہتا ہے۔ ہر منزل سے منزل آشنا ہو کر آگے گزر جاتا ہے۔ کہ جانتا ہے اللہ کے سوا ہر شے فنا ہونے والی ہے۔ اور اُسی کا جاہ وحشم باقی رہے گا جو صاحب جلال و اکرام ہے۔ غموں میں سب سے بھاری غم ماں باپ سے جُدائی کا غم ہوتا ہے۔ کہ ان کے بعد، ان کے بغیر زندگی بے مزہ اور بے کیف سی ہو جاتی ہے۔ اس کے سب رنگ پھیکے پڑ جاتے ہیں۔ انسان اپنے داخلی خلاؤں میں کہیں دور گم ہو جاتا ہے، کھو جاتا ہے۔ میں مختلف اوقات میں دونوں جاں گسل لمحوں سے گزر چکا ہوں۔ جب امی جان کا انتقال ہوا تب میں باخداً تو تھا ہی، مگر اپنی شامتِ اعمال کی وجہ سے ایسا باعمل نہیں تھا کہ اس رشتے (عبد اور معبود کا) کے استحکام کے لیئے مطلوب تقاضے بھی پورے کرتا۔ سو اس داغِ جُدائی نے تو مجھے مار ہی ڈالا۔ کیونکہ اس ہولناک صدمے نے مجھے میرے عہدِ غفلت میں، اچانک آن لیا تھا۔ مجھ میں شاید کچھ اچھا بھی تھا (اور وہ اچھا بھی میری کسی ذاتی کوشش یا مجاہدے کا نتیجہ نہیں، بس میرا خون اپنے اوصاف کے ساتھ میری رگوں میں دوڑ رہا تھا) مگر وقت اور حالات کا دھارا کچھ ایسے رُخ بہہ رہا تھا کہ مجھے اپنی فطری خوبیوں یا فکری رویوں کو صیقل کرنے کا کوئی خاص موقع نہیں مل رہا تھا۔ اور پھر ایک روز کیا ہوا؟ معاً میری ماں مرگئ!! اُدھر اُس سراپا شفقت ہستی کی آنکھ بند ہوئی، اِدھر میری آنکھ کُھل گئ۔ مُجھے یوں لگنے لگا جیسے میری ماں میری (پاکستان) واپسی کی راہ تکتے تکتے خود تو رُخصت ہو گئ، لیکن جاتے جاتے مُجھے ایک نئ زندگی سے ہمکنار کر گئ۔ ماں اور ماں کی مامتا کے بغیر جب میں نے صحرا ایسی اپنی اس نئ زندگی میں پہلا قدم رکھا تو سب سے پہلے مجھے جس چیز کا سامنا کرنا پڑا وہ حیرت تھی۔ ہیں، یہ کونسی جگہ ہے؟ یہ کیسا دیار ہے نہ ماں نہ ماں کی چھتر چھایہ، اور نہ ہی وہ دُعائے نیم شب۔ بھلا یہ بھی کوئی زندگی ہے؟ زندگی شاید اسی کا نام ہے۔ دوریاں، مجبوریاں، تنہائیاں! اِس بے ثبات زندگی کی مُجھ پر بُہت ساری پرتیں کُھل گئیں۔ اَب میں ایک نئے سفر، ایک نئے دبستاں کی طرف چل پڑا تھا۔ اِس سفر میں جہاں مُجھے قدم قدم پر ماں کا سفرِ آخرت یاد آیا، وہاں ساتھ ہی ساتھ یہ میرے لیئے (مگر میرے مناسبِ حال) فکری اور علمی اور عملی ارتقاء کا بھی ایک سبب بنا۔ میں سوچتا، آخر کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے؟ اِس سوچ، زندگی کے اِس بنیادی سوال کے زیرِ اثر میں اپنی (26) نومبر 1995ء والی حالت سے بتدریج آگے نکلتا گیا۔ پہلے اگر ایسا سوچتا تھا تو بغیر ضربِ کلیمی کے۔ مگر اب ماجرا دوسرا تھا۔

کلامِ الٰہی میں میری دلچسپی بڑھ گئی۔ پنجوقتہ نمازوں کی عادت بھی ہوتے ہوتے جڑ پکڑ گئی۔ اِس حد تک کے اَب گا ہے خیال آتا ہے کہ یہ (نماز) تو مر کر ہی چھوٹے گی۔ میں یہاں ذاتی یا دینی باتیں نہیں، احوالِ دل لکھ رہا ہوں۔ تاہم برسبیل تذکرہ یہ لکھنے میں حرج ہی کیا ہے کہ نماز، اُس کے رکوع وسجود، کلمات اور اوقات گویا اُس کی ہر حالت ہر مرحلے اور ہر لمحے میں ایک طمانیت اور زبردست حکمت پوشیدہ ہے۔ یہ یونہی فرض نہیں کی گئی۔ نماز کو اگر

اُس کی جگہ جُملہ شرائط کے ساتھ قائم کیا جائے تو یہ ایسے ہی ہے جیسے عبد اور معبود کے درمیان رابطے کی ہارٹ لائیں۔ خیر، یہ مسافر جو ابھی راہگزر میں ہے۔ چلتے چلتے، آج سے ٹھیک دس سال قبل جب ستمبر 2011ء میں پہنچا تو اِسے ایک روز دوسری قیامتِ صغریٰ کا بھی سامنا کرنا پڑ گیا۔ غم کا ایک اور پہاڑ ٹوٹا۔ پیارے ابا جان محترم ناصر احمد ظفر بھی (12 تاریخ کو) ساتھ چھوڑ گئے۔ جو گزشتہ سولہ سالوں سے بیک وقت دُہرے فرائض ادا کر رہے تھے۔ وہ ہم سب بہن بھائیوں کے لیئے مادرِ مہرباں بھی تھے اور شفقتِ پدری کا شہکار بھی۔ ایسے شفیق، بے ریا بے غرض اور بے لوث وجود کم ہی دیکھنے کو ملتے ہیں جو سب کے دُکھ درد اپنے سینے میں اُٹھائے پھرتے ہیں۔ فیض کے اسباب بناتے ہیں۔ میں یہ بات بیٹے کے نہیں، بطور ایک غیر جانبدار مُبصر کے کہتا اور حلفاً کہتا ہوں کہ جلتی دُھوپ میں چھاؤں جیسا تھا وہ! مگر اِس سب کچھ کے باوجود میرا ردِعمل 1995ء سے مختلف تھا۔ وجہ میں لکھ آیا ہوں۔ اَب معبودِ حقیقی کا اِس عبدِ حقیر کے ساتھ دوسرا معاملہ تھا۔ وہی معاملہ جو عہدِ جُدائی میں جنم لیتا اور جس کے بارہ میں میرے مُرشد نے فرمایا "مفارقت میں بھی ایک کشش ہوتی ہے جو محبت کے مدراج عالیہ پر پہنچاتی ہے۔ اللہ تعالی نے اُس کو بھی ایک ذریعہ قرار دیا ہے کیونکہ اِس سے تعلق اور کرب میں ترقی ہوتی ہے۔ اور روح میں ایک بیقراری اور اضطراب پیدا ہوتا ہے جس سے وہ دُعاؤں کی روح اِس میں نفخ کی جاتی ہے کہ وہ آستانہ اُلوہیت پر یارب یارب کہہ کر اور بڑے جوش اور شوق اور جذبہ کے ساتھ دوڑتی ہے۔ سو گزرے ماہ و سال میں جس قدر اور جیسی بھی میری مثبت سمت کی طرف پیشرفت ممکن ہوئی، اُسی قدر میرا عہدِ غفلت کہیں پیچھے کھسکتا چلا گیا۔ کہ اَب درد کے ساتھ دوا بھی تھی۔ ایسے میں جب بھی میرے دل کی بے قراری بڑھتی، درد کی یہی دوا، معرفت کا یہی احساس میرے دلِ ناصبور کو قرار بخش دیتا۔ یہی وجہ ہے کہ میں اِس (دوسرے) غم کو نسبتاً آسانی کے ساتھ سہہ گیا۔ باوجودیکہ یہ کوہِ غم بھی میرے (بلکہ شاید ہم سب کے) لیئے کچھ یُوں قبل از وقت تھا کہ میں پیارے ابّا جان کی ظاہری صحت اور متحرک زندگی کو دیکھتا تو اندر ہی اندر ایک خیال سا اُبھرتا کہ ابّا جان اسی نوے سال تک تو انشاء اللہ ضرور ہی جئیں گے۔ مگر وہ میری اس اُمید اِس خوش گُمانی کے برعکس، اسی برس کی عمر پانے سے بھی قبل، یہی کوئی 78 برس کے لگ بھگ ہمیں داغِ مفارقت دے گئے۔

تب مجھے پھر حضرت علیؓ کرم اللہ وجہہ کا اس مفہوم کا وہ فرمان یاد آیا کہ میں نے اپنے ارادوں اور خواہشوں کی ناکامی سے اپنے رب کو پہچانا۔ ایک وہ وقت تھا جب میں اُس کی تلاش کے مرحلے میں تھا، اب یہ وقت کہ اُسے پہچاننے بھی لگا۔ یہ دونوں گھڑیاں جو مجھ پر گزریں، اگرچہ بہت تلخ اور سخت تھیں مگر مجھے بہر حال میرا دلبر مل گیا۔ یقیناً، اللہ تعالی کا علم ہر شے پر مُحیط ہے۔ میری تو ابّا جان کی زندگی اور عمر کے سلسلہ میں ایک خواہش تھی، ایک خیال تھا جو عمل میں نہیں ڈھلا۔ سو اس سبب سے شروع دنوں میں تو ایک شکوہ ہائے رنگین بھی دل سے نکلتا مگر پھر بعد کے حالات و واقعات جو اگلے چند سالوں میں ہمیں دیکھنے کو ملے، اللہ تعالی نے اپنے اِس راز سے بھی پردہ اُٹھا دیا۔ ہمیں اپنی مصلحت اور حکمت سے آگاہ کرتے ہوئے یہ باور کروایا کہ میں اللہ خُوب جاننے والا ہوں (سورۃ الرعد)۔ مثلاً 2015ء تک پہنچتے پہنچتے ہم نے جو دیکھا، وہ اگر ابّا جان بھی دیکھ لیتے یا اُن کی موت کے معین دن میں صرف چار سال کی ہی توسیع ہو جاتی تو مجھے یقین ہے ان سالوں میں انہیں بار بار موت کا پیالہ پینا پڑتا۔ اور وہ بالآخر اپنے اُس اُجڑے دِیار کو دیکھ کر جس میں انہوں نے بڑی بھرپور اور باوقار زندگی گزاری تھی، چلا اُٹھتے ؎

کہوں کس سے میں؟ کہ کیا ہے، شبِ غم بُری بلا ہے
مجھے کیا بُرا تھا مرنا؟ اگر ایک بار ہوتا

ایک سال کے اندر اندر ابّا جان کا ایک بہت پیارا، متوکل اور اکل کھرا بھائی مبارک احمد ظفر اور ایک بہن، دونوں ہی آگے پیچھے وفات پا گئے۔ پھر علاقے کی ایک اور سیاسی اور سماجی شخصیت مہر سکندر حیات لالی، جو ابّا جان کے ساتھ باہمی احترام اور دوستی کا ایک مضبوط رشتہ رکھتے تھے اور اُن کی وفات کے بعد جس طرح وہ ہمارے غم میں برابر کے شریک رہے، اور پھر اُنہی دنوں، مہر صاحب کا چھوٹے بھائی آصف کو یہ کہنا کہ مصروفیت آڑے آتی رہی وگرنہ مجھے تو آپ کے ساتھ سَتھر (وہ جگہ جہاں لوگ اہلِ خانہ سے ماتم پُرسی کے لیئے آتے ہیں) پر بیٹھنا چاہیے تھا۔ یہ گویا اُن کا اپنے مرحوم دوست

کے ساتھ کمال محبت اور اپنائیت کا ایک کُھلا اعتراف تھا۔صرف یہی نہیں ، بعد ازاں اُنہوں نے ابّا جان کے ساتھ وابستہ اپنی حسین یادوں کو گھر آ کر قلمبند بھی کروایا۔ لاَ ریَب اس دلنواز اور بامروت شخص کی ناگہاں وفات کی خبر بھی اباجان کے لیئے نہایت تکلیف دہ ثابت ہوتی۔چوتھی دفعہ اباجان کو اُس وقت صدمے کی کیفیت سے گُزرنا پڑتا جب اِسی معزز قبیلہ سے تعلق رکھنے والے اُن کے ایک اور دوست مہر نور سلطان لالی مرحوم جنہیں وہ مردِ آہن کے نام سے یاد کرتے اور اُن کی دوستی کو سدا بہار قرار دیتے تھے، اُن کا اکلوتا اور لاولد بیٹا مہر اشفاق جو براہِ راست اباجان سے تو کیا شاید زمانے بھر سے ہی کچھ یوں الگ تھلگ سا رہتا کہ گویا اقبالؒ کی یہ بات اُس کے دل میں گھر کر گئی تھی

یہ مال و دولتِ دنیا ، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وھم وگماں ! لاالہٰ اِلاّ اللہ

اس کی ترجیح اول دنیا نہیں ، آخرت ٹھہری۔اور اپنی اسی فکر کے زیرِ اثر اشفاق عمر بھر اپنے عمل کے دفتر کو ہی سنوارتا اور سجاتا رہا۔علاقے بھر میں یہی اُس کی بڑی شناخت تھی۔اللہ ہو، اللہ ہو، اللہ ہو! وہ فریضہ حج کی ادائیگی لیئے گیا تو وہاں ایک ٹریفک حادثے میں شہید ہوگیا۔اور پھر وہیں حجاز مقدس کی خاک اوڑھے ابدی نیند سو گیا۔شاید اُس کی وصیت بھی یہی تھی۔ مجھے یقین ہے ابّا جان اپنے عزیز دوست کے صالح بیٹے کی بے وقت وفات کی خبر سُن کر بہت دُکھی ہوتے۔اور کچھ عجب نہیں وہ دُکھ کے اُس لمحے میں اپنے مرحوم دوست کی جگہ پر کھڑے ہوتے۔ ابّا جان ، جیسا کہ میں نے اُنہیں دیکھا اور جانا ، اُن کی فطرت میں عہدِ دوستی کا بڑا قیمتی جوہر تھا۔ وہ دوستوں کے دوست ، مخلص اور محسن دوستوں کے تو اور بھی زیادہ دوست اور قدردان تھے۔اور اُن کا یہ مرحوم دوست تو ابّا جان سے اس حد تک محبت کرتا تھا کہ مجھے اپنے عہدِ بچپن کی وہ دُھندلی سی یاد ابھی تک نہیں بھولی کہ نصف صدی قبل، ۱۹۶۹ء میں جب ابّا جان کا اپنڈکس (APPENDIX) کا آپریشن ہوا تو انکل نور سلطان نے یہ دیکھ کر کہ احمد نگر اور گردونواح کے لوگ آرام کے دنوں میں بھی انہیں چین سے نہیں بیٹھنے دیتے ، وقت بے وقت اپنے اپنے کاموں کے لیئے چلے آتے اور آرام میں خلل کا باعث بنتے ہیں تو وہ بندہ خدا،ھم سب کو اُٹھا کر اپنے گاؤں ، اپنے قلعہ نُما گھر لے گیا۔اور بحالی صحت تک ہمیں اپنا مہمان بنائے رکھا۔**جزاک اللہ خیرًا**۔

ایسے ہی کربناک لمحات کا ابّا جان کو پانچویں دفعہ اُس وقت سامنا کرنا پڑتا جب اُنہیں یہ افسوسناک خبر سُننے کو ملتی کہ اُن کا ایک نہایت مخلص اور جانثار ساتھی ولی محمد آرائیں بھی اپنے ڈیرے پر ہونے والے ایک اتفاقی حادثہ کے نتیجہ میں اور ناگہاں طور پر اس جہانِ آب وگِل سے رُخصت ہو گیا۔میں نے اس پیارے انسان کو، ہمیشہ اور ہر موسم میں سائے کی طرح ابّا جان کے ساتھ ساتھ دیکھا۔سائے کے بارے میں مشہور ہے کہ یہ بُرے وقتوں میں انسان سے جُدا ہو جاتا ہے، لیکن انکل ولی محمد نے اپنے پورے قد اور جرأت کے ساتھ اس روائتی تاثر کی نفی کی۔وہ زندگی کے ہر موڑ اور ہر مرحلے پر وفاداری بشرط استواری کا کامل نمونہ بنے ، دوستی دُشمنی والے اس ماحول میں ابّا جان کے ساتھ کھڑے نظر آئے۔بقول آصف بھائی کے انکل ولی جب جب بھی ابّا جان کا ذکرِ خیر کرتے ، اُن کی آنکھیں یُوں بھیگ بھیگ جاتیں جیسے کہہ رہے ہوں ؎ مت سمجھو ہم نے بھُلا دیا ! چھٹی دفعہ ابّا جان کو تب اس جاں گداز صُورتحال سے دو چار ہونا پڑتا جب اُنہیں یہ اطلاع ملتی کہ ان کا ایک پیارا کزن الحاج فیض اللہ خان جو اپنی سادگی نیک نیتی اور شرافت کا اعلیٰ نمونہ تھا، انتقال کر گیا ہے۔ابّا جان، اُن کے بھائی اور کزن اکثر شام کو اُن کی رہائشگاہ پر جمع ہوتے اور حسبِ روایت حال احوال کرتے اور ساتھ ہی ساتھ اُن کی مہمان نوازی، انکل مبارک اور انکل فیض اللہ کی دلچسپ نوک جھونک سے بھی لطف اندوز ہوتے۔کہ دونوں میں ایک کھرا تو دوسرا سادہ کردار تھا۔ساتویں دفعہ اُنہیں تب اِس جان لیوا کیفیت سے گُزرنا پڑتا جب وہ یہ خبر سُنتے کہ اُن کے برادرِ نسبتی ، میرے ماموں لطیف بھی اللہ کو پیارے ہو گئے ہیں۔سیاسی ، سماجی، اور جماعتی زندگی میں وہ کبھی ابّا جان سے آگے ہوتے تو کبھی پیچھے۔ ہمیشہ ایک ساتھ نظر نہ آنے کے باوجود بھی اُن کی زندہ دلی اور دلچسپ شخصیت ابّا جان کو بہت مرغوب تھی۔گویا ۲۰۱۵ء کے اختتام تک جب آپ کی عمر ۸۲ برس کے لگ بھگ ہوتی تو ان پے در پے صدمات ، جو اگلے چند توسیع

سالوں کی صورت، اور اوسطاً سال میں دو دفعہ انہیں دیکھنے پڑتے تو غالب خیال یہی ہے کہ دلِ حساس ہونے کے ناطے خود ان کی حالت ایسے ہو جاتی جیسے بقول بہزادلکھنوی ؎

زندہ ہوں اس طرح کہ غمِ زندگی نہیں
جلتا ہوا دیا ہوں، مگر روشنی نہیں

اور جو تھوڑی بہت روشنی بچی بھی ہوتی وہ اُس وقت گل ہو جاتی جب ایک روز انہیں یہ خبر بھی سُننے کو ملتی کہ دیرینہ رفیق چوہدری عبدالکریم نمبردار کا بھی بلاوا آ گیا۔ انکل کریم کی بھی ابّا جان کے ساتھ خوب نبھی۔ میں نے دیکھا، دونوں دوستوں کے ہاں فوک وزڈم (Folk Wisdom) بہت تھا۔ جس کے سہارے وہ مقامی (اور علاقائی) مسئلے مسائل اور سیاست کی گُتھیاں بڑی مہارت کے ساتھ سُلجھا لیتے۔ ابّا جان کی وفات کے بعد، ایک روز میں نے انکل سے اُن کا ردِعمل جاننے کے خیال سے یہ سوال کیا جب یہ خبر آپ نے سُنی تو اُس وقت آپ پر کیا گزری؟ اُن کا بے ساختہ جواب تھا ’’ مجھے اپنے بچوں کی (طبعی اور غیر طبعی) وفات سے بھی زیادہ دکھ ہوا ‘‘ یہ اُس ذکی اور نافع الناس وجود کو ایک ایسا زبردست خراجِ عقیدت تھا جو صرف وہی شخص پیش کر سکتا ہے جو اپنی ذات سے آگے تک دیکھنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔ مردم شناس ہو۔ اللہ تعالیٰ ان سب مرحومین کی مغفرت فرمائے۔ غریقِ رحمت کرے آمین۔ قضاوقدر کے عمیق درعمیق اسرار اور اپنی اس ساری خواب و خیال ایسی کہانی کے پس منظر میں یہاں مُجھے حضرت یوسفؑ کی قید کے دنوں کا وہ واقعہ یاد آ گیا جب دو ساتھی قیدیوں میں سے ایک نے کہا میں خواب میں خود کو اس حالت میں دیکھتا ہوں کہ انگور نچوڑ رہا ہوں۔ دوسرے نے خواب سنائی کہ میں اپنے سر پر روٹیاں اُٹھائے ہوئے ہوں جنہیں پرندے کھا رہے ہیں۔ آپؑ ہمیں اِس کی حقیقت سے آگاہ کریں۔ ھم یقیناً آپ کو نیکوکاروں میں سے سمجھتے ہیں۔ آپؑ نے اپنے الٰہی علم تعبیر الرویا کی روشنی میں فرمایا تم میں سے ایک (اوّل الذکر) تو اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرے کو سولی دے کر مارا جائے گا۔ مُخلصی پا جانے والے قیدی سے آپؑ نے صرف اتنی سی بات کہی کہ اپنے آقا (بادشاہ) کے پاس میرا بھی ذکر کرنا۔ اب بظاہر یہ بشری تقاضوں سے ھم آہنگ ایک عام سی بات تھی۔ زندان سے نکلنے کی ایک تدبیر تھی۔ مگر اللہ تعالیٰ کو اپنے نبی کی یہ ادا پسند نہیں آئی کہ اس میں توکل علی اللہ، جو انبیاء کرام کا خاصا ہے، سے انحراف کی ایک باریک سی صورت، ایک رمق موجود تھی۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی کسی حکمت کے تحت وہ بات اس قیدی کے ذہن سے ہی محو کر دی کہ وہ جس بات کو چاہے یاد رکھواتا ہے اور جس کو چاہے بھُلوا دیتا ہے۔ اور یُوں آپ کا عہدِ اسیری طوالت اختیار کر گیا۔ آپؑ کی باعزت رہائی کا سامان اُس وقت پیدا ہوا جب بادشاہ نے یہ خواب دیکھا کہ سات موٹی گائیں ہیں، جنہیں سات دُبلی گائیں کھا رہی ہیں۔ اور سات سرسبز بالیں ہیں جنہیں چند خشک بالیں کھا رہی ہیں۔ بادشاہ نے اپنے درباریوں سے اپنی اس خواب کی تعبیر پُوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ یہ پراگندہ خوابیں ہیں اور ھم ایسی خوابوں کی حقیقت کو نہیں جانتے۔ درباریوں کی یہ بے بسی اور لاعلمی کو دیکھ کر یکایک اُس قیدی کو حضرت یوسفؑ کی وہ بھُولی بسری بات یاد آ گئی، جو گئے دنوں میں آپؑ نے اُسے کہی تھی، تب مخلصی پانے والے اس قیدی نے بادشاہ سے آپ کی اسیری علم رویا اور بزرگی کا ذکر کیا اور یُوں انجام کار آپؑ کی (قیدِ بے گُناہی کا مطالبہ تسلیم کئے جانے کے بعد) رہائی اور دربار تک رسائی ممکن ہوئی! سورۃ یوسف میں مذکورہ اس قصّے اور اپنی اس رودادِ فکر سے مُجھ پر یہی کُھلا، یہی سبق ملا کہ کامل ایمان کامل اطاعت کو چاہتا ہے۔ اور یہ کہ بندہ ہر ایک حال میں بندہ رہا کرے۔ راضی بَر رضا۔ ہمیں اس کے کاموں اور ارادوں اور فیصلوں، جن میں مستورِ حکمت سے ھم ناآشنا ہوتے ہیں، دخل در معقولات کا مُرتکب نہیں ہونا چاہیے۔ بے لگام انسانی خواہشوں کا کیا ہے، وہ تو ہزاروں ہوتی ہیں اور ہر خواہش پر ہی بقول غالب دم نکلتا ہے۔ اہم یہ نہیں کہ کب اور کس عمر میں سانس کی ڈوری ٹوٹی۔ اہم یہ ہے کہ زندگی کے مُیسر شعوری دورانیے میں خلقِ خدا، جو اللہ کا کنبہ ہے اُس کے ساتھ اُس کا برتاؤ کیسا رہا؟ اگر اچھا رہا تو پھر ایک بزرگ صوفی شاعر کے مطابق فکر کیسی: ؎

.de tariq-baluch@hotmail



ڈاکٹر عبدالسلام ہمارے قومی احترام کا نشان ہیں

عاصم بخشی



ڈاکٹر عبدالسلام ایک ایسا حوالہ ہیں جو ہمارے سماج میں مختلف فکری سرحدوں، عدم تحفظات پر مبنی اضطراب اور نظریاتی کھینچا تانی کو ظاہر کرتا ہے۔ مجھے یاد ہے کہ اسلام آباد کی ایک جامعہ میں انجینئرنگ کی ایک کلاس پڑھا کر باہر نکلا تو گیلری میں نصب ڈاکٹر عبدالسلام کی تصویر پر کسی طالبعلم نے کالے مارکر سے جلی حروف میں ''لعنتی' اور'' کافر'' وغیرہ لکھا ہوا تھا اور چہرے کو سیاہ کرنے کی کوشش بھی کی گئی تھی۔ میں نے فوراً جا کر ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ کو اطلاع دی تو انہوں نے فرمایا کہ میں دیکھ لیتا ہوں، آپ بس طلباء وغیرہ میں یہ بحث نہ چھیڑیں کیوں کہ مسائل پیدا ہو سکتے ہیں۔ اگلے ہفتے کلاس لینے گیا تو گیلری سے ساری تصاویر ہی اتاری جا چکی تھیں۔ آخر ایک مضطرب اور عدم تحفظ کا شکار مریض معاشرے میں اکثریتی طبقے کے نزدیک کسی ملعون کافر کو ملعون اور کافر نہ کہنا بھی تو اپنے عقیدے پر سوالات اٹھانے کی دعوت دینا ہے، تو شاید ہیڈ آف ڈیپارٹمنٹ نے یہی مناسب سمجھا کہ تمام تصاویر ہی اتار لی جائیں بجائے اس کے کہ ایک 'ناپاک' تصویر کو عزت واحترام کی خاطر 'پاک' کرنے کا خطرہ مول لیا جائے۔

لیکن بہر حال حالت بدل بھی رہے ہیں اور اب نظریاتی سرحدوں کے دونوں جانب کئی ایسے فکری طبقات دیکھنے میں آ رہے ہیں جو ایک مخصوص ثنائی منطق سے بالاتر ہو کر سیاہ وسفید کے بیچ میں ایک وسیع وعریض نظریاتی میدان میں کھڑے ہونے کو ترجیح دے رہے ہیں۔ لیکن پھر بھی کسی نہ کسی جگہ اضطراب دکھائی دے جاتا ہے کیوں کہ نظریے کا جبر بہر حال کئی تہیں رکھتا ہے اور ایک دو نسلیں بھی اس کو مبہم کرنے کے لئے کم ہیں۔ جب ہم کھل کر نفرت کا اظہار نہیں کر سکتے تو دبے دبے الفاظ میں چٹکی کاٹ کر ہی کام چلا لیتے ہیں۔ مسئلہ تو شاید بہت حد تک نفسیاتی ہی ہے۔

قائداعظم یونیورسٹی میں ڈاکٹر عبدالسلام کے نام پر فزکس ڈیپارٹمنٹ کا نام رکھنے پر بھی کئی بہت پر لطف اور دلچسپ تبصرے دیکھنے میں آ رہے ہیں۔ کچھ احباب تو انہیں ملعون، کافر، غدار اور احسان فراموش کہہ کر دل کی بھڑاس نکال رہے ہیں تو کچھ احباب یہ سوال اٹھا رہے ہیں کہ انہیں آگہی دی جائے کہ ڈاکٹر عبدالسلام کی ملک کے لئے کیا 'خدمات' ہیں۔ ہماری رائے میں تو دونوں سوالات ایک ہی سکے کے دو رخ ہیں۔ ایک دشنام ہے تو دوسرا طنز۔ ظاہر ہے کہ ملت اسلامیہ کے ایک قلعے سے منسوب تمام ماہرین طبیعات کو ملت اسلامیہ میں تو ہونا ہی چاہئے ورنہ پھر قلعے کی دیواروں میں شگاف سا محسوس ہوگا۔

حیرت ہے کہ یہ سوال نہیں پوچھا جاتا کہ ملک کے لئے ابن سینا کی کیا خدمات ہیں؟ ان کے نام پر بھی دارالحکومت کی ایک طویل سڑک ہے اور عقائد بھی کافی مشکوک ہیں۔ الخوارزمی وغیرہ کی ملک کے لئے کیا خدمات ہیں کہ ان کے نام پر جامعات میں سائنس سوسائیٹیاں بنی ہوئی ہیں؟ اگر کوئی ابن خلدون کے نام پر دنیا کی کسی جامعہ میں تاریخ یا فلسفے کے ڈیپارٹمنٹ کا نام رکھتا ہے تو اس کے معنی کیا یہ ہوتے ہیں کہ ابن خلدون نے اس ملک میں کوئی 'خدمات' انجام دی ہیں؟

عبدالسلام تو خیر ویسے بھی ماضی قریب کی ایک ایسی شخصیت ہیں جنہیں کم از کم پاکستان سے باہر کے لوگ بھی پاکستانی ہی سمجھتے ہیں۔ شاید گورنمنٹ کالج لاہور میں یا اس سے منسلک ایک ریاضی تحقیقاتی لیبارٹری بھی عبدالسلام کے نام پر ہے کیوں کہ وہ وہاں استاد بھی رہے اور ریاضی کا نصاب بھی مرتب کیا۔ اور بھی شاید کچھ جگہیں ایسی ہوں گی۔ دنیا بھر میں تو یہی دیکھا گیا ہے کہ عام طور پر جن اداروں یا مقامات وغیرہ کو ان علامتوں سے منسوب کیا جاتا ہے وہ اس پر فخر محسوس کرتے ہیں۔ ایک استاد، محقق یا سائنسدان ملک کی کیا خدمت کر سکتا ہے سوائے یہ کہ اپنے علمی میدان میں اس کی تحقیق اس کے ملک کا بھی ایک علامتی حوالہ ہو۔

سوال تو بنیادی طور پر یہی ہے کہ آیا ڈاکٹر عبدالسلام کا نام پاکستانی قوم کی اجتماعی یادداشت سے محو کر دیئے جانے کے قابل ہے یا سنبھالنے کی چیز اور قومی وقار کی علامت ہے؟

ہم یہی کہتے ہیں کہ اس قسم کے سوالوں سے اگر ڈھکی چھپی تنقید مقصود ہے یا ایسا نہیں ہونا چاہئے تھا کیوں کہ یہ عدل وقانون کے خلاف ہے کہ ملک کی ایک جامعہ اپنے فزکس ڈیپارٹمنٹ کا نام ملک کے نوبل انعام یافتہ ماہرِ طبیعات کے نام پر رکھے تو یقیناً اس پر کھل کر احتجاج ہونا چاہئے کہ آخر (ملکی آئین کے مطابق) ملت اسلامیہ کی پیٹھ میں چھرا گھونپنے والے ایک بداعتقاد گروہ کے غیر مسلم ماہرِ طبیعات کو اتنی عزت کیوں دی گئی؟ مثال کے طور پر یہ دلیل دی جا سکتی ہے جس شخص کی حب الوطنی بھی کسی ایک طبقے کی نگاہ میں مشکوک ہو اس کو قومی علامت نہ بنایا جائے۔ پارلیمان میں بل پیش کیا جا سکتا ہے کہ جماعت احمدیہ سے تعلق رکھنے والے مشہور پاکستانیوں کے نام کو علامتی حیثیت نہ دی جائے کیوں کہ اس سے وہ معاشرے میں ایک ہیرو بن کر سامنے آتے ہیں اور اجتماعی یادداشت میں غیر ضروری اہمیت کے حقدار ٹھہرتے ہیں۔ امتِ مسلمہ کی اگلی نسلیں سوال کریں گی کہ اس ''ملعون'' فرقے کے لوگوں کو کیوں اتنا علامتی احترام دیا گیا وغیرہ وغیرہ۔ ان بنیادوں پر تحریک چلانے کی بھی ضرورت نہیں کیوں کہ مال مسالہ تو پہلے ہی کتابوں میں موجود ہے۔ اس صورت میں یقیناً یہ پچاس اور ستر کی دہائی کی طرح ایک دلچسپ قانونی معاملہ ہوگا۔

کیوں نہ ہم کھل کی ہی ایک نیا دوقومی نظریہ اپنا لیں یعنی قلعے کے اندر اور باہر محصور دو قومیں فیصلہ کر لیں کہ ہم میں سے ایک قوم چونکہ پہلے مسلمان ہے اور پھر پاکستانی تو دوسری قوم یقیناً ان سے کم درجے کی مسلمان ہی ہوگی کیوں کہ وہ اپنے شخصی ابہامات کو تنگ نظری اور سہل فکری سے دبانے کی بجائے ان سے بغل گیر ہونے کو ترجیح دیتی ہے، پہلے انسان ہے اور پھر کسی مذہبی عقیدے پر کاربند؟

(بشکریہ ہم سب)

جنونِ عشق میں گھر بار چھوڑ آؤ تو



(ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن)

جنونِ عشق میں گھر بار چھوڑ آؤ تو
صدائے لیلیٰ کبھی دشت میں لگاؤ تو

طلسمِ دہر میں جکڑے ہوئے ہیں لوگ یہاں
جو تم سے ہو سکے ، اس سے رہائی پاؤ تو

ہیں معرفت کے خزانے وہاں بھی پوشیدہ
تم اپنی ذات کے اندر سے ہو کے آؤ تو

جہاں میں نفرتیں تو عام بانٹی جاتی ہیں
دلوں میں الفتیں تقسیم کر دکھاؤ تو

نصیب جن کے انہیں آزماتے رہتے ہیں
ذرا سا ان کا کبھی حوصلہ بڑھاؤ تو

ہر ایک شخص محبّت سے رام ہوتا ہے
یہ نسخہ تم کبھی ہم پر بھی آزماؤ تو

تمہارے دل میں بھلا کیسے لوگ داخل ہوں
فصیلِ کبر و تعصّب کی تم گراؤ تو

جہالتوں کے اندھیرے یہ ختم کیسے ہوں
کہیں پہ شمع کوئی علم کی جلاؤ تو

تمہاری رات اگر صبح میں ڈھلی طارق
تو سونے والوں کو ، کوشش کرو ، جگاؤ تو



یہ ’’میلادی‘‘ مسلمان

قاسم عبّاس ،میسی ساگا ,کینیڈا



اکتوبر کے تیسرے ہفتے میں ماہِ ربیع الاوّل کی بارہ تاریخ آ رہی ہے ۔ یہ تاریخ حضورصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی میلاد کی تاریخ ہے

یہ "میلادی" مسلمان ہر سال صرف اور صرف ماہِ ربیع الاوّل کے دن بڑے شور شرابے اور دھوم دھام سے دھما کیدار طریقے سے "عیدِ میلاد" نام کا جشن مناتے ہیں ، اور دُنیا والوں کو یہ پیغام دیتے ہیں کہ دنیا والوں ، دیکھو ہم "میلادی" مسلمان پورا سال ہمارے آقا حضرت محمّد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات کو اور ان کی حیاتِ طیّبہ کو بھُلا کر صرف سال کے ایک دن ماہِ ربیع الاوّل میں ان کو یاد کر کے ان کی ولادت کا " جشن" بڑے شور شرابے اور دھوم دھام سے دھما کیدار طریقے سے پوری دنیا میں مناتے ہیں اور ان کو خراجِ عقیدت پیش کرنے کے لئے لمبے لمبے جلوس اور لمبی لمبی ریلیاں نکلتے ہیں اور طرح طرح کے تماشے کرتے ہیں



ماہِ ربیع الاوّل کی آمد سے پہلے ہی شمالی امریکا کے "عاشقانِ رسول' صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بینکوٹ ہال اور کنوینشن ہال کی بکنگ کروا لیتے ہیں ۔ یہ وہی ہال ہیں جہاں آئے دن شراب اور رقص کی محفلیں بھی سجائی جاتی ہیں ۔ مساجد میں محفلِ میلاد منعقد کرنا ایسے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو شاید زیب نہیں دیتا ہوگا اسی لئے یہ لوگ شراب اور رقص کی مہفلیں جہاں سجائی جاتی ہے ، وہ جگہ پسند کرتے ہیں ۔

کچھ کمرشئل مولوی تو نمازیوں سے خاص طور پر مسجد کے لئے بٹورے گئے چندے کی رقم سے اپنے حواریوں کو پاکستان اور بھارت سے "امپورٹ" کرتے ہیں ، صرف اس لئے کہ یہ حواری محفل میں نعت پڑھے یا "خصوصی خطاب" کرے ۔ کیا شمالی امریکا میں نعت خوانوں کا اور خطیبوں کا قحط ہے کہ مسجد کے چندے کے پیسوں سے امانت میں خیانت کر کے اپنے حواریوں کو باہر سے "امپورٹ" کر کے انہیں سیر سپاٹے کرائے جائے ؟ معصوم نمازی ، جو اپنا اور اپنے بال بچوں کا پیٹ کاٹ کر مسجد کے لئے چندہ دیتے ہیں ، اس چندہ کا یہ حشر ہوتا ہے



اس طرح "میلادی" مسلمان اپنی پوری عمر میں رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیروی کر کے میلاد کا حق ادا کرنے کی بجائے سال میں صرف ایک مرتبہ نعتیں پڑھ کر ، قوّالیوں میں تبلے اور تالیوں کے تال سے اور لمبی لمبی ریلیاں نکال کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اپنا عشق ظاہر کر رہے ہیں ۔ کیا صحابا کرام نے کبھی اس طرح میلاد منا کر لمبی لمبی ریلیاں نکالی تھی ؟

اب تو حد ہو گیی ہے کہ پاکستان کے کچھ مولوی اب سمندر میں بھی میلا د ریلیاں نکالنے لگے ہیں ,یعنی کشتیوں میں بیٹھ کر سمندر میں ریلیاں نکالے ہیں ۔ شاید آگے جاتے ہوے یہ ہی لوگ ہیلی کاپٹر میں اور ہوائی جہاز میں میلاد ریلیاں نکالینگے ۔ آگے آگے دیکھئے ,ہوتا ہے کیا ۔

سچّے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسلمانوں کے لئے اصل میلا د یہ ہی ہے کے حضوصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّت ، انکی حیاتِ طیّبہ ، انکے قول وفعل اور انکے ارشادات کی پوری عمر پیروی کرے ، اور نہ کہ سال میں صرف ایک مرتبہ بڑے شور شرابے اور دھوم دھام سے دھما کیدار طریقے سے ناپاک جگہ پر "عیدِ میلاد" نام کا جشن منائے ۔

بازار تو سجا دیے میلادِ مصطفیٰ کے لئے
پیغامِ مصطفیٰ کیا ہے یہ ہم نے بھلا دیا

❁❁❁❁❁

کیا ضیاالحق صاحب کو فلسطینیوں کا خون بہانے کی وجہ سے ترقی ملی تھی؟

ابو نائل

پاکستان کی تاریخ میں 5 جولائی 1977 کی تاریخ کی ایک خاص اہمیت ہے۔ اس روز پاکستان میں ایک بار پھر مارشل لا لگا دیا گیا اور پھر اس نے ختم ہونے کا نام ہی نہ لیا۔ جب بھی 5 جولائی کی تاریخ قریب آتی ہے پاکستان میں بہت سی دلچسپ آرا کا اظہار شروع ہو جاتا ہے۔ مثال کے طور پر کیا بھٹو صاحب اور ان کے سیاسی حریف قومی اتحاد کے مذاکرات کے درمیان مذاکرات کامیاب ہو رہے تھے کہ نہیں؟ مارشل لا کیسے لگایا گیا وغیرہ وغیرہ۔ اور ایسی بحثوں کا جاری رہنا ضروری ہے تاکہ ہم اپنی تاریخ سے سبق حاصل کر سکیں۔

میری رائے میں یہ جائزہ لینے سے پہلے کہ جنرل ضیاالحق صاحب نے مارشل لا کیسے لگایا، یہ دیکھنا ضروری ہے کہ وہ ہماری فوج کے سربراہ کیسے بنے؟ اور اس سے قبل انہوں نے ترقی کے مراحل کس طرح طے کیے؟ سینکڑوں سینئر افسران میں سے جب ایک شخص ترقی کے زینے طے کرتا ہوا فوج کا سربراہ بنتا ہے تو حکام کو اس میں کچھ نظر آتا ہے تو وہ اسے اس منصب پر فائز کرتے ہیں۔ اس کالم میں یہ جائزہ پیش کیا جائے گا کہ ضیا صاحب نے کیا کارنامے سرانجام دیے تھے؟

جہاں تک ضیاالحق صاحب کے عسکری کیریئر کا تعلق ہے تو اس میں صرف ایک موقع آتا ہے جس میں انہوں نے کوئی نمایاں کردار ادا کیا تھا۔ اور یہ مرحلہ ستمبر 1971 میں اردن کی خانہ جنگی ہے۔ جنرل ضیا صاحب اس وقت برگیڈیر تھے اور انہیں اردن میں پاکستانی سفارت خانے میں مقرر کیا گیا تھا۔

اس خانہ جنگی کا پس منظر یہ تھا کہ 1967 کی جنگ میں عرب ممالک کی شکست کے بعد یاسر عرفات کی قیادت میں فلسطینی تنظیم نے اردن میں اپنے مراکز قائم کر لئے تھے۔ اور یہ وہاں سے اسرائیل پر حملے کرتے تھے۔ فلسطینی تنظیم اور اردن کے شاہی خاندان کے تعلقات نہایت کشیدہ تھے اور وقت کے ساتھ فلسطینی مضبوط ہو رہے تھے۔ جب ستمبر 1970 میں فلسطینی تنظیم نے تین مغربی ائر لائنز کے مسافر جہاز اغوا کر لئے تو اردن کے بادشاہ نے فلسطینیوں کے خلاف فوج کشی کرنے کا فیصلہ کیا اور فلسطینی کیمپوں کو گھیر کر ان پر بمباری شروع کر دی۔



فلسطینی فدائین کو سوویت یونین اور ان کے اتحادی شام کی حمایت حاصل تھی۔ اردن کے شاہی خاندان کو امریکہ اور اسرائیل کی حمایت حاصل تھی۔ شام نے فلسطینیوں کی مدد کے لئے اپنے بکتر بند برگیڈ اردن میں داخل کر دیے۔ اردن کے بادشاہ فلسطینی فدائین کو اردن سے نکالنا چاہتے تھے۔ ہزاروں فلسطینی اس جنگ میں مارے گئے اور آخر 15 جولائی 1971 کو بچے کھچے فدائین کو شام کے راستے لبنان جانے کا راستہ دیا گیا اور یہ خانہ جنگی ختم ہوئی۔ اس بحث سے قطع نظر کہ اس جنگ میں صحیح کون تھا اور غلط کون تھا؟ وہاں پر برگیڈیر ضیاالحق کے سپرد جو کام تھا اس کی رو سے وہ وہاں کی خانہ جنگی میں کسی قسم کی شرکت نہیں کر سکتے تھے۔

اردن میں امریکی ادارے سی آئی اے کے سربراہ جیک او کونل بیان کرتے ہیں کہ ضیاالحق صاحب کا وہاں پر کام صرف اتنا تھا کہ وہ اردن اور پاکستان کے درمیان فوجی تعاون قائم رکھیں اور اپنے افسران کو رپورٹیں بھجوائیں۔ انہوں نے اس بات کی پرواہ نہ کرتے ہوئے وہاں کی خانہ جنگی میں نہ صرف بھرپور شرکت کی بلکہ اردن کے شاہ حسین کے اہم مشیر کا کردار بھی ادا کیا۔ انہوں نے اردن کے ایک فوجی دستے کی قیادت کرتے ہوئے

فلسطینیوں پر حملے کیے۔ اسرائیلی تبصرہ نگار اب تک اس بات پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں کہ ساری تاریخ میں اسرائیلی فوج کے ہاتھوں اتنے فلسطینی نہیں قتل ہوئے، جتنے اس خانہ جنگی میں اردن کی فوج کے ہاتھوں مارے گئے تھے۔

شاہ حسین نے ان کے سپرد یہ کام بھی کیا کہ وہ شام کی فوجوں کی پوزیشن کا اندازہ لگائیں۔ اور ضیاالحق صاحب نے انہیں بتایا کہ اب صورت حال بہت خراب ہو چکی ہے اور انہیں اب اس خانہ جنگی میں فضائیہ کو استعمال کرنا چاہیے۔ بہر حال اردن کو کامیابی ملی اور مصنف بروس ریڈل لکھتے ہیں کہ ضیا الحق صاحب کی خدمات کے بغیر فلسطینیوں کو شکست دینا شاید ممکن نہ ہوتا۔ اور اسی وجہ سے شاہ حسین نے بھٹو صاحب سے ضیاالحق صاحب کی ترقی کی سفارش کی۔ اس پر بھٹو صاحب نے انہیں برگیڈیر سے میجر جنرل کے عہدے پر ترقی دے دی۔ ورنہ وہ برگیڈیر کے عہدے پر ہی ریٹائر ہو جاتے۔

(What We Won: America 's Secret War in Afghanistan، 1979 89 By Bruce Riedel، p 57.58)

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اردن کے بادشاہ کی پشت پناہی امریکہ اور اسرائیل کر رہے تھے۔ اس وقت نکسن امریکہ کے صدر اور ہنری کسنجر ان کے مشیر برائے قومی سلامتی تھے۔ ان کے مشوروں اور میٹنگز کا ریکارڈ اب منظر عام پر آ چکا ہے۔ اردن کے شاہ حسین کی طرف سے جو بھی کارروائی ہو رہی تھی وہ امریکہ کے مشوروں اور آشیر باد سے ہو رہی تھی۔ اور یہ منصوبے بن چکے تھے کہ اگر ضرورت پڑی تو امریکہ کی بری فوج اور امریکہ اور اسرائیل کی فضائیہ شاہ حسین کی مدد کو پہنچیں گے۔

اس بنا پر یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ اس جنگ میں ضیاالحق صاحب کی شمولیت پاکستانی حکومت کی اجازت سے ہو یا نہ ہو لیکن امریکہ کی اجازت سے ضرور تھی۔ اور یہ بھی بعید نہیں کہ شاہ حسین کی سفارش بھی امریکہ کی آشیر باد سے ہو کیونکہ ضیاالحق صاحب اس اہم جنگ میں امریکہ کے اتحادیوں کے گرانقدر خدمات سرانجام دے چکے تھے۔

سوال یہ ہے کہ وزیر اعظم بھٹو کوئی ناتجربہ کار شخص نہیں تھے۔ یہ ممکن نہیں ہے کہ وہ صرف شاہ حسین کی سفارش کی وجہ سے ہی ضیا صاحب کو ترقی دیتے گئے ہوں۔ انہوں نے اپنا برا بھلا بھی دیکھا ہوگا۔ ایک وجہ تو یہ بیان کی جاتی ہے کہ بھٹو صاحب نے انہیں اس لئے انہیں آٹھ سینئر جرنیلوں پر ترجیح دے کر فوج کا سربراہ بنایا تھا کیونکہ انہوں نے ضیا صاحب کی فدویانہ شخصیت کی بنا پر اندازہ لگایا تھا کہ وہ ان کے لئے خطرہ نہیں بن سکتے۔



گو کہ ضیا صاحب کو دو ممالک کے درمیان جنگ میں جوہر دکھانے کا تو موقع نہیں ملا تھا لیکن ضیاالحق صاحب نے یہ ثابت کیا تھا کہ وہ حکومت کے کہنے پر خانہ جنگی میں باغیوں کو کچلنے کے لئے کسی حد تک بھی جا سکتے ہیں۔ اس وقت بلوچستان میں بھی بغاوت کا ماحول پیدا ہو چکا تھا۔ اور اپنی کتاب If I Am Assassinated میں لکھتے ہیں کہ فوج کے سربراہ کی حیثیت سے ایک مرتبہ ضیا صاحب بہت خوشی کے عالم میں ان کے پاس آئے تھے کہ اس شورش کے فلاں لیڈر کو مار دیا گیا ہے۔

شاید بھٹو صاحب کے ذہن میں یہ ہو کہ ملک میں جب بھی ان کے خلاف شورش یا بغاوت ہوگی تو ضیا صاحب ان کے لئے ویسی ہی خدمات سرانجام دے سکتے ہیں جیسا کہ انہوں نے شاہ حسین کے لئے سرانجام دی تھیں۔ یہ فیصلہ بہر حال کوئی دانشمندانہ فیصلہ نہیں تھا۔ جو شخص اپنی ترقی کے لئے اردن میں تمام اصول اور ضابطے توڑ سکتا ہے وہ شخص یہی کام پاکستان میں بھی سرانجام دے سکتا ہے۔ خاص طور پر سانحہ مشرقی پاکستان کے بعد یہ ضروری تھا کہ فوج کی قیادت ایسے جنرل کے ہاتھ میں جو پیشہ وارانہ بنیادوں پر فوج کو مضبوط ادارہ بنا سکے۔ ضیا صاحب نے اپنے ہم وطنوں کو کچلنے کا کارنامہ تو دس سال سے زائد عرصہ سرانجام دیا لیکن اس سے قبل انہوں نے یہی مناسب سمجھا کہ بھٹو صاحب کو اقتدار سے ہٹا کر خود اقتدار پر قبضہ کر لیں۔

(بحوالہ ہم سب)

❁❁❁❁❁❁❁❁❁❁

❁❁❁❁❁



وہ خدا کا ہی نوشتہ تو لکھا کرتا ہے (انتخاب)

مبارک ظفر

وہ خدا کا ہی نوشتہ تو لکھا کرتا ہے
ہو کے رہتا ہے وہی جو وہ کہا کرتا ہے
بیٹھ جائیں جو ترے در پہ بھکاری بن کر
کاسۂ خیر انہی کا ہی بھرا کرتا ہے
نیک فطرت جو رہیں صحبت یار میں آ کر
ہم نشینی سے عجب رنگ چڑھا کرتا ہے
اس سے بڑھ کر بھی غنی اور کوئی کیا ہو گا
اپنی اوقات میں جو شخص رہا کرتا ہے
سانس پھر لیتے ہیں محفوظ فضا میں سب لوگ
شہر میں وقت کا حاکم جو پھرا کرتا ہے
ساحلوں پر تو فقط ریت یا پتھر ہوں گے
گوہرِ خاص تو ساگر میں پلا کرتا ہے
گونجتی ہے یہ صدا وقت کے ایوانوں میں
اس کا ہوتا ہے بھلا جو بھی بھلا کرتا ہے
چاہے جتنی بھی بلندی پہ چلا جائے عروج
اک نہ اک تو زوالوں میں ڈھلا کرتا ہے
مار دیتا ہے ہر اک جوہرِ روحانی کو
اژدھا جب بھی تکبر کا ڈسا کرتا ہے
وقت کی قدر نہیں کرتا جو غافل بندہ
حسرت و یاس کی تصویر بنا کرتا ہے
ہجر میں آنکھ جو بھیگی تو یہ احساس ہوا
دل کے آنگن میں ہی ہر اشک گرا کرتا ہے
پاک مٹی میں تعصب کے لگیں جب پودے
پھل ہی نفرت کا درختوں کو لگا کرتا ہے
خونِ ناحق سے تعصب کا چمن سینچیں تو
باغ جل جاتا ہے سب راکھ ہوا کرتا ہے



روحانی خزائن

ڈاکٹر طارق انور باجوہ۔لندن

پانی ہو معرفت کا میسّر اگر رواں
پا جائیں اس کے پینے سے اک دوسرا جہاں
اس سے کریں وضو تو ہو لذّت نماز میں
عرفاں کے پانیوں میں رہیں رات دن یہاں
روحانی مائدہ کے یہ اترے ہیں طشت جو
نازل ہوئے ہیں اُس پہ جو سالارِ کارواں
آبِ حیات یہ جو میسّر ہے روز و شب
چشمے پہ معرفت کے، پیئیں بیٹھ کر یہاں
اشکوں کے صاف پانی سے دھلتے ہیں سب گناہ
سجدوں میں رو، کے التجا کرتے ہیں جب میاں
سیراب پانی جو کرے، جنت کے باغ سب
اعمالِ صالحہ کی ہی نہروں میں ہے رواں
پانی کے ایک گھونٹ سے بجھتی نہیں ہے پیاس
لقمے سے ایک کب بھرے بھوکے کا پیٹ یاں
سیراب ہو ں جو پانی سے عرفان کے یہ روز
سر سبز ہوں یہ کھیت، پھلیں پھولیں گلستاں
اس میکدے سے ملتی ہے جو معرفت کی مے
اس سے سرور پائیں جو، اَسرار ہوں عیاں
بھوکے کو خواب روٹیوں کے آئیں رات بھر
پانی سراب میں ہو میسّر مگر کہاں
طارق بصیرتوں سے، جو محروم تم رہو
کیسے عیاں ہو تم پہ، وہ جو یار ہے نہاں

امریکہ نیا تماشا لگانے جا رہا ہے

ابو نائل

افغانستان سے آخری فوجی نکلنے کے بعد جو بائیڈن کی تقریر بنیادی طور پر ہزیمت اور شکست کو قابل قبول بنانے کا جواز فراہم کرنا تھا۔ انہوں نے کہا کہ اب افغانستان میں ٹھہرنا قومی مفاد کے خلاف تھا۔ سوال یہ ہے کہ قومی مفاد تھا کیا۔ انہوں نے خود ہی تسلیم کیا کہ اسامہ کو تو وہ ایک دہائی پہلے ہی مزا چکھا چکے تھے۔ شاید وہ بھول گئے کہ اسامہ کو مزا چکھانے سے بہت پہلے وہ اسے گرفتار کر سکتے تھے لیکن نہیں کیا۔ ایک وقت ایسا بھی تھا کہ منصور اعجاز دبئی میں اسامہ کا انتظار کرتا رہا لیکن پاکستانی ایجنسیوں نے اسے حوالے نہ کیا۔

امریکہ اپنے عوام کے سامنے جنگوں کے جواز بنانے میں سب سے اہم کام یہ کرتا ہے کہ شخصیتوں کو عفریت بنا کر پیش کرتا ہے مثلاً صدام حسین، قذافی اور اسامہ بن لادن۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ خود امریکا کے ایما پر اسامہ بن لادن افغانستان آیا تھا۔ لیبیا میں حملے کا جواز اپنے سفیر کے قتل ہونے کو بنایا گیا۔ اسی تقریر میں جو بائیڈن نے داعش خراسان کے خطرے اور امریکہ کا داعش خراسان کے خلاف حملے جاری رکھنے کا عندیہ بھی دیا ہے۔ داعش خراسان دو ہزار جنگجوؤں پر مشتمل وہی تنظیم ہے جس کی ٹمبر کے مسئلہ پر 2019 میں طالبان کے ساتھ جھڑپ ہوئی تھی جس میں امریکا نے طالبان اور افغان نیشنل آرمی نے داعش خراسان کی مدد کی تھی۔ اس سے پہلے 2018 میں جوزجان میں دونوں کی معمولی جھڑپ ہوئی تھی۔ اس وقت بہت سے چھوٹے چھوٹے جہادی گروپ افغانستان میں موجود ہیں اور یہ خطرہ موجود ہے کہ وہ تمام گروپ داعش خراسان کے ساتھ مل جائیں کیونکہ داعش خراسان کا ایک عالمی ایجنڈا ہے اور وہ طالبان کی نظریاتی دشمن ہے۔

جس طرح امریکا طالبان کے لئے پچاسی ارب ڈالر کا اسلحہ چھوڑ کر بھاگا ہے اور جیسے روس اور چین اس پر داعش کی مدد کا الزام لگاتے رہے ہیں اس سے یہ ثابت ہے کہ خود امریکا کا طالبان/ داعش خراسان کی لڑائی کے ارادے کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا گو کہ پاکستان میڈیا یا مجاہدین داعش خراسان کو کوئی خطرہ نہیں سمجھتے۔ یہ داعش خراسان ہی تھی جس نے کچھ عرصہ قبل کابل میں لڑکیوں کے سکول پر حملہ کر کے بہت سی معصوم طالبات کو شہید کر دیا تھا۔

پھر اپنی تقریر میں جو بائیڈن نے کہا کہ روس اور چین اسے افغانستان میں پھنسائے رکھنا چاہتے ہیں۔ یہ بہت ہی احمقانہ بیان اس لئے ہے کہ امریکا اپنا سفارت خانہ بند کر کے جا چکا ہے جب کہ روس کا سفارت خانہ معمول کا کام کر رہا ہے اور روس نے لوگوں کو نکالنے میں کسی افراتفری کا مظاہرہ بھی نہیں کیا۔ چین تو پہلے ہی سے طالبان حکومت کو۔ قبول کرنے کے لئے بیٹھا ہے کیونکہ اسے وہاں کان کنی کے ٹھیکے چاہئیں۔ جو بائیڈن فرماتے ہیں کہ ان کا مقصد نیشن بلڈنگ کبھی نہیں تھا حالانکہ بیس برس میں امریکا نے وہاں جو مڈل کلاس پیدا کی ہے وہ اظہار آزادی رائے کی قائل ہے اور یونیورسٹیوں میں پڑھ رہی ہے۔ امریکا نے وہاں دو ہزار کلومیٹر کے روڈ لنک قائم کیے ہیں اور چار ٹرانسمیشن لائنوں کے ذریعے بجلی کی درآمد کو یقینی بنایا ہے۔ افغان نیشنل آرمی میں امریکا نے دانستہ ازبک، تاجک اور غیر پشتونوں کو بھرتی کیا اور شاید اس کا مقصد متفرق قوموں اور قبائل سے زیادہ کمزور اور تعصّبات کے حامل افراد کو یکجا کرنا تھا اور یا پھر ان لوگوں کو جو طالبان خطرے کے سامنے ڈھیر ہو جائیں۔ جو بائیڈن کہتے ہیں کہ انہیں اشرف غنی کے بھاگنے کا یقین نہیں تھا۔ سوال یہ ہے کہ اگر غنی بھاگ گیا تھا تو امراللہ صالح کو قائم مقام صدر بنا دیتے۔ اس نے تو اعلان کیا تھا کہ وہ قائم مقام صدر ہے اور ریاستوں یا حکومتوں کی ڈور ایک شخص کے ہاتھ میں تو نہیں ہوتی۔ اگر جو بائیڈن خدانخواستہ مر جائے تو کیا ریاست کا کام رک جائے گا؟۔ اشرف غنی خود کہتا ہے کہ وہ خون خرابہ نہیں چاہتا تھا اور اس کا مطلب ہے کہ وہ بھی طالبان کی اس پیش قدمی کو ایک سازش گردانتا ہے۔ طالبان بھی کہتے ہیں کہ ان کا کابل میں گھسنے کا ارادہ نہیں تھا لیکن غنی بھاگ گیا حالانکہ وہ غنی کو ڈھونڈتے بھی

رہے۔

یہ بھی سوچا جاسکتا ہے کہ طالبان اورغنی کے درمیان خانہ جنگی کی بنیاد بھی رکھی جارہی تھی۔ پھر جو بائیڈن کہتے ہیں کہ ابھی دو تین سو لوگ وہاں موجود ہیں اور امید ہے طالبان انہیں افغانستان چھوڑنے دیں گے۔ دوسری طرف وہ کہتے ہیں کہ اگر ڈیڈ لائن گزر جاتی تو طالبان ان کے لوگوں پر حملہ کر سکتے تھے۔ بات میں واضح تضاد ہے کہ آپ کئی ہزار لوگوں کو جو مترجم تھے، این جی اوز چلا رہے تھے، خواتین کے حقوق کے لئے کام کر رہے تھے طالبان کے رحم وکرم پر کیوں چھوڑ آئے؟

دو یا تین سو امریکیوں کو وہاں کیوں چھوڑ دیا۔ پھر بائیڈن کہتے ہیں کہ انہوں نے القاعدہ کو شکست دے دی حالانکہ القاعدہ سے تعلق رکھنے والوں کو تو انہوں نے خود مذاکرات کے لئے چھوڑا۔ ان کی تقریر ایک غلطی کا جواز ڈھونڈتے آدمی کی تقریر تھی جس سے روایتی امریکی۔ سازش کی بو آرہی تھی۔ امریکا میں چوہتر فی صد لوگوں نے اس تقریر کو شکست خوردگی سے تعبیر کیا ہے۔

(2021/09/02 ذیشان حسین بشکریہ ہم سب)

مقصود نسیم جرمنی

سوچ کی یاد میں ہنگامہ سدا رہتا ہے
دل کی کیا بات کہوں! ہم سے خفا رہتا ہے
دوستو تم میرے چہرے کو تو پڑھ کر دیکھو
میرا ہر درد تو چہرے پہ لکھا رہتا ہے
جب بھی چاہے گا میرا رب تو چھٹ جائے گا
غم کا بادل جو میرے دل پہ رُکا رہتا ہے
دل کی بستی کبھی ویران نہیں ہوسکتی
میرے دل میں میرا رحمان خدا رہتا ہے
گزرے لمحوں کی ستاتی ہیں جو یادیں اکثر
اک خنجر سا میرے دل میں چبھا رہتا ہے
کون چاہے گا میرے غم کا مداوا مقصود
آستینوں میں یہاں سانپ چھپا رہتا ہے



کام صالح تھا نام طالع تھا

(مبارک احمد ظفر)

کام صالح تھا نام طالع تھا
وہ خلافت کا عین تابع تھا
اِک توانا صبیح خادم تھا
گوہرِ پاک ابنِ ہاشم تھا
پی گیا جام وہ شہادت کا
راستہ چن لیا حلاوت کا
اپنے پیاروں سے جا ملا ہے وہ
اب شہیدوں میں جا بسا ہے وہ
اس کی یادوں کو یوں سجائیں گے
اپنے سجدوں میں ہم بسائیں گے
تجھ پہ رحمت مدام ہو پیارے
تجھ کو میرا سلام ہو پیارے

دیا جیم

ذکر اس کا حبیب لگتا رہا
اپنے دل کے قریب لگتا رہا
رشک آتا ہے طالع احمد پر
راضی اس سے خطیب لگتا رہا
ایسا لگتا تھا چاند ہے کوئی
کل وہ سب کا نصیب لگتا رہا
ساری نظریں بلائیں لیتی رہیں
اپنا دل ہی غریب لگتا رہا
اپنا دامن لگا کہ خالی ہے
ایک تو ہی منیب لگتا رہا
شاعروں نے لکھا محبت میں
غمزدہ ہر ادیب لگتا رہا
عشق زادہ دیا جلاتا ہوا
مرد حق کا نجیب لگتا رہا



گلدستہ

مرتبہ اے آر خان۔



ایک پیاری دعا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام فرماتے ہیں کہ

’’میں اس بیماردار کی طرح جو اپنے عزیز بیمار کے غم میں مبتلا ہوتا ہے، اس ناشناس قوم کے لئے سخت اندوہ گیں ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ اے قادر و ذوالجلال خدا! ہمارے ہادی اور رہنما! ان لوگوں کی آنکھیں کھول اور آپ ان کو بصیرت بخش اور آپ ان کے دلوں کو سچائی اور راستی کا الہام بخش۔

(مکتوباتِ احمد جلد اوّل صفحہ 357)

یہ حضرت اقدس مسیح موعودؑ علیہ السلام کی لوگوں کی اصلاح کے لئے دردمندانہ دعا ہے۔آپ مخالفین کے حق میں بھی بہت دعائیں کرتے تھے۔

1893ء میں آپ نے الہام دیکھا:

وَقَدْ اَنْبَاَنِیْ رَبِّیْ اَنَّنِیْ کَسَفِیْنَةِ نُوْحٍ لِّلْخَلْقِ فَمَنْ اٰتَانِیْ وَدَخَلَ فِی الْبَیْعَةِ فَقَدْ نَجَا مِنَ الضَّیْعَةِ۔

(آئینہ کمالاتِ اسلام، صفحہ 486 روحانی خزائن جلد 5 بحوالہ تذکرہ صفحہ 178)

ترجمہ: اور میرے رب نے مجھے خبر دی ہے کہ میں لوگوں کے کے لئے نوح کی کشتی کی طرح ہوں۔پس جو شخص میرے پاس آ کر بیعت میں داخل ہوگا وہ ضائع ہونے سے بچ جاوے گا۔

حضرت اقدس مسیحِ موعودؑ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اس زمانہ میں اصلاحِ خلق کے لئے مبعوث فرمایا ہے، جیسے سابقہ انبیاء کو فرمایا تھا۔حضرت نوحؑ کے زمانہ میں اللہ نے انکی امت کو ظاہرا ایک کشتی میں سوار کر کے عذاب سے بچایا تھا۔اور اس زمانہ میں حضرت اقدس مسیحِ موعودؑ کی تعلیم ہی وہ روحانی کشتی ہے جس پر کامل عمل کرنے سے انسان خدا تعالیٰ کی رضا کی راہوں پر چلتا ہے اور گناہوں سے بچ جاتا ہے جیسا کہ حضرت مسیحِ موعودؑ نے اپنی کتاب کشتی نوح میں فرمایا ہے۔

فرمان خلیفۃ المسیح

حضرت خلیفۃ المسیح الخامس ایدہ اللہ تعالیٰ بنصرہ العزیز اپنے ایک خطبہ جمعہ 22 مئی 2020ء کو اسلام آباد، برطانیہ میں فرماتے ہیں:

آج کل ہم جس حالت سے گزر رہے ہیں اس میں خاص طور پر خدا تعالیٰ کے آگے جھکنے کی ضرورت ہے۔ یہ آفات اور طوفان اور بلائیں جو اس زمانے میں آ رہی ہیں ان کا حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے سے خاص تعلق ہے۔ پس ہمیں اپنے ایمان و ایقان اور انجام بخیر کے لیے بھی بہت دعائیں کرنی چاہئیں اور دنیا کے بچانے کے لیے بھی دعائیں کرنی چاہئیں۔

مناسب ہے کہ ان ابتلا کے دنوں میں اپنے نفس کو مار کر تقویٰ اختیار کریں۔ میری غرض ان باتوں سے یہی ہے کہ تم نصیحت اور عبرت پکڑو۔ دنیا فنا کا مقام ہے، آخر مرنا ہے۔خوشی دین کی باتوں میں ہے۔اصلی مقصد تو دین ہی ہے۔‘‘

حاصلِ مطالعہ

مکرم نجم الثاقب کاشغری حاصل مطالعہ کے تحت تحریر کرتے ہیں کہ

ایک ایسے ناخدا کی ضرورت ہے جو قوم کی مسیحائی کا کردار ادا کرے

عبدالرشید مصباحی صاحب وقت کی آواز بن کر رقم طراز ہیں کہ:

’’قحط الرجال وفکری وعملی انحطاط کے اس دور میں بدحالی ومشربی استحصال کی شکار امت مرحومہ کی ڈوبتی کشتی کو ساحل سمندر سے ہمکنار کرنے کے لیئے اب ایک ایسے ناخدا کی ضرورت ہے جو تمام تر اختلافات ومخالفت سے صرف نظر کر کے قوم کی مسیحائی کا کردار ادا کرے۔

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ ملی شیرازہ بندی اور اسلامیان ہند کی

دینی، تعلیمی، سماجی، سیاسی، معاشرتی، معاشی و اقتصادی قیادت وسیادت کے لئے مشائخ میں ایسی ہمہ جہت شخصیات موجود ہیں جو علم وفن وفکرو تدبر کا بحر بیکراں ہیں اور ہزار علمی وفکری انجمنوں کا منبع و مصدر ہیں مگر غیر معلوم اسباب وجوہات کی بنیاد پر ان میں فکری وعملی انجماد پیدا ہوگیا ہے جس کے نتیجہ میں قوم مسلم بالخصوص جماعت اہلسنت کی کشتی ڈوبنے کے کنارے پر ہے اور پوری جماعت بے راہ روی اور بکھراؤ سے دوچار نہایت کسمپرسی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔ جماعت اہلسنت کے احوال و کوائف و ان کے اخلاق و کردار کے تجزیہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اب ان کے نزدیک اجتماعیت واتحاد واتفاق کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہونے والا ایک خواب بن چکا ہے اور انکے انتشار و بکھراؤ کو دیکھ کر ہر طرف یاس وناامیدی کے بادل منڈلاتے نظر آتے ہیں۔

جن پہ تکیہ تھا وہی پتے ہوا دینے لگے

وہ مراکز جو ماضی میں ملی شیرازہ بندی کا سرچشمہ تھے آج وہی تفرقہ سازی و گروہ بندی کا اڈہ بن چکے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ خانقاہیں ہمیشہ سے قومی یکجہتی، فکری ہم آہنگی، تحمل و برداشت اتحاد واتفاق۔ امن ومحبت، رواداری کے ماخذ ومراجع رہے ہیں جنہوں نے ہمیشہ تزکیہ نفس اصلاح اعمال واخلاق، تعلیم و تزکیہ ومحاسبہ کے ذریعہ کروڑوں تشنگان علوم ومعرفت کو ہمیشہ فیض یاب کیا ہے اور لاکھوں گم گشتہ راہوں کو محبت الٰہی کا جام پلایا ہے اور آج بھی جہاں عقابوں کا نشیمن زاغوں کے تصرف میں نہیں ہے وہ فیض وکرم کے دریا بہا رہے ہیں مگر ان میں سے اکثر جو خانقاہی نظام کی اساس و بنیاد (بندہ کا تعلق اللہ سے مضبوط کرنا) سے بھٹک گئے ہیں اور بندہ کا تعلق بندہ (پیر) سے مضبوط کرنے کے مشن پر ڈٹے ہوئے ہیں آج وہی انتشار واختلاف، بغض وحسد کبر ونخوت کے نتیجہ میں تفرقہ بندی کا مرکز بن گئے ہیں ۔۔۔۔۔۔ قوم کی قیادت وسیادت کی ذمہ داری علماء ومشائخ کے سرتھی پر جس طرح مشائخ نے قوم کو مایوسی کے سوا کچھ نہ دیا اسی طرح علماء بھی اپنے فرائض منصبی سے روگردانی کر رہے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ جو طبقہ بر اسٹیج ومنبر ومحراب عوام کو اتحاد کا پاٹھ پڑھاتا نظر آتا ہے وہی کئی ٹکڑیوں میں بٹا ہوا ہے ۔۔۔۔۔۔۔۔۔"

(روزنامہ صحافت ممبئی 4 فروری 2021 صفحہ 5)

تبصرہ: محترم مصباحی صاحب کے دکھ اور جذبات قابل احترام ہیں۔ شاید انہیں علم نہیں کہ اس بدقسمت قوم نے وقت کے مسیحا کا زمانہ پا کر بھی اس کی قدر نہ کی بلکہ اس مسیحا کو ہی ٹھکرا دیا۔ اب جو کچھ بھی مصباحی صاحب نے قوم کا نقشہ کھینچا ہے، وہ مکافاتِ عمل ہی قرار دیا جاسکتا ہے۔

حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود ومہدی معہود علیہ السلام فرماتے ہیں:

وقت تھا وقتِ مسیحا نہ کسی اور کا وقت
میں نہ آتا تو کوئی اور ہی آتا ہوتا

رسول ﷺ کے اسلام کی اعتدال پسندانہ تعلیمات کو عام کرنا بھی سعودی عرب کے اہداف میں شامل

روزنامہ صحافت ممبئی خبر دیتے ہوئے لکھتا ہے:

''سعودی عرب کی حکومت نے جہاں حجاج اور معتمرین کو مناسک کی ادائی میں تمام سہولیات فراہم کرنے اور ان کی ہر ضرورت پوری کرنے کا عزم کر رکھا ہے وہیں حکومت کی طرف سے حرمِ مکی میں آنے والے مہمانوں کو اعتدال پسندانہ تعلیمات فراہمکرنے اور انتہا پسندی سے روکنے کے لئے بھرپور دینی اور علمی ذخیرہ بھی فراہم کیا ہے۔ کرونا وبا کے دوران اگرچہ حج اور عمرہ متاثر ہوئے مگر دوسری طرف حکومت نے حجاج اور معتمرین وزائرین کو اسلام اور رسول پاک کی طرف سے پیش کردہ اسلام کی اعتدال پسندانہ تعلیمات کو عام کرنا بھی اپنے اہداف میں شامل رکھا ہے۔

حکومت کی طرف سے 2024 تک حجاج کو اسل کی صحیح اور اعتدال پسندانہ تعلیم کا ہدف مقرر کیا اور اس کے لئے لٹریچر کی تیاری پر بھی کام جاری ہے۔

کرونا وبا کے دوران حرم مکی میں حجاج اور معتمرین کی خدمت کرنے والی ایجنسیوں نے فکری تحفظ اور اعتدال پسندانہ تعلیمات کو عام کرنے کے لئے کئی پروگرامات اور اقدامات کئے"۔

(روزنامہ صحافت ممبئی 4 فروری 2021 صفحہ 2)

تبصرہ: بہت دیر کی مہرباں آتے آتے۔ گزشتہ کئی دہائیوں سے آپ ہی کے پھیلائی ہوئی مذہبی شدت پسندی اور عسکری جہاد پر مبنی تعلیمات نے عالم اسلام کے ہزاروں لاکھوں معصومین کی جان لے لی، اس کا حساب کون دے گا۔

اب اتنا ضرور کیجیئے گا کہ آپ اس "اعتدال پسندی" پر استقامت سے جمے رہیں اور اسی کو دوام بخشیں۔

عربوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد اب خود کو غیر مذہبی قرار دے رہی ہے

بی بی سی کے مطابق مشرقِ وسطیٰ اور شمالی افریقہ کے اب تک کے سب سے بڑے اور تفصیلی سروے میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ عربوں کی ایک بڑھتی ہوئی تعداد اب خود کو غیر مذہبی قرار دے رہی ہے۔

یہ تحقیق ان کئی مطالعوں میں سے ایک ہے جو جنسی رویوں، تحفظ، ہجرت اور خواتین کے حقوق سے لے کر کئی معاملات پر عرب عوام کے خیالات جاننے کے لیے کی گئی۔

بی بی سی نیوز عربی کے لیے عرب بیرومیٹر ریسرچ نیٹ ورک کی جانب سے کی گئی اس تحقیق میں 2018 کے اواخر اور 2019 کے موسمِ بہار کے درمیان 10 ممالک اور فلسطینی علاقوں میں 25 ہزار سے زائد افراد کا انٹرویو کیا گیا۔

https://www.bbc.com/urdu/world-48742741

عرب بیرومیٹر کے مطابق

2013 میں کئے گئے ایک سروے کے مقابلہ پر جبکہ 51 فیصد عرب لوگ مذہبی جماعتوں اور ان کے سربراہوں پر اعتماد کا اظہار کرتے پائے گئے تھے، 2019 میں اس طبقے کی تعداد گھٹ کر 40 فیصد ہو چکی ہے۔

اسی طرح 2013 میں 8 فیصد عرب خود کو "غیر مذہبی" قرار دیتے تھے، 2019 میں ان کی تعداد 13 فیصد بڑھ گئی۔ ان میں زیادہ تعداد جوان عربوں کی ہے، چنانچہ سروے کے مطابق تیونس کے پچاس فیصد نوجوان، لیبیا کے ایک تہائی نوجوان، الجیریا کے ایک چوتھائی نوجوان اور مصر کا ہر پانچواں جوان کھلم کھلا خود کو غیر مذہبی قرار دیتا ہے۔

سروے میں یہ بات بھی معلوم ہوئی کہ ماضی کی نسبت اب مشرق وسطیٰ اور شمالی افریقہ کی نوجوان نسل مذہبی اور نیم سیاسی مذہبی پارٹیوں کے سربراہوں پر اعتماد نہیں کرتی۔

https://www.arabbarometer.org/media-news/young-arabs-are-changing-their-beliefs-and-perceptions-new-survey/

کام سے محروم نوجوان بھگوان سے نالاں

نئی دہلی (صحافت بیورو): "کورونا کی روک تھام کے لئے گزشتہ مارچ میں لگائے گئے اچانک لاک ڈاؤن کے لئے اب تک حکومت کے خلاف ہی لوگوں کی ناراضگی دیکھی جا رہی تھی مگر اب لوگ اس کے لئے بھگوان سے بھی ناراضگی ظاہر کرتے ہوئے نظر آ رہے ہیں۔

قومی راجدھانی کے علاقہ پنچم پوری علاقہ میں پیش آنے والے ایک عجیب وغریب واقعہ میں ایک نوجوان نے مندر میں رکھی مورتیوں کو اس لئے نشانہ بنایا کیونکہ کورونا لاک ڈاؤن کے دوران اس کا ذریعہ معاش بند ہو گیا اور وہ سخت معاشی تنگی کا سامنا کر رہا تھا۔ پولیس کے مطابق ہفتہ کے روز صبح تقریباً 9 بجے پنچم پوری کے ماتا ویشنو مندر کے کاہن (پجاری) رام پاٹھک جب مندر آئے تو انہوں نے دیکھا کہ مندر کے کھلے حصۃ میں رکھی دیوتا شیو کی دو مورتیاں اپنی جگہ پر نہیں ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ دیگر مورتیاں بھی نقصان زدہ نظر آ رہی تھیں۔ مندر کے احاطہ میں اینٹ اور پتھر بھی بکھرے ہوئے تھے۔ کاہن نے اس کی معلومات پولیس کو دی۔۔۔۔

پولیس نے معاملہ کی جانچ پڑتال شروع کی تو معلوم چلا کہ اس واقعہ میں 28 سالہ وکی کا ہاتھ ہے۔

پولیس نے جب اسے حراست میں لے کر پوچھ گچھ کی تو اس نے بتایا کہ کہ لاک ڈاؤن سے قبل وہ کباڑ جمع کرنے کا کام کرتا تھا، جو بند ہو گیا تھا۔ نیز اس نے بھگوان سے کہا تھا کہ تو نے مجھے بھکاری بنایا میں اس کا بدلہ ضرور لوں گا"۔

(htm.1_sahafat.in/delhi/p-8//:http)

تبصرہ: پیارے وکی بھائی۔ "بدلہ" تو تب لیا جاتا جب واقعی یہ پتھر اور گارے سے تراشیدہ بت اور مورتیاں آپ کو بھکاری بنانے میں ملوث ہوتے۔ یہ تو خود اپنا تحفظ کرنے میں ناکام رہے، جیسا کہ آپ نے دیکھ لیا۔ کیوں نہ اس حقیقی "بھگوان" کی طرف رجوع کریں اور اس سے مدد مانگیں جو ہندو دھرم کی اصل تعلیمات کے مطابق واحد و یگانہ ہے اور ہم سب کا حقیقی

رب بلکہ رب العالمین ہے، رحمٰن و رحیم ہے، رازق و مولا، حاجت روا اور مشکل کشا ہے۔

رگ وید میں واضح طور پر لکھا ہے کہ:

"ایشور ہی روحانی اور جسمانی طاقتیں عطا کرنے والا ہے۔ اور اسی کی عبادت تمام دیوتا (فرشتے کیا کرتے ہیں) اس ایشور کی خوشی ہمیشہ کی زندگی عطا کرنے والی ہے اور موت کا خاتمہ کرنے والی ہے۔ اس ایشور کو چھوڑ کر تم کس دیوتا کی عبادت کر رہے ہو؟"۔ (رگ وید۔2۔121۔10)۔

اسی طرح بھگوت گیتا میں یہ تعلیم دی گئی ہے کہ: "وہ خدا انسان کا مقصود حیات ہے۔ وہ رب ہے، وہ مالک ہے، وہ گواہ ہے، وہی ملجا و ماویٰ ہے، وہی حقیقی دوست ہے، وہ اول بھی ہے اور آخر بھی، وہ خزانہ ہے، وہ حیّ و قیوم ہے"۔ (بھگوت گیتا 18:9 بحوالہ شری کرشن جی اور کلکی اوتار صفحہ 24۔ مصنفہ مولوی برہان احمد ظفر درانی۔ اشاعت سوم 2013)

اس زمانہ کے کلکی اوتار، شری کرشن، رودر گوپال، موعود اقوام عالم حضرت مرزا غلام احمد قادیانی مسیح موعود و مہدی معہود، جری اللہ فی حلل الانبیاء علیہ السلام فرماتے ہیں:

کر بیاں سب حاجتیں حاجت روا کے سامنے!

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

جلا ڈالیں سب صوفے۔

انگریزی روزنامہ ڈان (پاکستان) کی اشاعت 21 مارچ 2021 میں پروفیسر پرویز ہود بھائی کا ایک فکر انگیز کالم

"Burning Sofas in Islamabad"

کے عنوان سے شائع ہوا ہے جس کا اردو ترجمہ "دی سپر لیڈ ڈاٹ کام" کے شکریہ کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے:

"یہ بھدا مذاق تھا یا فیک نیوز؟ میں نے حال ہی میں ایک خبر پڑھی کہ مولانا عبدالعزیز (لال مسجد والے) نے اپنی سرپرستی میں چلنے والے اسلام آباد کے ایک مدرسے میں صوفے نذر آتش کر دیئے۔ خبر کی کسی نے تردید بھی نہیں کی اور گوگل سرچ کیا تو میرے سارے شکوک و شبہات دور ہو گئے۔

قریب سے بنائی گئی ایک ویڈیو میں دیکھا جا سکتا ہے کہ سٹپٹائے ہوئے مولانا جامعہ فریدیہ کے مہمان خانے میں داخل ہو رہے ہیں۔ یہ دیوہیکل مدرسہ اسلام آباد کے متمول ترین علاقے سیکٹر ای میں واقع ہے۔ کچھ طلباء اور اساتذہ بھی مولانا کے ہمراہ ہیں۔ پہلے صوفے کو آگ لگانے سے قبل وہ سب کو اس بات پر ڈانٹ پلاتے ہیں کہ ان کی واضح ہدایات کے باوجود صوفوں کا استعمال ترک نہیں کیا گیا۔ مولانا کے مطابق اسی نافرمانی کی وجہ سے انہیں خود آنا پڑا۔

مولانا جو منطق بیان کرتے ہیں وہ دوٹوک ہے: اسلام میں صوفے پر بیٹھنا منع ہے، بالخصوص جہاد کی تیاری میں مصروف مجاہدین کے لئے۔

مولانا کے مطابق پیغمبر اسلام یا ان کے صحابہ کبھی صوفے پر براجمان نہیں ہوئے۔ وہ یہ منطق ماننے کے لئے بھی تیار نظر نہیں آتے کہ صوفے دراصل مہمانوں کے لئے ہیں۔ اپنے شہید والد کی طرح (جو مولانا سے پہلے جامعہ فریدیہ کے چانسلر تھے) مولانا بھی فرش پر بیٹھنا پسند فرماتے ہیں۔ جن طلبہ کو آسان زندگی اور صوفوں پر بیٹھنے کی خواہش ہے وہ یا تو مدرسے کو خیرباد کہہ دیں یا کثرت کیا کریں۔

اس بیان کے بعد مولانا نے چھری منگائی، صوفے کے کشن کو چیرا، ماچس جلائی اور فوم کو نذر آتش کر دیا۔ ایک صوفے کو جلانے کے بعد انہوں نے حکم دیا کہ دوسرا صوفہ لایا جائے۔

مولانا کی منطق سے عبوری طور پر اتفاق کرتے ہوئے مجھے ان کے عمل پر تین اعتراضات ہیں۔

اول: کمرے کے اندر صوفے کو آگ لگانا ایک خطرناک عمل ہے۔ جب فوم یا پلاسٹک کو آگ لگائی جاتی ہے تو خارج ہونے والے دھوئیں میں زہریلی گیس شامل ہوتی ہے۔ ویڈیو میں بھی دیکھا جا سکتا ہے کہ جوں ہی صوفے سے دھواں نکلتا ہے، مولانا کی معیت میں موجود افراد کھانسنے لگتے ہیں۔ مستقبل کے نوجوان مجاہدین جس پیشے میں جا رہے ہیں وہاں درازی عمر کی توقع بہرحال نہیں کی جا سکتی پھر بھی ان کی صحت کو ایسے خطرات سے دوچار کرنے کا مطلب ہے کہ وہ وقت سے بہت پہلے جان سے ہاتھ دھو سکتے ہیں۔

دوئم: اس میں شک نہیں کہ گزشتہ ہزاری (میلینیم۔ ناقل) میں صوفے

نہیں پائے جاتے تھے لیکن مولانا نے بات کا بتنگڑ ہی بنا دیا ہے۔ساتویں صدی میں تو مولانا کے زیر استعمال موبائل فون بھی نہیں تھے،صوفے جیسی سیٹوں والی جس ایس یووی (SUV) میں وہ گھومتے ہیں وہ بھی نہیں تھی،اپنے باڈی گارڈز کو مولانا نے جوائے کے 47 تھما رکھی ہیں وہ بھی نہیں تھیں۔اسی طرح بجلی، پائپ کے راستے آنے والا پانی اور گیس ایسی سہولتیں بھی نہیں تھیں۔مولانا ان سب کے استعمال کا کیا جواز فراہم کریں گے؟

انہیں اس بات کی وضاحت بھی دینا ہوگی کہ وہ ایک دور میں ٹیلی ویژن سکرین پر تواتر کے ساتھ کیوں نمودار ہوا کرتے تھے حالانکہ ٹیلی ویژن پر انسانی شبیہہ پیش کی جاتی ہے اور بے شمار علماء کچھ عرصہ پہلے تک اسے حرام قرار دیتے رہے ہیں۔نیٹ فلکس پر موجود انعام یافتہ دستاویزی فلم ’امنگ دی بیلیورز" (Among the Believers) میں مولانا کا مرکزی کردار ہے۔

سوئم: تین ماہ بعد پاکستان بارے فیصلہ کیا جائے گا کہ اسے فیٹف (FATF) کی گرے لسٹ میں رکھنا ہے یا نکالنا ہے۔ایک ایسے موقع پر دارالحکومت کے عین وسط میں ایک ایسے ادارے کی رونمائی کرنا جو ایسے گریجویٹ پیدا کرتا ہے جن سے دنیا کو ڈر لگتا ہے، ہرگز دانش مندی قرار نہیں دیا جا سکتا۔جو لوگ پاکستان کو گرے لسٹ میں رکھنا چاہتے ہیں، ان کو مولانا نے مزید ثبوت فراہم کر دیئے ہیں۔

گو صوفوں کی آتش زنی سے شہر میں امن و عامہ کی صورت حال پیدا نہیں ہوئی مگر ماضی میں مولانا نے ایسے اقدامات کی حوصلہ افزائی کی ہے جن سے شہر میں امن کو خطرہ لاحق ہوا۔۔۔۔گو بہت سی این جی اوز اور فاونڈیشنز پر پابندی لگائی گئی ہے مگر اسلام آباد انتظامیہ شہداء فاونڈیشن پر ہمیشہ مہربان رہی جس کا نتیجہ ہے کہ یہ نہ صرف باقی ہے بلکہ پھل پھول رہی ہے۔

اس مہربانی کی کوئی وجہ سمجھ نہیں آتی۔2007ء میں مولانا عبدالعزیز اور ان کے بھائی عبدالرشید غازی (جو بعد ازاں مارے گئے) کی قیادت میں لال مسجد والوں نے اسلام آباد پر اپنی مرضی کی اسلامی ریاست مسلط کرنے کی کوشش کی۔12 اپریل 2007ء کو مسجد میں قائم ایک غیر قانونی ایف ایم سٹیشن سے انہوں نے حکومت کو یہ خوفناک دھمکی دی:”ملک کے کونے کونے میں خودکش حملے ہوں گے۔ ہمارے پاس اسلحہ ہے، گرینیڈ ہیں اور ہمیں بم بنانا بھی آتا ہے۔ہم موت سے نہیں ڈرتے“۔

مسجد کے مولویوں کے گرد القاعدہ اور جیش محمد جیسی غیر قانونی تنظیموں کے کارکن جمع تھے۔ریاست کے اندر ریاست بن جانے والی لال مسجد میں وسطی ایشیا کے جنگجو بھی جوق در جوق آ رہے تھے۔مسجد کے احاطے میں دونوں بھائی،مولانا عبدالعزیز اور مولانا عبدالرشید، اپنی شرعی عدالت لگاتے۔یہیں انہوں نے سعودی سفیر کی میزبانی کی۔یہیں انہوں نے چین کے سفیر کے ساتھ اغوا کئے گئے چینی شہریوں کی رہائی کے لئے مذاکرات کئے۔

کئی ماہ تک جنرل مشرف کی حکومت دوسری طرف دیکھتی رہی۔جب مسجد میں اسلحہ اور ایندھن جمع کئے جا رہے تھے اور جامعیہ حفصہ کی طالبات شہر میں لاٹھیاں اٹھائے دندناتی پھر رہی تھیں حکومت نے نہ تو مدرسے کو بجلی اور گیس کی فراہمی بند کی، نہ اس کی ویب سائٹ پر پابندی لگی نہ ہی مسجد میں قائم غیر قانونی ایف ایم ریڈیو سٹیشن بند کیا گیا۔آج تک یہ پتہ نہیں چل سکا کہ یہ سب کچھ بزدلی کا نتیجہ تھا یا ملی بھگت کا۔

باقی تفصیلات دہرانے کی ضرورت نہیں۔جولائی 2007ء میں اسلام آباد راکٹوں اور بموں کے دھماکوں سے گونج اٹھا جس کے بعد خون خرابہ شروع ہوا۔مسجد میں قلعہ بند جنگجوؤں کے ہاتھوں ایس ایس جی کے کئی کمانڈو جان سے ہاتھ دھو بیٹھے اور کتنے ہی زخمی ہو گئے۔اس سے چند دن پہلے مسجد کے قریب ایک چیک پوسٹ پر خودکش حملے میں کئی پولیس اہلکار ہلاک ہوئے۔جب مسجد پر قبضہ ختم کرایا گیا تو جنگجوؤں سے بے شمار اسلحہ برآمد ہوا۔چند ہفتوں بعد یہ اسلحہ اچانک پراسرار طریقے سے غائب ہو گیا۔

فوجی سربراہ جنرل قمر باجوہ نے حال ہی میں بیان دیا ہے کہ ہمیں اپنا گھر سیدھا کرنے کی ضرورت ہے۔اس سے ان کی مراد یہ نہیں تھی کہ گھر کے صوفے نذر آتش کر دیئے جائیں مگر صوفوں کی آتش زنی نے 2007ء کی یادیں تازہ کر دیں جب ہمارے فوجی اور سپاہی موت کی بھینٹ چڑھے۔اس کے باوجود تک آج تک مولانا عبدالعزیز یا ان کے ساتھیوں کے خلاف ایف آئی آر تک درج نہیں ہو سکی۔عام ریاستیں یہ اجازت نہیں دیتیں کہ اپنے شہریوں کے قاتل کو آزاد گھومنے دیں یا ان قاتلوں کو ایسے ادارے چلانے دیں جہاں سے مزید

قاتل پیدا ہوں۔ چودہ سال گزر گئے، اسلام آباد کا یہ اہم معمہ حل نہیں ہوسکا"۔

https://thesuperlead.com/super-blog/6605/

انگریزی کالم کے لئے دیکھیں:

https://www.dawn.com/news/1614871

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

نظم

ڈاکٹر طارق احمد مرزا۔آسٹریلیا

کوئی پوچھے تو ارضِ پاک اپنی
درندوں کے لیئے ہی کیا بنی ہے؟
نہیں پہچانتے ماں اور بہن کو
یہاں غیرت کی اب واضح کمی ہے
حمیّت تھی،سو وہ بھی بچ بچا کر
نجانے بھاگ کر کیسے گئی ہے
قیامت اس بڑھ کر اور کیا ہے
سحرہے، قوم لیکن سو گئی ہے
شبِ دیجور لگتی ہے اجالا
یہ "تبدیلی" ذہن کی ہو گئی ہے
ہیں غالب "نئے پاکستاں" پہ جاہل
پرانی مملکت تو کھو ہی دی ہے

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆



آفتاب شاہ

میری نامہ بر، میری جانِ جاں یہ لکھا تھا تم نے شرط سے
میرا مرنا بھی تیرے عشق میں میرا جینا بھی تیرے ربط سے
میرا ہونا بھی تیرے نام سے میرا کھونا بھی تیرے ہجر سے
میرا ہنسنا بھی تیری ذات سے میرا رونا بھی تیرے ضبط سے
میرا سونا بھی تیرے ساتھ سے میرا کھانا بھی تیرے ہاتھ سے
میرا دکھنا بھی تیری آنکھ سے میرا سپنا بھی تیرے ارط سے
میرا ملنا تیری رضا سے ہے تیرا ملنا میری دعا سے ہے
میرا تکنا تیری عطا سے ہے تیرا رکنا میرے فرط سے
میری سانس ترے وجود سے میری نبض ترے سرور سے
میرا سجنا تیرے خیال سے میری بندیا تیرے سبط سے
میرا چلنا بھی تیری چال سے میرا رکنا بھی تیری بات سے
میرا جھکنا تیرے حکم سے میرا اٹھنا تیرے مشط سے

(آفتاب شاہ میری آنے والی کتاب۔۔خونِ جگر۔۔سے انتخاب)

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞

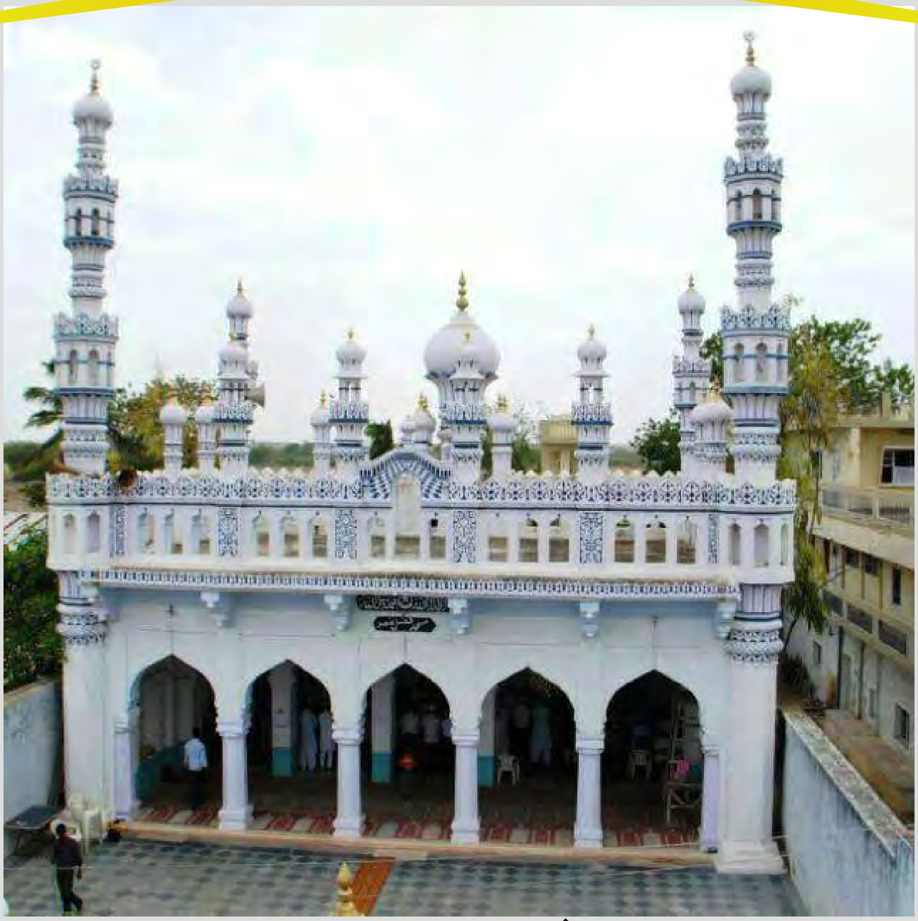
پیارا سید طالع احمد شہید



خواجہ عبدالمومن نا روے

ایک ہیرا طالع سید ہو گیا ہم سے جدا
جو خلافت کا تھا عاشق اور اسکا باوفا
وہ خلیفہ کا مطیع تھا اور سلطان نصیر
دین کی خدمت میں تھا مصروف وہ صبح ومسا
راہ مولا میں ملا اسکو شہادت کا مقام
جنتوں میں جا بسا اور پاء مولا کی رضا
پوار خطبہ پیارے آقا نے کیا طالع کے نام
پیار سے طالع کا زکر خیر آقا نے کیا
اے خدا تو پیدا کر دے طالع جیسے نوجواں
میرے آقا کی خدایا سن لے یہ بھی التجا
طالع کی یکدم جدائی سے سبھی غمگین ہیں
صبر دے اسکے پیاروں کو مرے پیارے خدا
پیارے طالع پر سدا رب کی ہوں نازل رحمتیں
ہر قدم پر پائے جنت میں سدا وہ برکتیں۔

۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞۞
۞۞۞۞۞
۞۞۞



مسجد فضل عمر،چنٹہ کنٹہ ،بھارت



مسجد مہدی،بینن افریقہ



بیت العافیت، بنگلہ دیش



احمدیہ مسجد، کولکاتہ، بھارت